اِنسانیّت کی تعمیرِ نو اور اسلام

www.KitaboSunnat.com

عبدالحمید صدّیقی

توزیع
رئاسة إدارات البحوث العلمية
والإفتاء والدّعوة والإرشاد
مكتب الدّعوة بالباكستان
وقف لله تعالى

Grace
Grace

اِسلامک پبلشنگ ہاؤس ○ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام

عبدالحمید صدیقی

www.KitaboSunnat.com

اسلامک پبلشنگ ہاؤس
۲- شیش محل روڈ لاہور



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

22006

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ۔)

طابع : منیر احمد

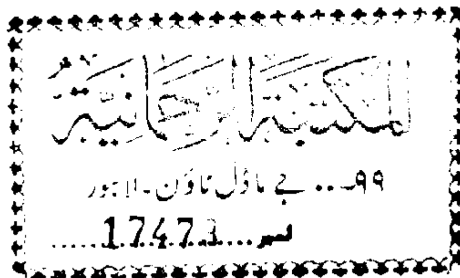
ناشر : اسلامک پبلشنگ ہاؤس
شیش محل روڈ لاہور

مطبع : مکتبہ جدید پریس لاہور

اشاعتِ اول : اگست ۱۹۷۶ء : ۱۱۰۰

قیمت : -/۲۵

کتابت : نادر رقم گوجرانوالہ
فوٹو آفسٹ : اورینٹ پروسس لاہور



محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب جناب عبدالحمید صدیقی صاحب کی وہ فکر انگیز تالیف ہے جس میں انہوں نے سرمایہ داری، اشتراکیت اور فسطائیت کے علمبردار نظامہائے زندگی کا بہ نظرِ عمیق جائزہ لیا ہے اور نوعِ انسانی پر ان کے تباہ کن اثرات نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں اور آخر میں انسانیت کی تعمیرِ نو کے سلسلے میں اسلام کے کردار کو واضح کیا ہے اور ٹھوس دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہر زمانے کی طرح موجودہ دور میں بھی صرف اسلام ہی نوعِ انسانی کے تمام فطری تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے اور پیش آمدہ مسائلِ حیات کا صحیح حل دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آج سے کئی سال پیشتر ایک دوسرے ادارہ کے زیرِ اہتمام یہ کتاب شائع ہوئی تھی اس وقت پڑھے لکھے طبقے خصوصاً نوجوان نسل نے اس کی خوب پذیرائی کی اونچے علمی حلقوں نے بھی فاضل مصنف کی اس کاوش کو بنظرِ استحسان دیکھا اور بعض یونیورسٹیوں نے تو اسے اپنے نصاب میں داخل کر لیا۔

اُس وقت سے لیکر اب تک، کتاب میں مذکور جدید تحریکوں سے متعلق بعض نئے امور کے انکشاف سے اور کہیں کہیں مجمل مباحث کی تفصیل کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے محترم صدیقی صاحب نے موجودہ ایڈیشن میں بہت کچھ ترامیم اور اضافے کئے ہیں۔ علاوہ ازیں نظرِ ثانی کرتے وقت بعض ذیلی عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں تاکہ قارئین خصوصاً طلبہ کو اخذِ مطالب میں آسانی رہے نیز زبان و بیان کی نوک پلک بھی سنوار دی ہے۔ اس طرح یہ ایڈیشن ہر اعتبار سے منقح اور مفصل ہو گیا ہے۔

ہم نے کتاب کے معنوی محاسن کے ساتھ ساتھ اس میں ممکن حد تک ظاہری خوبیاں بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے آفسٹ کتابت و طباعت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا یہ نقشِ ثانی بھی قارئین کرام کے ذوق اور معیار پر پورا اترے گا۔

لاہور: اگست ۱۹۶۶ء بمطابق شعبان ۱۳۸۶ھ ——— منیر احمد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

کچھ مُدت ہوئی غالباً کسی رسالہ یا کتاب میں ایک انگریز پادری کی یہ تجویز پڑھنے کا اتفاق ہوا کہ علوم طبیعی سے متعلق تحقیقی کام کو اب کچھ عرصہ کے لیے زبردستی روک دینا چاہیئے، نوع انسانی کی بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کچھ دیگر طریقے اور ذرائع معلوم کرے جن کی مدد سے انسان سائنسی کمالات سے پوری طرح بہرہ ور ہوسکے۔

جب یہ تجویز نظر سے گذری تو اس پر سوائے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے اور کوئی توجہ نہ دی گئی، کچھ رفقا نے اس پر یہ کہہ کر قہقہہ لگایا کہ مذہبی دیوانے مشرق ہو یا مغرب دونوں جگہ جاہل ہی ہوتے ہیں۔

مجھے اپنے دوسرے ساتھیوں کی رائے کا اِس وقت علم نہیں، میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ اپنی پہلی رائے پر قائم ہیں یا ان کا نقطۂ نظر بدل گیا ہے۔ مگر میں اپنے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس تجویز کی معقولیت کا پورا احساس ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انسانیت کی فلاح کے لیے اسے عملی جامہ پہنانا ازحد ضروری ہے۔ آپ میری اس رائے پر یقیناً حیرانی کا اظہار کریں گے اور یہ خیال کریں گے کہ میں علم طبیعیات کے سارے انکشافات کو کالعدم قرار دینے میں ہی انسانیت کی بقا دیکھتا ہوں، نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں ایجادات کی دنیا میں انسان کی محیر العقول ترقی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس سے انسان کے مادی آرام و آسائش میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ طریقۂ پیدائش میں نئی نئی گرہیں کھُلنے سے انسان کو فراوانی میسر آئی ہے۔ سمندر کے اندر جانے، بجلی کو قابو میں کرنے، ہوا کے تموج اور ذرات کو اپنے نامہ و پیام کا ایلچی بنانے اور خود بخود بجنے والے باجوں اور ہوش ربا سرعت سے چلنے والی سواریوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرشموں نے بلاشبہ انسانی زندگی کو بے حد قوت عطا کی ہے اور ان کی مدد سے اس نے حیرت انگیز کام سرانجام دیئے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سارے کام انسانیت کو حقیقی فوز و فلاح سے ہمکنار نہیں کر سکے، دورِ جدید کا انسان بے حد دکھی ہے۔ یہ "علم" جس کا مقصد انسانوں کی اجتماعی زندگی اور ان کے باہمی تعلقات میں عدل اور انصاف کی حکمرانی قائم کرنا ہے، انسان کے لیے وبالِ جان بنتا جا رہا ہے، آج انسانیت کے سارے شعبوں میں زبردست بگاڑ پایا جاتا ہے، یہاں بھیڑیوں کو گلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فصلِ خصومات کا کام سپرد کر دیا گیا ہے، یہاں اخلاق کی پاکیزگی اور دیانت و شرافت سے بڑھ کر کوئی جرم اور حماقت نہیں اور بداخلاقی و بددیانتی سے بڑھ کر کوئی ہنر اور قابلیت نہیں۔

بدقسمتی سے یورپ میں قوت و اخلاق کا توازن اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ مغربی ذہن کو سوائے سائنس کی ترقی روک لینے کے اور کوئی تجویز نظر نہیں آتی، بلاشبہ موجودہ انسان اپنے صنعتی کمالات و عجائبات اور اپنے خوارقِ عادات کے لحاظ سے نیز مادی و طبیعی قوتوں کی تسخیر میں "مافوق البشر" ہے۔ مگر دوسری طرف اپنے اخلاق و اعمال، اپنے حرص و طمع اور سنگدلی و بے دردی میں اس کی سطح چوپایوں اور درندوں کی سطح سے کسی طرح بھی بلند نہیں، اس کے پاس زندگی کے سارے وسائل موجود ہیں، مگر اسے جینا نہیں آتا، وہ اپنی مادی زندگی کے بہت سے اسرار و رموز سے واقف ہے لیکن وہ انسانی زندگی اور تمدن و اخلاق کے بالکل ابتدائی اصولوں تک سے ناآشنا ہے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان کی اس غیر متناسب ترقی کی وجہ کیا ہے اس کی وجہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ عہدِ حاضر کے انسان نے اپنے تمدنی مسائل کو بھی حل کرنے کے لیے علوم طبیعی پر اعتماد کیا ہے:

علومِ طبیعی انسان کی خارجی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، وہ ہمیں جو معلومات بہم پہنچاتے ہیں، ان سے ہم زندگی کے بعض مادی مسائل کو تو حل کر سکتے ہیں، مگر ہماری معاشرتی زندگی کی گتھیوں کو یہ کسی طرح بھی سلجھا نہیں سکتے، انسان کا تعلق خارج سے کہیں زیادہ باطن سے ہے، اور جو علم اسے نظرانداز کر دے وہ نوعِ انسانی کے روحانی اور اخلاقی تقاضوں سے کبھی انصاف نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے تہذیبِ جدید یک رخی ہو گئی ہے، اس امر کی وضاحت اِس مثال سے ہو سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈارون نے اس کائنات میں حیوانی زندگی کا مشاہدہ کر کے یہ اندازہ لگایا کہ اس دُنیا میں ارتقا کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہے اور اس طرح زندگی کی اعلیٰ حالتیں ادنیٰ حالتوں سے متواتر پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں، قدرت کی اس بے مقصد کارروائی کو ڈارون کشمکش حیات، انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح ایسی شاندار اصطلاحات سے تعبیر کرتا ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ زندگی کا ارتقا صرف تصادم کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ اس تگ و دو میں جو باقی رہ جاتے ہیں وہی سب سے بہتر ہوتے ہیں، اور قدرت خود بخود اچھے کو بُرے سے، کمزور کو طاقتور سے چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتی رہتی ہے، ڈارون کے یہ نتائج اس کے طبیعی زندگی کے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ ممکن ہے ان میں کوئی جزو صداقت کا بھی ہو مگر ان نتائج سے اگر ہم تمدنی زندگی کے اصول وضع کریں تو یہ سخت گمراہی ہوگی، ان کی بنیاد پر اگر کوئی یہ نتیجہ اخذ کرے کہ دنیا میں صرف انہی لوگوں کو زندہ اور خوش رہنے کا حق حاصل ہے، جو جسمانی، عقلی، یا معاشی اعتبار سے بلند درجہ رکھتے ہوں، خواہ اخلاقی حیثیت سے وہ خونخوار درندوں سے بھی کمتر ہوں تو یہ نتیجہ ڈارون کے پیش کردہ نظریۂ بقائے اصلح سے چاہے کتنا قریب ہو مگر انسان کی معاشرتی زندگی کے لیے کبھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔ اسے ایک کربناک المیہ کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ دورِ جدید کے انسان نے علم طبیعی کو ہی اصل علم سمجھ کر اس پر اپنی تمدنی زندگی کی تعمیر کرنا چاہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کو غربت و فلاکت میں عقل و استدلال کے ہتھیاروں سے بےبس ہو کر مبتلا کیا گیا،

تمدنی معاملات میں علوم طبیعی کی پیہم ناکامیوں کے باوجود ابھی تک اہل یورپ کی آنکھ نہیں کھلی اور وہ ہنوز اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ تمدن کی اصلاح محض انہی قوتوں کے ذریعہ ہو سکتی ہے، ڈاکٹر الکسس کیرل (ALEXIS CARREL) نے اپنی کتاب "انسانِ نامعلوم" (MAN THE UNKNOWN) میں اسی حقیقت کی صراحت کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہماری تہذیب نے پچھلی تہذیبوں کی طرح زندگی کے لیے ایسی شرائط عائد کر رکھی ہیں جو (بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر) زندگی کو ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بنا دینے والی ہیں، ہم مادیت کا جس قدر علم رکھتے ہیں، اس کے مقابلہ میں زندگی کا علم اور زندگی گذارنے کا علم بہت کم رکھتے ہیں اور ہمارا علم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بارے میں ابھی تک بہت پیچھے ہے اور اس کم علمی کا نقصان ہم بھگت رہے ہیں''

علوم طبیعی پر اس بے جا اعتماد کا ایک اور نقصان جو ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی تمدنی زندگی بھی بڑی سرعت کے ساتھ تبدیل ہوتی جارہی ہے' ہمارے ہاں جس رفتار سے سائنس کی ایجادات ترقی کرتی ہیں اسی سرعت کے ساتھ ہم اپنے معاشرتی قوانین میں بھی تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں' تمدنی مسائل میں یہ برق رفتاری بڑی مہلک ہے' زندگی کی کوئی قدر دیرپا ثابت نہیں ہو رہی' حیات انسانی کی ساری اقدار ہر آن علم طبیعیات کے مضطرب اشاروں پر رقص کرتی ہیں' ان میں کوئی ٹھہراؤ نہیں' انہیں کبھی اس بات کا موقع نہیں ملتا کہ وہ اپنے تئیں اچھی طرح آزما کر دیکھ لیں' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی میں کوئی خوشگوار ارتقا نہیں پایا جاتا بلکہ ہم سب ایک ایسے انقلاب کی گرفت میں ہیں جس کی ابتدا اور انتہا سے ہم بالکل ناواقف ہیں' بس ایک زبردست چکر ہے جس نے ہمارے ذہنوں کو بالکل ماؤف کر دیا ہے' ہم کچھ سوچ سمجھ نہیں پاتے کہ آخر ایک اصول کو ہم کیوں ترک کر رہے ہیں اور دوسرے کو کس وجہ سے اختیار کر رہے ہیں'

اپنے گرد و پیش کی مادی زندگی کا ادراک ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں بالفرض اگر ہم اسے سمجھنے سے کسی حد تک قاصر بھی رہیں تو اس سے ہمیں کوئی بہت زیادہ نقصان نہیں پہنچتا' انسان اس زندگی پر ایک فعال قوت کی حیثیت سے اثر انداز ہوتا ہے' اس لیے سب سے بڑی ضرورت اس کی باطنی قوت کو سمجھنے کی ہے مگر اس کے محرکات اور نوعیتیں اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوتی ہیں کہ انہیں علم کیمیا کی طرح سادہ اجزا میں تحلیل نہیں کیا جا سکتا'

ان میں ربط و ترتیب اسی وقت معلوم کی جا سکتی ہے جب ان کے احوال و اسباب کے سلسلے کا نفسیاتی جائزہ لیا جائے' ظاہر بات ہے کہ اس نفسیاتی جائزہ میں ہم اس سرعت سے کام نہیں لے سکتے جس سرعت سے کہ سائنس اپنی ایجادات پیش کر رہی ہے' انسان کی پیچیدہ زندگی کو سمجھنے کے لیے اس پر مختلف حیثیتوں سے ایک لمبے عرصے تک غور کرنے کی ضرورت ہے' اب جو لوگ اس کا صرف ایک حیثیت سے اور وہ بھی مشینوں کی سی برق رفتاری سے مطالعہ کرتے ہیں وہ اس کی گہرائیوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر بیسویں صدی کا انسان اپنی تمام حماقتوں اور بربادیوں کو دیکھنے کے بعد بھی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ محض علوم طبیعیات کی مدد سے زندگی اور تمدن کے سارے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا تو یہ اس کی خوش اعتقادی ہی نہیں خود فریبی بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی پچھلے دو سو سال کی ناکامیوں اور نامرادیوں نے اس بات کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ انسانی فلاح و نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اقوام عالم اور افراد اس ہدایت پر عمل پیرا ہوں جس سے خداوند تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے ذریعہ نوعِ انسانی کو نوازا اور جس کی آخری شکل ہمارے سامنے قرآن حکیم اور سنتِ رسول ﷺ میں موجود ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

تہذیبِ الحاد کے اجزائے ترکیبی

وہ دورِ تہذیب جس میں ہم اس وقت سانس لے رہے ہیں، تاریخ انسانی کا سب سے نرالا دور ہے، یہ پہلا دور ہے جس میں انسان نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق خالقِ کائنات کو دنیا کے سارے معاملات سے بے دخل کر دیا ہے اور اپنے فکر و عمل کی سربفلک عمارت خالص الحاد کی بنیادوں پر استوار کی ہے۔ اس تجربہ سے انسان کو بڑی ہی توقعات وابستہ تھیں، وہ سمجھتا تھا کہ علوم و فنون کی ترقی اور سرمایہ داری نظام کی دولت آفرینی انسانی زندگی کے تمام اخلاقی و سماجی مسائل حل کر دے گی۔ مگر افسوس کہ مغربی تہذیب و تمدن کا پودا پوری طرح بارآور ہونے کے بعد جو پھل انسانیت کی جھولی میں گرا رہا ہے وہ نہایت کڑوے اور تلخ ہیں انہیں دیکھ کر اس تمدن کے باغبانوں کو بھی سخت حیرت ہوئی ہے اور اب وہ یہ سوچنے پہ مجبور ہیں کہ آخر اس کے لگانے میں کونسی خامی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے نتیجہ ان کی امید کے مطابق نہیں نکلا مگر چونکہ ان کے فکر کا رقّاص صرف حسّی فلسفۂ زندگی کے مابین ہی رقص کرنے پر مجبور ہے، اس لیے وہ اس راہ سے ہٹ کر کسی نئی راہ کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ ابھی تک اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ مصائب کا سرچشمہ اس شجرِ خبیث کی محض شاخوں میں ہے اس لیے وہ شاخوں کی قطع و برید میں اپنا قیمتی وقت اور محنتیں ضائع کر رہے ہیں، مگر نہیں سمجھتے کہ خرابی جو کچھ ہے اس درخت کی جڑ میں ہے اور اصلِ فاسد سے فرعِ صالح کی امید رکھنا نادانی سے زیادہ کچھ نہیں،

اس تہذیب کا تجزیہ کرنے سے پہلے چند امور کی وضاحت نہایت ضروری ہے اولاً کسی نظریہ کا صحیح تجزیہ اُسی وقت ممکن ہے، جب ہم بالکل خالی الذہن ہو کر اس کے متعلق غور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں اور اگر ہم اس پر غور کرنے سے پہلے ہی ایک رائے قائم کرلیں تو ہم صحیح نتائج پر نہیں پہنچ سکتے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس تمدن کی رنگا رنگ کلیوں کو چٹکتے دیکھ کر حیرت زدہ نہ ہوجائیں بلکہ اس کی جڑوں میں اتر کر دیکھیں کہ وہ کس قسم کی ہیں اور خود اندازہ لگائیں کہ اس غازۂ تہذیب کے نیچے انسانی فطرت کی کونسی سیاہی اور حرص و تصرف کی کونسی قوتیں کارفرما ہیں :

ثانیاً، حیات، تمام انسانی اعمال کا منتہائے مقصود ہے، انسان کے سارے افکار و اعمال کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس کی زندگی شاد موثر اور افزوں ہو جائے، کسی تہذیب و تمدن کی کامیابی کا معیار یہ نہیں کہ افکار کے شیش محل کھڑے کر دے بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ وہ انسانیت کو صبر و سکون کی نعمت سے مالامال کر دے اور پوری نوعِ انسانی کو تاریکی اور درندگی سے نکال کر اس مقام پہ لے آئے جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اپنا سفرِ حیات جاری رکھ سکے جو تہذیب انسانیت کو زیادہ سے زیادہ اطمینانِ قلب بخش دے وہ کامیاب ہے ورنہ ناکام۔

ثالثاً، ممکن ہے سطح بین آنکھوں کو سرمایہ داری، فاشزم اور اشتراکیت کے مابین کوئی بنیادی فرق دکھائی دیتا ہو۔ مگر درحقیقت سرمایہ داری، فاشزم اور اشتمالیت ایک بڑے "ازم" کے مختلف پرتو ہیں، جسے حسیت (SENSATE) کہا جاتا ہے،

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتوِ آں
ھر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

ان کے درمیان جو فرق ہے وہ صرف تفصیلات میں ہے۔ اصل میں یہ سب ایک ہی ہیں کیونکہ ان کے ظاہری اختلافات کے باوجود جن عقلی اور اخلاقی عناصر سے ان کی ترتیب ہوتی ہے ان کا مزاج ایک ہے۔ سرمایہ داری نام ہے ایک ایسی معاشی تنظیم کا جس کی غایت اُوسلے مادی منافع کا حصول ہے، اشتمالیت درحقیقت سرمایہ داری کی ہی ترقی یافتہ صورت ہے۔ جس میں تمام چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کو ختم کر کے پوری کی پوری معاشی اور معاشرتی زندگی کو ایک بہت بڑے سرمایہ دار یعنی ریاست کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ فاشزم سرمایہ داری اور اشتراکیت کا ایک مکروہ مغلوبہ ہے یہی وجہ ہے کہ برطانیہ اور امریکہ، جرمنی اور اٹلی، روس اور اس کے ہمنوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممالک کے طرزِ عمل میں بہت حد تک یگانگت ہے، ان میں سے ہر ملک نے اپنی ذاتی منفعت کے پیش نظر پچھلے چند سال میں اخلاقی حدود کو نہایت بے دردی سے پامال کیا ہے گذشتہ جنگ میں فسطائی اٹلی کے فرانس پر حملے اور روس کی جاپان پر فوج کشی میں جب کہ وہ میدان جنگ میں بازی ہار چکا تھا، کونسا بنیادی فرق ہے۔ مزدوروں کی جنت میں بھی سرمایہ دارانہ ممالک کی طرح ہی سارے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہاں بھی ذاتی منفعت کی حرص تمام دوسرے محرکات پر غالب ہے۔ یہاں بھی کمزوروں پر اسی طرح ستم ڈھائے جا رہے ہیں جس طرح کہ سرمایہ دارانہ حکومتوں میں، کوئی ایماندار صاحب بصیرت اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ روسی آمر کا راج ظلم کے اعتبار سے نازی آمریت اور چرچل کی نام نہاد جمہوریت سے کسی طور کم نہیں۔ اس یکسانیت کی آخر اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ جس بیج سے یہ کونپلیں پھوٹی ہیں وہ ایک ہی ہے:

مغربی تہذیب کا شجرہ نسب:- بیسویں صدی کی مغربی تہذیب کوئی ایسی نوعمر تہذیب نہیں ہے جس کی پیدائش پچھلی صدیوں میں ہوئی ہو۔ دراصل اس کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ اس کا نسبی تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے ہے۔ ان دونوں تہذیبوں نے اپنے ترکہ میں جو سیاسی نظام اور اجتماعی فلسفہ اور عقلی و عملی سرمایہ چھوڑا وہی اس کے حصہ میں آیا ہے اس کے سارے رجحانات اور خصوصیات اس کو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوئے ہیں،

یونانی تہذیب مغربی ذہنیت کا سب سے پہلا اور واضح نمونہ تھی، یہ وہ پہلا تمدن تھا جو خالص حسی فلسفۂ حیات کی بنیاد پر قائم ہوا اور یونانی قوم ایک مخصوص نظریۂ تمدن کے علمبردار کی حیثیت سے دنیا پر چھا گئی۔ مسلمانوں کے عروج کے ساتھ اس تمدن کو بھی زوال آیا مگر یہ دنیا سے نیست و نابود نہ ہوا۔ اور اب انیسویں صدی میں یہ ایک نئے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اس لباس کی ظاہری چمک سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ نیا ہے لیکن دراصل اس کا تانا بانا یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھ کا کاتا ہوا ہے۔ مغربی حکماء نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ چند سال پیشتر ڈاکٹر ہاس نے جنیوا میں "یورپی تمدن کیا ہے" کے عنوان سے تین لیکچر دیئے تھے۔ ان کا اقتباس خالدہ ادیب خانم کے توسط سے پیش کیا جاتا ہے:-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودہ مغربی تہذیب کا مرکز قدیم یونان تھا۔ اس کا اصل الاصول انسان کی
تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشو ونما اور سب سے بڑا معیار خوبصورت اور سڈول
جسم سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ زور محسوسات پر ہے۔ جسمانی
تربیت، ورزشی کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی،
ذہنی تعلیم جو شاعری، موسیقی، ڈراما، فلسفہ اور سائنس وغیرہ پر مشتمل تھی۔
ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی تاکہ ذہن کی ترقی سے جسم کو نقصان
نہ پہنچنے پائے۔ یونان کے مذہب میں نہ روحانیت کا مغز ہے نہ باطنیت کا'
نہ پیشوایان دین کا طبقہ ہے نہ علم دین"

یونانیوں کے جانشین رومی ہوئے اور قوت، مملکت کی تنظیم، سلطنت کی وسعت
اور عسکری صفات میں ان پر فوقیت لے گئے۔ لیکن علم وادب، تہذیب و شائستگی
میں وہ یونانیوں کے درجۂ کمال کو نہ پہنچ سکے۔ اس وجہ سے ان کے ذہنوں پر یونانیوں کی
گرفت ہمیشہ مضبوط رہی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یونانی تمدن سے مغلوب رہے۔
ہمیں معلوم ہے کہ قدیم ترین رومی مؤرخین یونان ہی کی زبان میں تخلیق وتصنیف کرتے تھے،
اور یہ دستور عرصۂ دراز تک قائم رہا اور صرف تصنیف وتالیف پر کیا موقوف، اطوار و
خصائل، طرز معاشرت، جذبات و احساسات غرض ہر شعبۂ حیات میں یونانی تمدن رومی
تمدن پر غالب آگیا۔ رومی بلاتکلف یونانیوں کی تقلید کرتے تھے اور اس تقلید پر فخر کرتے
تھے[1]۔ اس طرح علم و ادب اور اطوار و اخلاق کے ذریعہ یونانی قوم کا کلچر رومیوں میں منتقل
ہو گیا۔

اس دور کا ایک بڑا انقلاب انگیز واقعہ عیسائیت کا بت پرست روما کے تخت
سلطنت پر فائز ہونا تھا۔ مؤرخین قسطنطین کے قبول مسیحیت کو عیسائیت کی فتح خیال
کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ ایک حادثہ تھا جس سے عیسائیت کو سابقہ پیش آیا۔ جب
دنیا پرست لوگوں نے دیکھا کہ یہ مذہب اب ریاست کا مذہب بن گیا ہے تو وہ بغیر

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ۔ از لیکی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی فطری اور اعتقادی تبدیلی کے محض دنیوی فوائد و لذائذ کو سمیٹنے کے لیے عیسائی بن گئے، ڈریپر لکھتا ہے :-

" فاتح اور کامیاب جماعت کے ساتھ جو کوئی شریک ہوا اسے بڑے بڑے عہدے ملنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیادار جنہیں مذہب سے قطعاً کوئی لگاؤ نہ تھا، وہ مسیحیت کے سب سے زیادہ جوشیلے حامی ہو گئے۔ چونکہ وہ بظاہر عیسائی لیکن بہ باطن مشرک و بت پرست تھے لہٰذا ان کے اثر کی وجہ سے عیسائیت میں بت پرستی اور شرک کے عناصر کی آمیزش شروع ہو گئی۔ قسطنطین نے بھی جو انہی کا ہم مشرب تھا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جس سے ان کے اس منافقانہ طرزِ عمل کا سدِّباب ہو۔ قسطنطین کی ساری عمر سیاہ کاریوں میں گذری۔ اور کہیں آخری وقت جا کر اس نے ان مذہبی رسوم کی پابندی کی جن پر عمل کرنے کی کلیسا ہدایت کرتا ہے[۱]

اگرچہ عیسائی جماعت اس قدر قوی ہو چکی تھی کہ جس شخص کو اس نے اپنے ڈھب کا سمجھا اسی کو تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن یہ قدرت اُسے پھر بھی حاصل نہ ہو سکی تھی کہ اپنے حریف یعنی بت پرستی کا کُلّی استیصال کر سکے، دونوں کی باہمی کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر و شکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بت پرستی اور عیسائیت کی شانیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں[۲] "

مذہب کی یہ مسخ شدہ صورت رومیوں کی زندگی کو کسی جہت سے بھی بہتر نہ بنا سکی، مذہب اب چونکہ ایک ایسا بے جان ڈھانچہ تھا جس میں سے تخلیقی روح یکسر نابید ہو چکی تھی اس بنا پر وہ رومیوں کو ترقی کی راہ پر لگانے کے بجائے تنزل کے گہرے غاروں میں لے گیا گرجوں سے کوئی زندگی بخش نعرہ بلند نہ ہوتا بلکہ صرف تعطّل اور جمود کے درس دیے جاتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ روما میں سے ایک گروہ اگر عیش و عشرت کا پرستار ہو کر رہ گیا تھا تو دوسری طرف اہلِ مذہب پر مردم آزاری، آدم بیزار اور دشمنِ فطرت رہبانیت کا جنون طاری تھا اور اس میں

---

[۱] و [۲] معرکہ مذہب و سائنس مترجمہ مولانا ظفر علی خان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے ہاں اتنا غلو تھا کہ موجودہ زمانہ میں اِس کا قیاس کرنا بھی مشکل ہے۔ اِس نے انسان کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا۔ روم کی مادہ پرستی کے خلاف ردِّ عمل کے طور پر ایک طبقہ نے اسے قبول تو کیا مگر وہ جلد ہی اِس کی سختیوں سے گھبرا اٹھا اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی راہیں نکالنا شروع کر دیں۔ دبی ہوئی مظلوم فطرت کچھ وقت گزرنے کے بعد انتقام پر آمادہ ہوئی۔ اور مذہبی نظام کو اندر ہی اندر ایسا کھوکھلا کر دیا کہ راہبوں کے مسکن بدمعاشی اور عیاشی کے اڈے بن گئے۔ بڑے بڑے پادریوں پر مہیب اخلاقی جرائم کے الزامات عائد کیے گئے۔ سینٹ جردم کا مقولہ ہے کہ اہلِ کلیسا کے تعیش کے سامنے امراء اور دولتمندوں کی عیش و عشرت بھی شرماتی تھی خود پوپ اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھے اور دولت کی ہوس اور مال کا عشق تو ان پر اتنا غالب تھا کہ منصب اور عہدے معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے، اور کبھی کبھی ان کا نیلام ہوتا تھا جنت کے قبالے، مغفرت کے پروانے، نقضِ قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ جائیداد کی معمولی دستاویزات کی طرح بے تکلف فروخت ہوتے تھے۔ مذہبی عہدیدار سخت راشی اور سود خوار تھے۔ فضول خرچی اور اسراف کا یہ حال تھا کہ پاپائے انوسنٹ ہشتم نے پاپائیت کا تاج رہن رکھا اور پاپائے لیو دہم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی اڑا ڈالی یعنی سابق پوپ نے جو دولت چھوڑی تھی وہ خرچ کی۔ اِس کے بعد اپنی دولت اڑائی۔ جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کی آمدنی کو پہلے سے وصول کر کے صرف کر ڈالا بیان کیا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لئے کافی نہ ہوتی تھی[1]۔

اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں عقلیت (Rationalism) نے جنم لیا۔ فکر و نظر کی یہ تبدیلی اُن مسلم فاتحین کی مرہونِ منت ہے جو دورِ متوسط میں نئے افکار کے ساتھ دنیائے مغرب میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ اگرچہ ہدایتِ الٰہی کے ان معنوں میں

---

[1] معرکۂ مذہب و سائنس۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمبردار نہ تھے جن میں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام تھے۔ ان میں کافی حد تک دنیا پرستی آ چکی تھی۔ مگر اس کے باوجود جو نیا نظامِ حیات وہ دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے وہ کسی حد تک مسخ ہونے کے باوجود بھی مذہبی عقائد میں تعقل، علوم و فنون میں تجربہ و تحقیق۔ سیاست میں پاکیزہ جمہوریت اور معاشرت میں اخوت و مساوات کے گوناگوں مظاہر لیے ساتھ رکھتا تھا۔ ان کے اپنے کردار کو اگرچہ قرنِ اوّل کے مسلمانوں سے دور کی بھی نسبت نہ تھی، تاہم عیسائیت کے پیروؤں کے مقابلے میں ان کے فکر میں سلجھاؤ، طبیعت میں سلامت اور مزاج میں اعتدال زیادہ تھا۔ ان کے ذہن نسبتۂ وسیع اور نگاہیں زیادہ بلند تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ مسلم فاتحین اہلِ مغرب کو اپنے نظامِ حیات کا مؤمن نہ بنا سکے لیکن انہوں نے ان کو اور ان کی تاریخ کو شدید طور پر متاثر کیا۔ ان کی پوری زندگی میں ایک عظیم تموّج رونما ہوا۔ انسانیت کے جسم میں گرم خون کی لہر دوڑ گئی نبض میں حرکت اور جسم میں تھرتھراہٹ سی پیدا ہوگئی۔ انہوں نے زندگی اور اس کے مسائل پر غور کرنا شروع کر دیا۔ تقلید کی زنجیریں ٹوٹنا شروع ہوگئیں۔ ان روشن خیال مفکرین نے غیر معمولی جرأت سے کام لیتے ہوئے ان تمام بے اصل نظریات کی تردید کی جو جغرافیہ، تاریخ اور طبیعیات سے متعلق ان کی مذہبی کتابوں میں پائے جاتے تھے اور ان پر سوچے سمجھے بغیر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اہلِ کلیسا کی زندگیوں کے بدنما پہلوؤں کو بھی بے نقاب کرنا شروع کیا۔ وہ ان مذہبی سوداگروں کی بے رحمی اور بے اصولی کے خلاف بڑی ہمت سے صف آرا ہوئے ـــــ ادھر اہلِ مذہب حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے کے بجائے ان "باغیوں" کا سر کچل دینے کے درپے ہوئے۔ وہ ذرّتی فائدہ اور نقصان میں اتنا کھو چکے تھے کہ اپنی خلافِ عقل حرکات کے دور رس نتائج سے قطعاً آنکھیں بند کرلیں انہوں نے ہر نئی آواز کو بغیر غور کئے دبانا شروع کر دیا اور اس نئی تحریک کو دبانے کے لئے ایسے اخلاق سوز حربے استعمال کئے کہ اُن کے تصوّر سے آج بھی خون کھول اٹھتا ہے۔ طاقت کے نشے میں بدمست ہوکر انہوں نے ان آزاد خیال لوگوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کئے مذہبی عدالتیں قائم ہوئیں جنہوں نے ان "باغیوں" کو موت کی سزائیں دیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندازہ ہے کہ اس محکمہ نے جن لوگوں کو سزائیں دیں ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں ان میں سے بتیس ہزار کو زندہ جلا دیا گیا۔ انہی زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت و طبیعیات کا مشہور عالم برونو بھی ہے جس کا سب سے بڑا جرم اربابِ کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا۔ محکمۂ احتساب کے حکام نے اُسے اس سفارش کے ساتھ دینوی حکام کے سپرد کیا کہ اسے نہایت نرمی سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی گرنے نہ پائے اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔ اسی طرح مشہور طبیعی عالم گلیلیو کو اس بناء پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ سورج کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل ہے[1]

اہلِ کلیسا کے اِن لرزہ خیز مظالم اور چیرہ دستیوں نے پورے یورپ میں ایک ہلچل مچا دی۔ اَن لوگوں کو چھوڑ کر جن کے مفادات کلیسا سے وابستہ تھے۔ سب کے سب کلیسا سے نفرت کرنے لگے اور نفرت و عداوت کے اِس جوش میں بدقسمتی سے انہوں نے مذہب کے پورے نظام کو تہ و بالا کر دینے کا تہیہ کر لیا چنانچہ وہ جنگ جو شروع شروع میں عیاش قسم کے اہلِ کلیسا کے خلاف لڑی جا رہی تھی بعد میں عیسائی مذہب کے خلاف بھی شروع ہو گئی اور اس کے بعد ہر مذہب کے خلاف اِن آزاد خیال اور تجدد پسند لوگوں میں اتنا صبر و ضبط، غور و مطالعہ کی قوت اور عقل و اجتہاد کی قابلیت نہ تھی کہ وہ اصل دین اور دین کی غلط نمائندگی کرنے والوں کے درمیان تمیز کر سکتے۔ انہوں نے جذبات کی رَو میں بہہ کر یہ سوچنا تک گوارا نہ کیا کہ ان نفرت انگیز واقعات کا دین کہاں تک ذمہ دار ہے اور کہاں تک اس کا سبب دین کو بیچنے والوں کی ذاتی حرص اور جہالت ہے چنانچہ غصہ میں آ کر وہ ہدایتِ الٰہی کے باغی ہو گئے۔ گویا اہلِ کلیسا کی حماقت کی وجہ سے پندرھویں اور سولہویں صدیوں میں ایک ایسی جذباتی کشمکش شروع ہوئی۔ جس میں چڑ اور ضد سے بہک کر "تبدیلی" کے جذبات خالص الحاد کے راستے پر پڑ گئے اور اس طویل کشمکش

---

[1] "مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا" مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

کے بعد مغرب میں تہذیب الحاد (Secular) کا دور دورہ شروع ہوا۔ اس تحریک کے علمبرداروں نے کائنات کی بدیہی شہادتوں کے باوجود زندگی کی ساری عمارت کو اس بنیاد پر استوار کیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے۔ وہ صرف مادہ ہے۔ نمو، حرکت ارادی احساس، شعور اور فکر سب اسی ترقی یافتہ مادہ کے خواص ہیں۔ حیوان اور انسان سب کے سب مشینیں ہیں جو طبعی قوانین کے تحت چل رہی ہیں۔ ان مشینوں کے پرزے جس طور سے ترتیب پاتے ہیں، اسی قسم کے افعال ان سے صادر ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی اختیار اور کوئی ارادہ نہیں۔ تہذیب جدید کے معماروں نے اسی فلسفہ کو سامنے رکھ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی عمارت تعمیر کی اور ہر وہ تحریک جس کا آغاز اس مفروضہ پر کیا گیا کہ کوئی خدا نہیں، کوئی الہامی ہدایت نہیں، کوئی واجب الاطاعت نظام اخلاق نہیں کوئی حشر نہیں اور کوئی جوابدہی نہیں، ترقی پسند تحریک کہلائی اس طرح یورپ کا رخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرف پھر گیا۔ خیالات، نقطۂ نظر، نفسیات و ذہنیت، اخلاق و اجتماع علم و ادب، حکومت و سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں الحاد اس پر پوری طرح غالب آگیا۔ اگرچہ یہ سب کچھ تدریجی طور پہ ہوا اور ابتداء میں تو اس کی رفتار بہت سست تھی لیکن آہستہ آہستہ اس طوفان نے سارے یورپ کو لپیٹ میں لے لیا۔

فلسفہ الحاد نے جس برق رفتاری سے دنیا میں ترقی کی۔ اس کی بڑی وجہ آزاد خیالی (Liberalism) ہے۔ آغاز میں تو اس تحریک نے محض اس لئے سر اٹھایا تھا کہ اس کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو مذہب اور کلیسا کے ناروا بندھنوں سے آزاد کرایا جائے۔ اس لحاظ سے یہ نہائیت ہی اچھی تحریک تھی اس نے لوگوں میں احساس اور شعور پیدا کیا۔ انہیں حالات پر غور و فکر کرنا سکھایا۔ انہیں یہ بتایا کہ وہ کن کن مظالم کا شکار ہیں مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس آزاد خیالی نے ذہنی انارکی کی شکل اختیار کر لی اور اب روشن خیالی کے یہ معنی قرار پائے ہیں کہ انسان کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہونا چاہیئے۔ خواہ وہ مذہب کی عائد کردہ ہو یا سماج کی۔ اس آزاد خیالی کی عملی انتہا یہ تھی کہ ہر وہ چیز جو پہلے سے چلی آتی ہو، وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہے اپنے اندر صداقت و افادیت کے کتنے ہی پہلو رکھتی ہو اسے بہرحال رد کر دینا اور اس کے مقابلہ میں کوئی انوکھی اور نئی بات کہنا ہی روشن خیالی کی سب سے بڑی دلیل ہے اِس نظریہ کا اثر اس قدر ہمہ گیر تھا کہ زندگی کے تمام شعبے اس سے متاثر ہوئے[1]۔

۲۔ **مادیت:** تہذیب الحاد کا دوسرا عنصر ترکیبی مادیت (Materialism) ہے اسے مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں مادہ کے سوا کوئی چیز نہیں حتیٰ کہ انسان بھی صرف برقیہ اور سالمیہ ہی کی کرشمہ سازی ہے۔ اسے اِس دنیا میں اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف مادی احتیاجات کی تسکین ہے اِس نقطہ تک پہنچنے کے لئے کافی مدت صرف ہوئی۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کچھ مدت تک مادی زندگی اور مسیحی اعمال و رسوم کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ مذہب کی پیروی سے وہ پوری طرح آزاد ہونا نہیں چاہتے تھے اور اِسی بات کے آرزومند تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کم از کم زندگی کے معاملات میں مذہبی رسوم کی ضرور پابندی کریں اِن کا خیال تھا کہ اس سے قوم کے افراد کے درمیان ربط قائم رہ سکے گا اور اس طرح ملک اجتماعی انتشار اور اخلاقی ابتری سے محفوظ رہے گا لیکن مادی تہذیب کا ریلا اتنا تیز تھا کہ اس کے سامنے مذہب اِس کمزور حیثیت میں کھڑا نہ رہ سکا اور وقت کے دھارے کی نذر ہو کر رہ گیا اور اس کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی۔ مصنفین، اہل قلم اور اہل دماغ گروہوں نے اپنی جادو بیانی، سحر طرازی اور زور خطابت سے قدیم مذہبی رسوم و قیود کے خلاف ملک میں ایک عام بغاوت برپا کر دی۔ انہوں نے دنیا پرستی کو نہایت دلفریب بنا کر پیش کیا جو چیز اس کی راہ میں حائل ہوئی اس کے خلاف غیظ و غضب کا جذبہ بھڑکایا اور اِس طرح طبیعتوں کو ہر قسم کی قید و بند سے آزاد کر دیا۔ انہیں زندگی سے بھرپور تمتع، مطالبات نفس کی بے عنان تکمیل اور لذت پرستی کی علانیہ دعوت دی۔ حرص و ہوا کی اس زندگی کی اہمیت جتانے میں بڑے غلو سے کام لیا گیا۔ نقد لذت اور ظاہری اور محسوس مادی نفع کے

---

[1] The Rise of Europen Liberalism by Laski.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوا ہر چیز کا ابطال کیا گیا حقیقت یہ ہے کہ یورپ کا موجودہ مذہب صرف مادہ پرستی ہے
اس کے متعلق ایک مفکر نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے ۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو دینی طریقہ پر سوچتے ہیں اور مذہبی احساس رکھتے ہیں اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں امکانی کوشش بھی کرتے ہیں مگر یہ مستثنٰی مثالیں ہیں ۔ یورپ کا عام اور متوسط آدمی خواہ وہ جمہوریت پر ایمان رکھتا ہو، یا فاشزم پر، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی جسمانی مشقت کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا وہ ایک ہی مذہب رکھتا ہے اور وہ مادی ترقی کی پرستش ہے اور اس کی غایتِ حیات صرف یہی ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان پُر راحت، اور عام محاورے کے مطابق قدرت سے آزاد بنا سکے اس مذہب کے معابد بڑے بڑے کارخانے، کیمیاوی دارالصنعت، ناچ گھر اور بجلی کے مراکز ہیں ۔ اس مذہب کے پیشوا بینکوں کے افسر، انجنیئر، اداکار، بڑی بڑی صنعتوں کے ناظمین اور ریکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں ۔ لذت اور طاقت کی اس ہوس اور جنون کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حریف گروہ سامان جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں ۔ تاکہ جب کبھی ان کے مصالح میں تصادم ہو تو بغیر کسی تاخیر کے ایک دوسرے کو تباہ کر دیں اور جہاں تک تمدن کا تعلق ہے انسانوں کا ایک ایسا گروہ جنم لے چکا ہے جن کے نزدیک نیکی اور اخلاق کا اصل پیمانہ صرف ذاتی مفاد ہے اور ان کے ہاں بھلائی اور برائی کو جانچنے کا اصل معیار صرف مادی کامیابی ہے ۔"

بہت ممکن ہے کہ اس بیان کو زیادہ وقعت نہ دی جائے کیونکہ ان خیالات کا پیش کرنے والا اسلامی افکار سے متاثر ہے اس لئے ہم ذیل میں چند دوسرے مفکرین کی آرا پیش کرتے ہیں ۔ ان سے اس رجحان کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر جوڈ کہتے ہیں۔

"صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر دولت اندوزی کا اصول غالب ہے حصولِ دولت کی خواہش پچھلے دو سو سال سے دیگر محرکاتِ عمل سے زیادہ بڑھ کر کار فرما رہی ہے کیونکہ دولت حصولِ ملکیت کا ذریعہ ہے اور ذاتی ملکیت کی بہتات اور عظمت و شان سے انسان کی قابلیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے سیاسیات، ادب، سینما، ریڈیو اور کبھی کبھی گرجاؤں کے منبروں سے سال بسال سامعین کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ مہذب قوم وہی ہے جس میں تملیکی جذبہ انتہائی ترقی کر چکا ہو[1]"

لن یوٹانگ (Linyutong) ایک چینی مفکر نے دورِ جدید کی مادہ پرستی کا نقشہ اپنی کتاب "اشک و تبسم کے درمیان" Between Tears and Laughter میں ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ معاشی طرزِ فکر نے تمام دوسرے افکار پر غلبہ پا لیا ہے اور اس زمانہ میں معاشی معاملات دوسرے تمام معاملات کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہیں ہم اس وقت معاشیات کے لگائے ہوئے چرکوں پر معاشیات ہی کا مرہم لگانے کے علاوہ کچھ سوچ ہی نہیں سکتے ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ایک اچھا کاروبار ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نفع اندوزی اور حصولِ قوت کا یہ نصب العین آئندہ جنگ کا اہم ترین محرک ہے۔ ہمارا دور ایک ایسا دور ہے جس میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا بالکل دیوالہ نکل چکا ہے ہمارے افکار پر مادیت پرستی کا غلبہ ہے"

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے۔

---

[1] THE Philosophy of our Times.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ہمارے افکار کا تانا بانا مادیت ہی سے بُنا گیا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں جنت کا تخیل بھی اِس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ یہ ایک ایسا گودام ہے جس میں مال ہی مال بھرا ہوا ہے —— اس وقت پوری دنیا ایک کاروبار ہے —— سیاسی کاروبار یا معاشی کاروبار —— ایک قوم، ایک کارخانہ، اور ایک حکومت وہ بینر ہے جس پر لیبن ویبن کیا جاتا ہے اور اس کے سیاستدان اس کارخانہ کے سیلز مین ہیں، جو ہر وقت اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ اپنے مال کو دوسری منڈیوں میں اوروں کی نسبت زیادہ فروخت کریں[1]"۔

اِس مادیت پرستی کا یہ اثر ہے کہ اس زمانے میں اِنسان صرف حصولِ زر اور جلبِ منفعت کے لئے زندہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی سوچنے کے لئے تیار نہیں ہوتا پروفیسر جوڈ نے بالکل سچ کہا تھا۔

"جو نظریۂ حیات اِس زمانہ پر مستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ ہے دوسرے لفظوں میں ہر مسئلے کو پیٹ یا جیب کے نقطۂ نظر سے دیکھنا اور جانچنا"

زر پرستی کے اس جنون نے سب سے زیادہ نقصان اخلاقی قدروں کو پہنچایا ہے چونکہ اب سب سے بڑا مقصد صرف دولت ہی حاصل کرنا ہے اس لیئے اس کا حصول سب سے بڑی نیکی ہے۔ دورِ جدید کی کتابِ اخلاق میں بھلائی ہے وہ ہے جس سے مادی فوائد لذائذ حاصل ہوں اور برائی نام ہے اِن طریقوں کا جن سے اِن میں کمی آتی ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اخلاق کی وہ معروضی قدریں جو انسانیت کے مختلف گروہوں اور طبقوں میں کسی نہ کسی حد تک توازن قائم رکھتی تھیں، مٹ چکی ہیں اور ان کی جگہ مصلحت پرستی نے لے لی ہے اور یہی مصلحت پرستی اِس عہد کا سب سے خطرناک فتنہ ہے۔

ایلکسس کریل (Alexis Carrel) نے اپنی کتاب "اِنسان نامعلوم" میں کہا ہے

---

[1] Between Tears and Laughter

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تمہاری تہذیب کی یہ مادہ پرستی نہ صرف فکر انسانی کی صحیح پرواز میں حائل ہوئی ہے بلکہ اس نے غور و فکر کو بھی ختم کر دیا ہے۔ اس نے شریف انسانوں، کمزوروں اور بے سہارا لوگوں اور ایسے تمام انسانوں کو جو دولت کے علاوہ کوئی اور مطمح زندگی رکھتے ہوں، نیست و نابود کر دیا ہے۔"

خدا بیزار فلسفۂ زندگی کے مفاسد کا احساس، بعد از خرابی بسیار، اب یورپ کے مختلف مکاتب فکر میں تیزی سے پیدا ہو رہا ہے۔ مشہور اخبار نویس (Louis Fisher) نے اپنی کتاب "عظیم تحدی" (The Great Challenge) میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

"عہدِ جدید کے فتنہ کی اصل جڑ یہی ہے کہ انسان کے پیشِ نظر کوئی اصول نہیں، بلکہ فوری نفع ہے۔ اسی لئے وہ علم و عدوان کے ہاتھوں بک گیا ہے سیاسی میدانوں میں وقتی مصالح، اور حب الوطنی ایسے اٹل اصولوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ عوام کی غایتِ حیات اپنے اعتقادات پر کاربند ہونا نہیں بلکہ ان کا منتہائے مقصود صرف اپنی حکومتوں کی پیروی کرنا ہے اور تباہی و بربادی کی اصل وجہ یہی ہے۔"

اخلاقی قدریں آج کل مقیاس الحرارت کے پارہ کی سی حیثیت رکھتی ہیں جو واقعات کے ساتھ ساتھ ہر لحظہ بدلتی رہتی ہیں۔ وہ کوئی آخری، حتمی اور قطعی معیار نہیں جن کے مطابق انسان اپنے اعمال و افکار کو جانچ سکے ان کی اہمیت آج کل صرف اسی قدر ہے کہ وہ ہر قول اور ہر فعل کے لئے خواہ وہ کتنے ہی ذلیل مقاصد کے لئے کہا اور کیا جائے وجہ جواز فراہم کریں۔ انسان جو ذلیل سے ذلیل کام کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اخلاقیات کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اس کی راہ میں کھڑے ہو کر اسے خوش آمدید کہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم پروفیسر سارکن (Sorokin) کی کتاب (The Crisis of our age) میں سے چند اقتباسات بھی پیش کر دیں:

"موجودہ نظام کے حسی اخلاقیات نے انسان کو کافی حد تک ذلیل کر دیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاقی قدریں بالکل مٹ گئی ہیں۔ ان کی حیثیت آج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اگر ان سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو قبول کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ اس راہ میں مزاحم ہوں تو ان کو بلا تکلف ترک کر دیا جاتا ہے۔ انسان نے آج مصلحت پسندی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اور اس طرح انہوں نے دنیا میں مستقل کشمکش اور عناد کے بیج بو دیئے ہیں جب ہمارے اخلاقی معیار ہی باہم متصادم ہوں تو اخلاقی قدریں بھی لا محالہ دفن ہو کر رہ جائیں گی۔ ان حالات میں انسانوں پر سے ان کی گرفت کا ڈھیلا پڑ جانا بالکل فطری ہے مسیحیت کے اصول "الفت" کی جگہ اب "نفرت" نے لے لی ہے۔ یہاں فرد اور فرد کے درمیان منافرت ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ سے برسرِ پیکار ہے۔ قومیں قوموں کے خلاف، ریاستیں ریاستوں کے خلاف اور نسلیں نسلوں کے خلاف صف آراء ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" ایسے مذموم اصول کی پوری دنیا پر فرماں روائی ہے"

"اس وقت شاید ہی کوئی اخلاقی قدر ایسی ہو، جو اشتراکی اور سرمایہ دار، ہٹلر کے پیرو اور یہودی، انگریزی اتحاد اور جرمن اتحاد کیتھولک اور دہریے۔ امراء اور غرباء کے درمیان مشترک ہو۔ اخلاقی معیار ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک جو کچھ بھلائی ہے وہی دوسرے کے خیال میں برائی ہے۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ حسی فلسفہ کے ہاں کوئی ایسا پیمانہ نہیں جو سب کے لئے قابل قبول ہو ..... لہٰذا ہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار افراد کا ایک ایسا گروہ ہیں جن کے پاس عدل و انصاف کی کوئی ترازو نہیں۔ اس کا نتیجہ اخلاقی انارکی کے سوا نہ کچھ ہو سکتا تھا اور نہ فی الواقع ہے، ہر شخص خود اپنا قانون ساز ہے اور ہر کوئی اپنے پیش کردہ معیار کو ہی صحیح تسلیم کرتا ہے"

یہی مصنف موجودہ جنگ و جدال کی وجوہ کا تجزیہ کرتا ہوا ایک دوسری جگہ لکھتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"چونکہ جسمانی مسرت، افادیت اور حسی لذت ہر فرد اور گروہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اس لئے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اور جہاں تک چاہے ان کو حاصل کرنے کی سعی کرے۔ حسی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی اس لئے ان کی تسکین کسی طرح بھی ممکن نہیں جہاں جسمانی لذت کے چند لوازم فراہم کرنے کے لئے ان گنت لوگ بیتاب ہوں وہاں ان کا کمیاب ہو جانا ناگزیر ہے اور ان کی کمیابی ہی عہد حاضر کی جنگ و جدال کا سب سے بڑا سبب ہے ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ یہ جنگ و جدال زیادہ شدید صورت اختیار کر لے[1]"

یہ ہے مغربی تہذیب کے اثمار میں سے ایک ثمر جس کی تلخی کا خود اہل مغرب کو بھی اب شدید احساس ہو رہا ہے۔

۳۔ حاکمیتِ جمہور: تہذیب الحاد کا تیسرا عنصر حاکمیت جمہور ہے اس کا منشا یہ ہے کہ ایک قوم کے عوام اپنی خواہشات اور اپنی آراء میں ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہیں وہ جس شے کو چاہیں کثرتِ آراء سے اپنے لئے خود حلال یا حرام ٹھیرا سکتے ہیں۔ مذہب و اخلاق کا کوئی ضابطہ ان کے فیصلے کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ کسی ریاست کی اصل قوت کا انحصار وہاں کے عوام پر ہوتا ہے، اس لئے اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ حاکمیت بھی انہی کی ہونی چاہیئے اس فلسفے کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ اس نے حاکم اور محکوم کی دوئی کو مٹا دیا ہے۔ اب عوام ہی حاکم بھی ہیں اور محکوم بھی۔

فرانسیسی انقلاب سے پیشتر حاکمیت بادشاہوں یا مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں تھی وہ اگرچہ اپنے معاملات میں کافی حد تک آزاد تھے، مگر پھر بھی ان پر چند پابندیاں عائد تھیں۔ انگلستان کے دستور میں چند دفعات ایسی تھیں جو ان کے فرمانروا کی طرف سے من مانی کاروائیاں کرنے کی راہ میں حائل ہوتی تھیں اسی طرح دوسرے ممالک میں بھی

---

[1] The Crisis of our age

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائے عامہ کا دباؤ شہنشاہوں کے عزائم پر کافی حد تک دخل انداز تھا اور انہیں اپنی خواہشات کی بے قید پیروی سے کسی حد تک روک دیتا تھا مگر اس نئے نظریہ نے کہ حاکمیت کے اصل مالک ملک کے عوام ہی ہیں، فرمانرواؤں پر اس قسم کی تمام پابندیوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا ہے اب عوام خود مختار ہیں کہ وہ جو چاہیں کریں کوئی چیز ان کی راہ نہیں روک سکتی اور اگر یہ کہا جائے کہ مغربی تہذیب کا سب سے بڑا کرشمہ یہ ہے کہ اس نے حاکمیت کو بھی ہر قسم کے بندھنوں سے آزاد کر دیا ہے تو یہ بیجا نہ ہوگا۔

بظاہر یہ نظریہ نہایت ہی معقول معلوم ہوتا ہے۔ اس کی رو سے عوام کو بادشاہوں کے ظلم و ستم سے نجات حاصل ہوئی انہیں یہ حق نصیب ہوا کہ وہ اپنی بہتری کے لئے ہر قسم کی تدابیر اختیار کر سکیں مگر حاکمیت کو عوام کے ہاتھوں میں اس طرح دے دینے کے بعد بھی انسانیت کے حقیقی مصائب ختم نہیں ہوئے۔ اس فلسفے کی اصل اساس یہ ہے کہ عوام کی مرضی ہی اصل حاکم ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی مرضی کو کس طرح معلوم کیا جائے ہر فرد کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اتنی متضاد آراء میں سے ایک ایسی رائے[1] کا تلاش کرنا جو سب کے لئے قابلِ قبول ہو، جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ رائے عامہ سے مراد سارے عوام کی رائے نہیں بلکہ ملک کی اکثریت کی رائے ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کا اندازہ کس طرح لگایا جا سکتا ہے ایک شخص کے لئے جو سماج میں رہتا ہے، یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنی اصل رائے کا اظہار کر سکے۔ الفرڈ کابن (Alfred Cobbon) نے اپنی کتاب (The Crisis of Civilization) میں کہا ہے:

"کسی قدیم قوم کے لئے اپنی رائے کا اظہار عملی طور پر کرنا ممکن تھا لیکن اب کثرتِ آبادی کی وجہ سے گروہ جسقدر بڑھتے جائیں گے اسی تناسب سے ایک فرد کے لئے یہ دقت پیدا ہوتی چلی جائیگی کہ وہ اپنی رائے کیمطابق

---

[1] روسو نے اسے (General Will) کا نام دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل کرے اور اسی نسبت سے متضاد آراء بھی معرض وجود میں آ تی جائیں گی
اس لیئے اس کی عملی شکل سوائے نمائندگی کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ ماہرین
نفسیات کی سمجھ سے بالا ہے کہ دد، چار یا آٹھ کروڑ انسانوں کی رائے کی صحیح
طور پر کس طرح ترجمانی کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ابھی تک کوئی ایسا
سیاسی "منتر" بھی دریافت نہیں ہو سکا جس کے ذریعے چار کروڑ افراد کی
آراء کا اظہار کیا جا سکے اِن حالات میں جبکہ نمائندگی کا پورا نظام ——— مثلاً الیکشن
پارٹیاں، کابینہ ——— عوام اور "آخری حکمران رائے" کے درمیان حائل ہو، یہ کسی طرح
ممکن نہیں کہ عوام کی صحیح رائے معلوم کی جا سکے۔ مختلف سیاسی جماعتوں کا مختلف
سیاسی نظریات کے ترجمان کی حیثیت سے جنم لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ سماج
میں مختلف مفادات پائے جاتے ہیں اور کسی ایسی سوسائٹی کا تصور بھی ناممکن ہے
جس میں سارے افراد کے مفادات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں۔ ان حقائق
کے ہوتے ہوئے اگر ہم ایک ریاست کے لئے ایک ہی رائے کے طالب ہوں تو
یہ سوائے ایک پارٹی اسٹیٹ یا ایک فرد کی حکومت کے ممکن نہیں ہے
حقیقت یہ ہے کہ موجودہ نظامِ زندگی (Representative System)
رائے عامہ (General Will) پیدا کرنے میں سخت ناکام ہوا
ہے۔ اور یہ اسی کی ناکامی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے ایک "آمر" کی رائے
میں رائے عامہ تلاش کرنا شروع کی ہے۔ دراصل جمہوری نظریہ "رائے عامہ"
کا منطقی اور طبعی نتیجہ ہے۔ اِس ساری بحث کو دو فقروں میں سمیٹا جا سکتا
ہے یعنی "جمہوریت اس بات کی متقاضی ہے کہ کوئی صحیح رائے عامہ (General Will) ہو اور اس رائے عامہ کے تجریدی تخیل (Abstract Idea)
کو جب کسی محسوس شکل میں منتقل کیا جاتا ہے تو اسی میں سے منطقی طور پر
آمریت ابھر آتی ہے"[1]

---

[1] Alfred Cobbon : The Crisis of Civilization

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ آمریت ضروری نہیں کہ کسی فردِ واحد ہی کی ہو۔ یہ ایک پارٹی یا ایک گروہ کی بھی ہوسکتی ہے۔ البتہ جو چیز ان سب کے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ تختِ اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد افراد اور گروہ اپنے آپ کو بالکل غیر مسئول سمجھتے ہیں اور زندگی اس طرز پر گذارتے ہیں، گویا وہ کائنات کے بلا شرکتِ غیرے حاکم اور مالک ہیں کائنات اور اس میں جو کچھ موجود ہے وہ سب انہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اسے جس طرح چاہیں استعمال کریں اور کوئی ان کو ٹوکنے یا پوچھنے کی جرأت نہ کرے۔ الفرڈ کابن نے بالکل درست کہا ہے کہ عوام کو حاکمیت کا سونپ دیا جانا ان کو وہی حقوق عطا کر دیتا ہے جو "حقوقِ ربانی" کے نظریہ The Divine Right of Kings کی رو سے از منۂ وسطیٰ میں بادشاہوں کو حاصل تھے اور اس طرح جن جن بے اعتدالیوں کے پرانے بادشاہ مرتکب ہوتے تھے انہی بے اعتدالیوں کا ارتکاب آج حاکمیتِ جمہور کے نام پر دنیا کا عیار طبقہ کر رہا ہے۔

۴۔ جنسی بے راہ روی : اس تہذیبِ الحاد کا ایک اور خطرناک عنصر حیوانی ازدواج کا فلسفہ ہے۔ اس فلسفہ نے اخلاقی قدروں کے آثار تک کو مٹا ڈالا ہے صنعتی انقلاب کے بعد جب مزدور طبقہ سرمایہ داروں کے رحم وکرم پر جینے لگا تو اسے اس امر کا احساس ہوا کہ وہ تنہا پورے خاندان کی کفالت کا بار نہیں اٹھا سکتا چنانچہ وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ گھر سے بچوں اور عورتوں کو بھی فیکٹریوں میں گھسیٹ کر لے آئے تاکہ وہ اور اس کے بال بچے جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھ سکیں۔ اس تغیر نے سب سے زیادہ صنفِ نازک کو مضطرب کیا وہ ترقی پسندی کے باوجود شرم و حیا کے لباس کو کسی صورت بھی اپنے جسم سے علیحدہ کرنے پر راضی نہ ہوتی تھی مگر اس آڑے وقت میں فلسفی کام آئے، انہوں نے فوراً آگے بڑھ کر اس کے کان میں آواز دی "یہ شرم وحیا اور عصمت وعفت جن کی تو قدر کرتی ہے سب اضافی چیزیں ہیں جو زمانہ کے ساتھ برابر بدلتی رہتی ہیں ان کی حیثیت ماضی کے افسانوں سے زیادہ کچھ بھی نہیں درحقیقت یہ سنہری جال ہیں جو تمہارے آباؤ اجداد نے تمہارے لئے تیار کر رکھے تھے مگر اب تمہیں ہوش آنا چاہیئے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان پرانے بندھنوں کو توڑ ڈالو اور ان سے آزادی حاصل کرو تم ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہو، لہٰذا تمہیں زندگی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی دوڑ دھوپ میں اس کا شریک ہونا چاہیئے۔ اس باطل فلسفہ کا اثر یہ ہوا کہ پہلے تو نکاح کی گرفت ڈھیلی ہوئی، اس کے بعد نکاح سے ایک عام بیزاری کا رجحان پرورش پانے لگا۔ مالتھس (Malthus) کے "نظریۂ آبادی" نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور خاندانی نظام کی مضبوط عمارت پیوندِ خاک ہوگئی۔ اس کی تباہی نے انسانی سوسائٹی پر جو اثرات ڈالے اُن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ بچوں کی تربیت اور نگہداشت سے عام بے پروائی۔

ب۔ جنسی انارکی۔

اس سلسلہ میں مناسب یہ ہے کہ ہم اسی تہذیب کے چند نمایاں مفکرین کی آراء پیش کر دیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ خود اس کے متعلق کس طرز پر سوچتے ہیں پروفیسر سارو کن کہتا ہے۔

"عہدِ ماضی میں ایک خاندان بچوں کی تعلیم و تربیت کا سب سے بڑا اور اہم ادارہ تھا۔ آج سے ایک سو سال پہلے بھی بچوں کی زیادہ تر تعداد اس سے فیض یاب ہوتی تھی، لیکن دورِ جدید میں خاندان کا دائرۂ اثر بہت حد تک سکڑ گیا ہے جن گھرانوں میں بچے نہیں ہوتے ان کے ہاں تو تربیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مگر جن خاندانوں میں اولاد ہوتی ہے وہاں بھی ان کی تربیت کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا جاتا۔ بچوں کو پیدائش کے فوراً بعد ہی گھر کے ماحول سے نکال کر نرسری سکولز، کنڈر گارٹن پرائمری سکولز کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اس طرح سے خاندان کے وجود کا ایک اہم مقصد فوت ہو گیا ہے۔"

اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

"انسان محض حیاتیاتی وجود ہی نہیں رکھتا جس کا اپنا کوئی رجحان نہ ہو، بلکہ وہ بہت سے میلانات رکھتا ہے۔ اس لئے کوئی ذریعہ ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو ان میلانات کو صحیح طور پر نشو و نما دے سکے پہلے اس فرض کو خاندان سرانجام دیتا اور بچوں کو اجتماعی زندگی کے لئے کارآمد بناتا تھا، مگر آج کل خاندان اس اہم فرض کی بجا آوری میں غفلت برت رہا ہے۔ اس کوتاہی کی اصل وجہ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے ... کہ ایسا خاندان جس میں خاوند اور بیوی کے تعلقات کسی مضبوط بنیاد پر استوار نہ ہوں وہاں بچوں کی صحیح طور پر تربیت نہیں ہو سکتی جس بنا پر بچوں میں اچھی عادات پرورش پانے کے بجائے اخلاقی کمزوریاں اُبھر آتی ہیں ایسے خاندان میں پل کر جوان ہونے والے بچے بالعموم کم ظرف، تھڑدلے اور منافق ہوتے ہیں۔ اگر باہر کے تعلیمی ادارے تربیت کی اس کمی کو پورا کر سکتے تو پھر بھی کچھ بات تھی، مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے ایک اَن پڑھ ماں جس میں شفقت اور ذہانت موجود ہو وہ ان سکولوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کے مقابلہ میں بہتر معلمۂ اخلاق ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ مجرمین اور فساق و فجار کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اب دنیا میں ایسے افراد پیدا ہو رہے ہیں جو نہ تو کسی مضبوط سیرت کے مالک ہیں اور نہ انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے[1]؛

اسی طرح عہدِ جدید کے ایک دوسرے مفکر الیکس کیرل (Alexis Carrel) نے بھی خاندانی نظام کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے:

"موجودہ سماج نے سب سے فاش غلطی یہ کی ہے کہ اس نے تربیت کیلئے خاندان کے مقابلہ میں مدرسوں پر اعتماد کیا۔ آج کی ماں اپنے بچہ کو نرسری سکول میں صرف اس غرض کے لئے چھوڑ دیتی ہے تاکہ وہ اپنی معاشی کے لئے آزاد شہوت رانی کے لئے، فضول قسم کی آرٹ پرستی کے لئے اور برج کھیلنے یا سینما جانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت نکال سکے اور اس طرح ایک قسم کی مشغول بیکاری (Busy Idleness) میں منہمک رہے اس طرزِ زندگی نے خاندانی نظام کو، جس کے زیرِ اثر رہ کر بچہ بہت کچھ سیکھتا ہے بالکل درہم برہم کر دیا ہے ایک بچہ اپنی ذہنی اور عملی صلاحیتوں کو ماحول کی مدد سے ہی صحیح طور پر نشوونما دے سکتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ

---

[1] The Crisis of our AGE

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی حد تک الگ تھلگ بھی رہے، مگر خاندان کے افراد کی توجہ کا مرکز بھی ہو۔"[1]

خاندانی نظام کی بنیادوں کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے خاندان کے چھوٹے افراد کے دلوں میں بڑوں کا احترام ختم ہوگیا ہے اور اسی طرح بڑوں کے دلوں میں بھی چھوٹوں کے لئے کوئی شفقت باقی نہیں رہی۔ آج بیوی اور خاوند اور باپ اور بیٹے کے درمیان اگر کوئی رشتہ ہے تو وہ صرف معاشی ہے۔ اور اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو دوسرا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ مغربی تہذیب کے ایک نقاد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

"اس زمانہ کی جگہ جس میں خاندانی روابط کا استحکام ہی خاندان اور قبیلہ کی خیر و فلاح کے لئے ضروری تصور کیا جاتا تھا، مغرب جدید میں ایک ایسے زمانہ نے لے لی ہے جو وسیع تر عنوانات کے تحت اجتماعی تنظیم کرتا ہے ایک ایسے معاشرہ میں جو بنیادی طور پر صنعتی ہے، اور جس کی تنظیم بڑی تیز رفتاری کے ساتھ خالص میکانکی خطوط پہ کی جا رہی ہے، ایک فرد کا اپنے باپ کے ساتھ برتاؤ کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپین باپ کا اپنے بیٹے پہ اثر در سوخ ہر آن کم ہو رہا ہے۔ اور اسی طرح بیٹے کے دل میں اپنے باپ کے لئے عزت و احترام کا جذبہ روبزوال ہے ان کے باہمی تعلقات تیزی سے قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں، اور عملاً ایک ایسی مشینی سوسائٹی کے ذریعے ان تعلقات کا خون ہو رہا ہے جس میں افراد کے باہمی حقوق کے منسوخ کر دینے کا رجحان پایا جاتا ہے اور جس کا اثر یہ ہے کہ خاندانی رشتہ داری کے مقرر کئے ہوئے حقوق بھی ختم ہوتے جا رہے ہیں۔"[2]

حیوانی ازدواج کے اس فلسفہ نے جہاں ایک طرف خاندانی نظام کو تباہ و برباد کیا ہے وہاں اس نے فطرت کی طرف واپسی (Back to Nature) کے رنگین پردے میں

---

[1] (Alexis Carrel) (Man the Unknown)

[2] Islam at the Cross Road

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری دنیا میں اباحیت مطلقہ (منفی انارکزم) کا بیج بو دیا ہے اس نے لوگوں کو نہایت ہی دلچسپ انداز میں یہ درس دیا کہ آزاد محبت عین تقاضائے فطرت ہے یہ نکاح وغیرہ کی پابندیاں محض مصنوعی ہیں اور تاریخ کے تاریک ادوار کی یادگار ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کا ہر ہوٹل، ہر پارک، ہر کوارٹر عصمت فروشی کا اڈا بن گیا ہے۔ یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں اور تو اور خود اس تہذیب کے پرستاروں نے اس کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دی ہے ہم اس وقت اس موضوع پر کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں سمجھتے صرف چند مغربی مفکرین کی شہادتیں پیش کرتے ہیں ان سے ہوا کے رُخ کا صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکے گا یورپ کا مشہور مفکر برٹرینڈ رسل اپنی کتاب "اجتماعی تعمیر نو کے اصول" میں لکھتا ہے

> ہماری سوسائٹی کے مختلف طبقوں میں سب سے زیادہ بگاڑ اس طبقے کے اخلاق میں پیدا ہو رہا ہے جو ہمارے لئے زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتا ہے یہ ایک یقینی امر ہے کہ اگر ہمارا معاشی اور اخلاقی نظام اسی طرح قائم رہے تو آئندہ دو یا تین نسلیں اپنے اخلاق و کردار کے اعتبار سے انتہائی گھٹیا ثابت ہونگی صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ تمام مہذب ممالک کو درپیش ہے اور زیادہ صحیح الفاظ میں اس مسئلہ کا تعلق پوری مغربی تہذیب سے ہے۔"

اسی طرح علم طبیعیات کی ایک ماہر خاتون مسنر ہڈسن کی رائے بھی قابل ذکر ہے۔ وہ کہتی ہے۔

> "ہماری تہذیب کی عمارت کی دیواریں منہدم ہونے کو ہیں اس کی بنیادوں میں ضعف آگیا ہے اور اس کے شہتیر ہل رہے ہیں۔ نہ معلوم یہ ساری عمارت کب پیوند خاک ہو جائے۔ ہم گذشتہ کئی سال سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اب لوگ نظم و ضبط کی پابندیوں کو اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس کے بقا کی بس ایک ہی صورت ہے کہ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی عائد کر دی جائے کیونکہ اس تہذیب کے لوگوں کی تمام تر توجہات آزاد جنسی تعلقات، قحبہ گری اور عصمت فروشی۔ مختصر یہ کہ جنسی خواہشوں پر مرتکز ہو کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہ گئی ہیں۔ اس سے ان کی ساری تعمیری صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ اس معاملہ میں اور بھی بے اعتدالیاں دیکھنے میں آتی ہیں مثلاً مردوں اور عورتوں کا خود اپنے ہی ہم جنسوں کی طرف مائل ہونا۔ انسانی صلاحیتوں کا یہ زیاں بڑا ہی تشویشناک ہے جنسی تعلقات کی یہ نوعیت اور اس کے ان بدترین آثار و نتائج کو دیکھ کر ہمارے ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آیا یہ ہماری تہذیب کے ملیا میٹ ہونے کے آثار و شواہد ہیں یا اس کے اسباب۔ میری یہ رائے ہے کہ یہ آثار و شواہد بھی ہیں اور اسباب بھی۔"[1]

امریکہ اور انگلستان میں اس اخلاقی انحطاط نے سب سے زیادہ خطرناک صورت اختیار کی ہے۔ پچھلے سال امریکہ میں ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام U.S.A. (Confidential) ہے۔ اس کتاب کے مصنفین نے امریکی زندگی کا ایسا گھناؤنا نقشہ پیش کیا ہے جس کے تصور سے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف مارچ ۱۹۵۲ء میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ مغربی تہذیب کے اس گہوارہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"اب جبکہ ہم اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالتے ہیں تو حالات یکسر بدلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ آج ہمارے ہاں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی افراط ہے اب عورتوں کو آزادی ہے اس لئے وہ ہمارا پیچھا کرنے میں بھی آزاد ہیں ... ... مردوں کی چشم التفات اُن کے لئے ایک ایسی جنس نایاب ہے جس کے لئے انہیں سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے ...

آپ کو بیسواؤں کے ہاں جانے کی ضرورت نہیں آپ ٹیلیفون پر اُنہیں گھروں میں بلا تکلف بلا سکتے ہیں اس تغیر نے اس پیشہ کے معاشی پہلو میں ایک زبردست انقلاب پیدا کیا ہے۔ اب نہ تو مکانوں کی ضرورت ہے اور نہ دلالے

---

[1] Mr. Hudson. Shaw ; Sex und Common Sense

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی۔ چکلوں میں سوائے نچلے طبقہ کے کوئی نہیں جاتا۔

بیسواؤں کو اب کمپنی گرلز (Company Girls) کے لقب سے مخاطب کیا جاتا ہے، ان سے سارا معاملہ ڈاکٹر کی طرح فون پر ہی طے ہو جاتا ہے اور ڈاکٹر کی طرح ہی انہیں مہینے کے آخر میں بل کی ادائیگی کر دی جاتی ہے۔ بعض لوگ انہیں کال گرلز (Call Girls) یا پارٹی گرلز کے ناموں سے بھی موسوم کرتے ہیں کیونکہ ضرورت کے وقت انہیں دعوتوں میں بھی مدعو کیا جاتا ہے یہ مہذب رنڈیاں تلاش روزگار میں ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جاتی رہتی ہیں "۔

" صحبت ہم جنس (Homosexuality) جس کا رواج زیادہ تر مردوں میں تھا اب عورتوں میں بھی عام ہو رہی ہے۔ کوئی بیوقوف انسان ہی قوم کی اس ابتر اخلاقی حالت کو نظر انداز کر سکتا ہے۔

قریب قریب یہی حال انگلستان کا بھی ہے (Patsolan) لندن کی اخلاقی حالت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

" ایک شخص کے لئے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ لندن کے مرکزی بازار میں سے گذر جائے اور کوئی خاتون اس کو " خوش آمدید " نہ کہے۔ اگر قارئین مجھ پر اعتماد نہ کریں تو میں انہیں آج بھی اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ گیارہ بجے رات کے بعد پیکاڈلی، لیسٹرز ٹرسکوئر اور ریجنٹ سٹریٹ میں سے شام کے وقت گزر کر دیکھیں۔ انہیں میرے اس دعوے کی صداقت کا خود بخود یقین ہو جائیگا "۔

روس بھی اس مرض کا شکار ہے۔ اشتراکیت نے وہاں اخلاقی سطح کو اور بھی پست کر دیا ہے۔ اشتراکی راہنماؤں نے زیادہ زور صرف اسی ایک بات پر دیا ہے کہ کوئی چیز بھی اشتمالی سوسائٹی میں رکاوٹ نہ بننے پائے۔ جنسی عمل میں انسان کو اس کے مذاق اور طبیعت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور آزاد جنسی تعلقات کی استواری کے کل اختیارات اسے تفویض کر دیئے گئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے شہروں میں جہاں اشتراکی اخلاقیات اعداجیت مطلقہ کا براہِ راست اثر پڑا وہاں صنفی انارکی نے اخلاقی اقدار کو بالکل مٹا ڈالا۔

مشہور اشتراکی اخبار پراودا (Pravada) میں اب سے کچھ سال پیشتر، اشتراکیوں کی جنسی آزادی پر ایک مضمون چھپا تھا جس میں صاف الفاظ میں لکھا گیا تھا کہ محبت کے بارے میں ہمارے نوجوان چند خاص اصول رکھتے ہیں اور ان اصولوں کی تہ میں یہ تخیل کارفرما ہے کہ جس قدر جلدی تم اخلاقی مددود پھاندنے میں کامیاب ہوگے، یا بالفاظِ دیگر جس قدر زیادہ تم حیوانیت سے قریب تر ہوگے اسی تناسب سے تم اشتراکی بن سکوگے یبسر فیکلٹی کا ہر ممبر ہر طالب علم خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس بات کو اصول متعارفہ میں شمار کرتا ہے کہ محبت کے معاملات میں جہاں تک ممکن ہو اس کو اپنے اوپر کوئی قید عائد نہ کرنی چاہیئے اس طرح کے اصولِ متعارفہ میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ ہر لڑکی جو لیبر فیکلٹی میں داخل ہے اس پر لازم ہے کہ جب اس کے نوجوان ساتھیوں میں سے کسی کی نظرِ انتخاب اس پر پڑے تو وہ بلا حیل و حجت اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے لے۔

اسی طرح ایک ممتاز روسی سائنس دان انیٹون نیمیلوف (Nemilov) جو اشتراکیت کا بڑا پُرجوش حامی ہے، اپنی کتاب "عورت کا حیاتیاتی حزنیہ" (The Biological Tragedy of Woman) میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ مزدوروں میں صنفی انارکی عالمگیر ہوگئی ہے۔

بہیٹ سلون نے اپنی ایک ممتاز تصنیف "روس بے نقاب" (Russia Without Illusion) میں اُن عورتوں کا تذکرہ کیا ہے جو روس میں زنا کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور اجنبی مسافروں اور سیاحوں کی تاک میں رہتی ہیں اس کے دیئے ہوئے اعداد و شمار کے مطابق صرف ماسکو میں ۴۰۰ بازاری عورتیں ہیں۔

بد معاشی کے یہ جراثیم صرف کارخانوں، شہروں اور یونیورسٹیوں میں ہی نہیں بلکہ زراعتی

لے ترجمان القرآن جلد ۱۲ صد ۱۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فارموں ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ موریس ہنڈس ایک اجتماعی فارم کے حالات بطورِ مثال پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ایک مرد اور عورت اس فارم میں ملازم ہوئے شوہر کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ تین ہفتوں کے قیام کے بعد اُس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور ایک گوالن سے شادی کر لی چند ہی دنوں کے بعد وہ ایک دوسرے ساتھی کی بیوی سے زنا کرتا ہوا پکڑا گیا۔"

روسی لٹریچر میں اس قسم کی ان گنت مثالیں مل سکتی ہیں۔ ہم طوالت کے خوف سے انہی پہ اکتفا کرتے ہیں۔ ان میں ہمیں جو کچھ بتانا مقصود ہے وہ صرف یہی ہے کہ مغربی تہذیب نے دنیا کے تمام ممالک میں ایک ہی نوعیت کی جنسی انارکی کو جنم دیا ہے۔ پروفیسر سارو کن پوری دُنیا کی اخلاقی پستی کا جائزہ لیتے ہوئے کہتا ہے۔

" ہم کھانا اب ہوٹلوں اور ریستورانوں میں کھاتے ہیں۔ ہماری روٹی بیکری سے آتی ہے۔ کپڑے لانڈری میں دُھلتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں تفریح کے لئے لوگ خاندانوں کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اب اس کے لئے سینماؤں، تھیٹروں اور کلبوں کا رخ کیا جاتا ہے۔ پہلے خاندان ہماری دلچسپی کا مرکز تھا اور خاندانی زندگی ہی میں سکون تلاش کیا جاتا تھا مگر اب خاندان کے افراد بکھر گئے ہیں اور اگر کچھ مل کر رہتے بھی ہیں تو اس کا مقصد فوت ہو گیا ہے۔ وہ دن کا زیادہ وقت اکیلے فکرِ معاش میں بسر کرتے ہیں۔ رات کا وقت جس میں کہ خاندان کے افراد اکٹھے ہوتے تھے وہ بھی اب علیحدگی میں گذرتا ہے۔ اب ہمارے گھر ہمارے لئے استراحت کی جگہ نہیں رہے جہاں ہم بہر حال شب باش ہوں۔ شب باشی کا تو ذکر ہی کیا۔ اب تو ایک پوری رات بھی لوگ اپنے گھر میں بسر کرنا پسند نہیں کرتے[1]۔"

۵۔ **قوم پرستی:** اس تہذیب الحاد کا ایک اور زہریلا عنصر قوم پرستی ہے۔ قرونِ وسطیٰ

---

[1] P.A. Sorokin (The Crisis of our age)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مسیحیت اگرچہ ایک زندہ اور متحرک قوت کی حیثیت سے مر چکی تھی مگر اس کا مزار اب بھی پورے یورپ کی اجتماعی زندگی کا مرکز و محور تھا۔ اس میں زندگی کے آثار مٹ جانے کے بعد بھی اتنی کشش باقی تھی کہ لوگ اسی کے اصولوں میں فوز و فلاح تلاش کرتے۔ اس کے اعلیٰ و ارفع نصب العین اور اس کے بلند و برتر اجتماعی تخیل نے مختلف قوموں اور نسلوں کو جوڑ رکھا تھا مگر جب لوتھر نے اپنی مشہور اصلاحی تحریک شروع کی اور رومی کلیسا کی مخالفت میں جرمن قوم کو ابھارا اور بالآخر کلیسا کو اس کے مقابلہ میں شکست کھانا پڑی تو قومیں جس شیرازہ میں بندھی ہوئی تھیں وہ شیرازہ منتشر ہو گیا اب ان میں سے ہر ایک نے اپنی خود مختاری کا علم بلند کر دیا۔ اس کے بعد یورپ کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ اس اجتماعی تخیل کے ختم ہو جانے کے بعد انسانوں کے سامنے کونسا ایسا نصب العین پیش کیا جائے جس کی محبت لوگوں کے اندر سعی و طلب کا ولولہ پیدا کرے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے تہذیب الحاد قوم پرستی کی روح کو سامنے لائی۔ اہل یورپ خدا کے انکار کے باوجود کسی ایسے معبود کی تلاش میں مصروف تھے جس کے سامنے وہ جبینِ نیاز جھکا سکیں۔ دنیا کی بدقسمتی کہ یہی وہ زمانہ تھا جب مغرب کا ذہین دماغ بھاپ کے دیو کو مسخر کر کے اس سے مشینیں چلانے میں کامیاب ہوا، اور مشینوں کی کثیر پیدا آوری اور زود پیدا آوری نے یورپ کی بیشتر قوموں کے سامنے تیار شدہ مال کی کھپت کی پیچیدگیاں پیدا کر دیں ان کے اپنے عوام اس مال کو خریدنے کی قوت نہ رکھتے تھے چنانچہ اس مال کو فروخت کرنے کے لئے منڈیوں کی جستجو ہونے لگی اور یورپ کی بہت سی قومیں اسی مقصد کے حصول کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑیں۔ اس تگ و دو میں مسابقت کے جذبہ کا ابھرنا بالکل ایک فطری امر تھا مگر اس مسابقت نے باہمی رقابت کی صورت اختیار کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف سلطنتوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس آڑے وقت میں جس نظریہ نے لوگوں کو سرگرم عمل کیا اور انہیں مرنے مرنے پر ابھارا وہ نیشنلزم کا نظریہ تھا۔ اہلِ مغرب نے اس نئے بت کے تراشے جانے کے بعد کسی قدر اطمینان محسوس کیا۔ ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کی جگہ پیشانیاں اب ایک پیکرِ محسوس کے سامنے جھکنے لگی ہیں اور انسان اپنی زندگی میں بندگی کا جو خلا محسوس کر رہا تھا وہ اس طرح پورا ہو گیا ہے۔ ہر فرد کے اندر یہ احساس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھرنے لگا کہ اس کی ساری سرگرمیوں کا محور قوم کا بُت ہے اس نئے استھان پر اُسے سب کچھ بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ سادہ لوح عوام پر جادو چل گیا چنانچہ یورپ کی ساری قومیں قوم پرستی کے نشہ میں بدمست ہو کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں۔ مشہور انگریز فاضل لارڈ لوتھین نے مسلم یونیورسٹی کے خطبۂ اسناد میں اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

"جب لوتھر کی تحریک نے (جس کو دینی اصلاح کی تحریک کہا جاتا ہے) یورپ کی ثقافتی اور دینی وحدت کا خاتمہ کر دیا تو یہ برِاعظم مختلف قومی حکومتوں میں بٹ گیا، جن کے جھگڑے اور مقابلے دنیا کے لئے ایک دائمی اور مستقل خطرہ بن گئے:

مذہبی انحطاط اور دینی اصول و اخلاق کی وجہ سے قومیت اور وطنیت کے نظریہ کو جو فروغ ہوا اس کی طرف بھی لارڈ موصوف نے اس خطبہ میں متوجہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

" دین جو انسان کا ضروری رہنما، اخلاقی مقصد کے حصول اور انسانی زندگی کی عزت اور معنویت کا ذریعہ ہے اس کے اقتدار کے زوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی دنیا ایسے سیاسی مذاہب و خیالات کی گرویدہ بن گئی جن کی بنیاد نسل اور طبقات کے اختلاف پر ہے"

آغاز میں اس نئے دین کے سب سے بڑے مبلغ اور پرجوش حامی صرف وہی لوگ تھے جو صنعتی انقلاب سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر دولت کے بل پر مسندِ اقتدار پر قابض ہو گئے تھے ان لوگوں نے اس نظریہ کی توسیع و اشاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور چند سال میں اسے دنیا کا مقبول ترین نظریہ بنا دیا۔ پروفیسر ہیرلڈ لاسکی (Laski) نے اپنی کتاب "یورپ میں آزادیٔ افکار کا عروج" (The Rise of Liberalism) میں ان اسباب کا تجزیہ کیا ہے جن کی وجہ سے تمام دنیا کا سرمایہ دار طبقہ اس نظریہ کا حامی ہے وہ لکھتا ہے۔

" ایک تاجر قوم پرستی کے نظریہ کا اس لئے خیر مقدم کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے ذریعہ ملک کے اندر کامل اتحاد و اتفاق ہونے کی وجہ سے امن و امان قائم ہوگا اس طرح وہ پُرسکون فضا میں پوری جمعیتِ خاطر سے تجارت کر سکے گا دوسرے اسے ہم پیشہ لوگوں کی انجمنوں ((Guilds)) کے قوانین و ضوابط سے آزادی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصیب ہوگی۔ وہ دل و جان سے اس بات کا متمنی ہے کہ مذہب و کلیسا کے اقتدار کا خاتمہ ہوا کیونکہ اس کے کمزور پڑ جانے سے حلال و حرام کی قیود بھی ختم ہو جاتی ہیں۔"
سرمایہ داروں کے اس گروہ نے نہایت ہی عیاری سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ تجارت کے فروغ میں در اصل کسی ایک طبقہ یا گروہ کا فائدہ نہیں بلکہ پوری قوم کا فائدہ ہے اس لئے انہیں چاہیئے کہ قوم کی سر بلندی کے لئے وہ دوسروں کو شکست دیں۔ اسی مذموم خیال کو فلسفہ کے جس رنگین لباس میں پیش کیا گیا۔ وہ ایک نہایت ہی دلچسپ داستان ہے۔

دورِ متوسط میں مادہ سے جو حیرت انگیز کام لیا گیا اس نے انسان کے ذہن میں اس خیال کو راسخ کر دیا کہ دنیا کے سارے مظاہر میں صرف مادہ ہی جلوہ گر ہے۔ اس کے بعد زندگی کے متعلق یہ نظریہ ترقی پانے لگا کہ یہ ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اگر بات یہیں تک رہتی تو اس میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ مگر اس سے یہ غلط اصول مستنبط کیا گیا کہ دنیا میں اصل حق "کل" (Whole) ہے اور افراد یا اشیاء کا علیحدہ وجود سراسر باطل۔ اس اصول نے انفرادیت کی بالکل نفی کر دی۔ پھر عقل کے اندھوں نے پوری دنیا کو ایک "کل" سمجھنے کی بجائے اپنے اپنے ملک اور قوم کو کل سمجھا اور اور لوگوں کو مختلف طریقوں سے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی انفرادیت کو اس کل کے بحرِ بیکراں میں غرق کر دیں چنانچہ یہی ہوا عوام نے اپنا سب کچھ اسی دیوی کے قدموں میں لا کر ڈال دیا اور عبادت و تقدیس کا جتنا تعلق عبد و معبود کے درمیان ہونا چاہیئے تھا انہوں نے اس خود ساختہ معبود کے ساتھ قائم کر لیا۔ انسان کے سامنے سب سے بلند مقصد یہ ٹھہرا کہ وہ خود کو قوم کے اندر بالکل تحلیل کر دے۔ مسولینی اس خیال کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

لہ بعض انجان لوگ ابھی تک قوم پرستی کو حب الوطنی کا ہم معنی خیال کرتے ہیں مگر یہ زبردست غلط فہمی ہے جس کا شکار بعض اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی نظر آتے ہیں وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ حب الوطنی ایک مثبت داعیہ ہے اور اس لحاظ سے بالکل فطری ہے مگر قوم پرستی ایک منفی تحریک ہے جو لوگوں کے اندر دوسری قوموں کے خلاف نفرت کے جذبات کو ابھارتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"افراد اور گروہوں کے مقابلہ میں اقتدارِ اعلیٰ کی اصل مالک صرف قوم ہے"

یہی نہیں بلکہ قوم نے اپنے لئے اس مرتبہ کا دعویٰ کیا جو مذہب میں شارع کو دیا گیا ہے قوم خطا و نسیان سے معصوم ہے اس سے لغزش اور غلطی کا صدور ممکن نہیں۔ تمام افراد اس کی ملک ہیں اور ان پر اس کی اطاعت فرضِ عین ہے اس کو حق ہے کہ جس امر میں جو چاہے فیصلہ کرے، فرد کی پہلی اور آخری وفاداری صرف قوم کے لئے ہے اور اس میں کوتاہی کفر سے کم نہیں۔ پروفیسر جوڈ نے پرفرک، جرمن وزیرِ داخلہ کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

"قوم کا مفاد ہی در اصل حق کا سب سے بڑا معیار ہے حق وہ ہے جس سے جرمن قوم کو نفع حاصل ہو اور باطل وہ ہے جس سے جرمن قوم کو نقصان پہنچے"

چنانچہ جرمنی کی کتاب الایمان کا کلمۂ شہادت یہ قرار پایا:-

"ہٹلر کی خدمت جرمنی کی خدمت ہے اور جرمنی کی خدمت اللہ کی خدمت ہے"[1]

فکر و نظر کی یہ خوفناک تبدیلی صرف داخلی پالیسی میں واقع ہوئی۔ جہاں تک خارجی پالیسی کا تعلق ہے اس کے نتائج کہیں زیادہ مہلک ثابت ہوئے مختلف قوموں اور ملکوں نے اپنے سیاسی مقصد اور استعمار کے جو چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچ لئے ان کی حدود سے باہر نکل کر سوچنا اُن کے لئے قریب قریب ناممکن ہوگیا۔ انہوں نے ہر اُس چیز کو باطل خیال کیا جو اُن کی خاکِ وطن سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ اس قوم پرستانہ ذہنیت اور غیر ملکی چیز کے خلاف عصبیت یہاں تک بڑھ گئی کہ قوموں نے کسی غیر ملک سے آئی ہوئی ان اعلیٰ قدروں کو بھی ماننے سے انکار کر دیا جن کو خدا کے پاک بندوں نے وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا اور جن میں کسی ایک قوم یا ملک کے مفاد کی حفاظت مقصود نہ تھی، بلکہ پوری نوعِ انسانی کی فلاح مطلوب تھی جرمنی کے ایک پروفیسر "اٹر" نے کے یہ الفاظ اس ذہنیت کی پوری طرح غمازی کرتے ہیں۔

"ہمارے بچے کیوں ایک غیر قوم کی تاریخ پڑھیں، انہیں کیوں ابراہیم اور اسحاق کے قصے سنائے جائیں ہمارا خدا جرمنی ہونا چاہیئے"

---

[1] "مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟" مولانا ابوالحسن علی ندوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر اس خیال نے کہ حق انہی کی میراث ہے قوم کے اندر نخوت اور تکبر کے جذبات پیدا کئے۔ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ جینے اور پھلنے پھولنے کا حق اگر کسی کو ہے تو وہ صرف ان کی اپنی قوم کو ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سراسر باطل ہے اس لیئے اس کو مغلوب اور محکوم رہنا چاہیئے۔ مسولینی نے ۱۹۲۵ء میں تقریر کرتے ہوئے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"اگر یورپ اب دنیا میں اپنا استعماری مشن پھیلانے کے قابل نہیں رہا تو یقیناً اس کا وقت پورا ہو چکا ہے ..... وحشیوں اور حبشیوں کے اب یہ حوصلے ہو گئے ہیں کہ مجلسِ اقوام کی عدالت میں آکر ان عظیم الشان قوموں کے خلاف استغاثہ کریں جو عالمِ انسانیت میں انقلاب بپا کر چکی ہیں"

ہٹلر اپنی مشہور کتاب "میری جدوجہد" میں لکھتا ہے۔

"دنیا میں علوم و آداب، فنی کمالات و نوادر کا جو بیش قیمت سرمایہ پایا جاتا ہے اس کو چند مخصوص قوموں کی ذہانت و کمال اور قوتِ ایجاد نے پیدا کیا ہے، اور یہ تمام قومیں ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہیں اگر ہم نوعِ انسانی کو تین اقوام پر مشتمل قرار دیں۔

(۱) علم و تہذیب پیدا کرنے والے۔

(۲) ان کی حفاظت کرنے والے

(۳) ان کو تباہ کرنے والے، تو پہلی قسم میں صرف آرین نسل آسکے گی"

دنیا کی ہر قوم نے نہ صرف اپنے آپ کو دوسروں سے بلند و برتر خیال کیا بلکہ اپنے اجتماعی وجود کا سب سے بڑا مقصد یہ سمجھا کہ وہ دوسروں کو دنیا سے مٹا دے اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے اندر ایسے احساسات ابھارے جائیں جن کی وجہ سے قوم کے افراد کے دلوں میں دوسروں کے خلاف اس قدر شدید نفرت پیدا ہو جائے کہ وہ ان کا نام تک سننا گوارا نہ کریں اور انہیں ملیامیٹ کر دینے کی فکر میں منہمک رہیں۔ اس کام کو بڑے منصوبہ کے تحت سرانجام دیا گیا۔ ماہرینِ نفسیات نے بڑے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ دوسروں کے خلاف نفرت و حقارت اسی صورت میں پھیلائی جا سکتی ہے کہ ملک کے ماہرینِ تعلیم اور سیاسی لیڈر اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم کے بچوں میں خوف و ہراس کے احساسات کو پرورش دیں۔ اُن میں تعلیم و تربیت کے ذریعہ پریس اور ریڈیو کی مدد سے اس خیال کو ابھارا جائے کہ دوسری قومیں تمہاری دشمن ہیں وہ تمہیں تاخت و تاراج کرنے کا عزم رکھتی ہیں، لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ تم کامل اتحاد و اتفاق سے ان کیخلاف صف آرا ہو جاؤ اور ان کے حملہ کرنے سے پہلے ہی تم اتنی قوت سے اُن پر یلغار کردو کہ ان کا قومی وجود باقی نہ رہے۔ پروفیسر جوڈ لکھتا ہے:-

"مشترک جذبات جن کو آسانی سے برانگیختہ کیا جا سکتا ہے اور جو جمہور کی بڑی بڑی جماعتوں کو باہم متحد بنا سکتے ہیں وہ شفقت و مؤدت، فیاضی اور محبت کے جذبات نہیں بلکہ نفرت اور خوف کے جذبات ہیں۔ انہی کی مدد سے مسندِ اقتدار حاصل کی جاتی ہے۔ گذشتہ انتخابات جن نعروں کے بل پر جیتے گئے وہ یہ تھے: قیصر کو تختۂ دار پر لٹکا دو اور جرمنی کو مجبور کر دو کہ وہ تاوانِ جنگ ادا کرے۔ ایک مشہور لیڈر نے مجھ سے خود بیان کیا کہ اس نے ۱۹۱۸ء کے انتخابات میں صرف اس لئے شکست کھائی کیونکہ اُس کا مخالف چھ جرمنوں کو ایک ہی پستول سے مارنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ لہٰذا جو گروہ کسی قوم پر کسی مقصد کے لئے حکومت کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اس کے لئے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کریں جس سے وہ نفرت کرے اور اس کے لئے کوئی شخصیت یا قوم نہ پیدا کرلیں جس سے وہ ڈرے۔ اگر مجھے واقعی دورِ جدید کی مختلف اقوام کا اتحاد مطلوب ہے تو مجھے چاہیئے کہ میں اُن کے لئے کسی اور سیارہ پر کسی دشمن کا وجود تلاش کروں۔ اِس بنیاد پر یہ قطعاً حیرت کی بات نہیں کہ اس زمانہ کی قومی حکومتیں اپنی ہمسایہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت نفرت و حقارت کے زیرِ اثر رہیں۔ انہی جذبات پر ان سلطنتوں کی زندگی موقوف ہے اور انہی جذبات پر قومی اتحاد کی بنیاد ہے۔"[1]

---

[1] Goad : A Guide to Modern Wickedness.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں ایک عجیب بات جو دیکھنے میں آئی ہے یہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم یا نسل اپنے مخالف میں اس قسم کے جذبات کو نہایت ہی نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس کے نزدیک اگر یہ احساسات کسی غیر کے اندر موجود ہیں تو نہایت ہی برے ہیں مگر جب انہی خیالات کی پرورش خود اپنی ہی نسل یا قوم میں کی جائے تو یہی گمراہ کن نظریات صالح افکار میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے[1]

> ہر فرد اس بات سے متفق ہے کہ دوسرے ممالک کی قوم پرستی ایک نہایت ناپسندیدہ اور نفرت انگیز جذبہ ہے مگر یہی جذبہ جب اُن کی اپنی قوم کے اندر پرورش پاتا ہے تو یہ شر سراپا خیر نظر آنے لگتا ہے اور جو اسے قبول نہیں کرتا وہ قوم کے اندر ذلیل وحقیر ہوتا جاتا ہے۔

جارحانہ قوم پرستی کے اس نظریہ کے اندر فساد کے جو جراثیم موجود ہیں وہ ریشہ دوانیوں، وعدہ خلافیوں، زیر دست آزاریوں اور جنگی تصادموں اور جانبازیوں کی شکل میں نمودار ہوئے اس نازک صورتِ حالات نے مغربی زندگی کو بالکل زیر وزبر کر دیا ہے۔ فاتح اور مفتوح دونوں اپنی بربادیوں پر غور کرتے ہیں اور بار بار اس عالمگیر فساد کو ختم کرنے کے متعلق سوچتے ہیں۔ اس غرض کے لئے جمعیتِ اقوام کی بنا رکھی جاتی ہے مگر تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ یہ اپنے مقاصد میں ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ امیر شکیب ارسلان نے بالکل درست کہا تھا کہ شاعری کی بحر کی طرح اسم بے مسمّٰی، غیر قانونی کارروائیوں کو قانونی جامہ پہنانے اور فتوحات کو ناموں کے تغیر سے جائز قرار دینے کے علاوہ اس کے وجود کی اور کوئی غرض نہیں اس کا سارا زور صرف اسی ایک بات پر صرف ہوتا ہے کہ وہ کمزوروں کو دبانے اور دست درازوں اور طاقتور سلطنتوں کے مظالم کے لئے وجہِ جواز فراہم کرے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ "بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند" اس کے نصب العین کی بالکل صحیح تصویر پیش کرتے ہیں۔

---

[1] New Hopes for the Changing World

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

معاشرتی ارتقار کا تصوّر

تہذیبِ الحاد کے ان سارے عناصر[1] نے انسانیت کے اچھے احساسات، پاکیزہ جذبات اور اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے میں جو حصہ لیا ہے اُس سے بڑھ چڑھ کر کام معاشرتی ارتقار کے تصور نے کیا ہے۔ مادیت پرستی کے بطن سے یہ نظریہ پیدا ہوا۔ افادی طرزِ فکر (Utilitarian Point of View) نے اسے پروان چڑھایا اور زمان و مکان پر انسانیت کی فتح نے اسے رنگ و شباب بخشا۔ اس کی پرورش میں کانٹ (Kant)، فشٹے (Fischte) ہیگل (Hegel) مارکس (Marx) اور اسی قسم کے بے شمار اصحابِ فکر نے حصہ لیا۔ اس کے برومند ہونے کے ساتھ ہی ظلم نے انصاف کا، شیطنت نے شرافت کا روپ دھار لیا۔ پھر خونریزی، سفاکی اور زیر دست آزاری انسانی اخلاق کے نوامیسِ عالیہ قرار پائے۔

یہ باب کسی تفصیلی بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا، اس لئے ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ یہ نظریہ کن کن افکار سے عبارت ہے۔ اس ضمن میں ہم اپنی گفتگو کا آغاز ہیگل سے کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے اگرچہ یہ نظریہ دنیا میں صدیوں سے موجود ہے مگر جس مفکر نے فکر کی پوری گہرائی اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ اس کو ایک واضح اور مربوط و مبسوط شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا وہ ہیگل ہی تھا۔

فلسفۂ تاریخ کے طالب علم کے لیئے یہ ایک عجوبہ ہے کہ کانٹ کے نظامِ فکر کی جس زور سے جرمنی کا یہ ہونہار فلسفی تردید کرتا ہے اُس سے کہیں زیادہ محنت اور کاوش کے ساتھ وہ

---

[1] جن کا ذکر پچھلے باب میں کیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی تائید بھی کرتا ہے۔ اُس بے رنگ خانوں میں استدلال کے رنگ بھرتا ہے اور اس طرزِ خیال کو پایۂ تکمیل[1] تک پہنچاتا ہے جس کو عقلیت کے بت شکن نے شروع کیا تھا۔

فلسفے کی فنی پیچیدگیوں سے بچتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہیگل کے نزدیک انسانی تہذیب و تمدن کا ارتقار دراصل اضداد کے ظہور، تصادم اور امتزاج سے واقع ہوتا ہے تاریخ انسانی کا ہر دور ایک وحدت اور ایک کُل ہے۔ اس دور میں انسانی زندگی کے مختلف شعبے مثلاً معاشی، سیاسی، تمدنی اور اخلاقی وعقلی اور مذہبی تصورات ایک خاص مرتبے پر ہوتے ہیں۔ ان سب کے اندر ایک گہرا ربط ہوتا ہے اور یہ سارے ایک عصری وحدت کے رخ زیبا کا عکس ہوتے ہیں جب تاریخ انسانی کا قافلہ "روحِ مطلق" کے اشارہ پر کچھ قدم آگے بڑھتا ہے تو خود اس کے اپنے کیمپوں میں سے کچھ حریفانہ افکار، رجحانات اور نظریات علم بغاوت بلند کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں اتر پڑتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک زبردست لڑائی شروع ہوتی ہے مگر کچھ مدت ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہنے کے بعد ان میں آخرکار صلح ہو جاتی ہے اور دونوں گروہ اپنے میں سے کمزور عناصر کو چھانٹ کر علیحدہ کر دیتے ہیں اور اس کے بعد ایک ایسی وحدت کو جنم دیتے ہیں جو دونوں گروہوں کے صالح عناصر پر مشتمل ایک بالکل نئے نظامِ فکر و عمل کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آتی ہے کچھ مدت گزر جانے کے بعد اس کا بھی یہی حشر ہوتا ہے اور انسانی تہذیب اس طرح ترقی کرتی چلی جاتی ہے

اسی عمل ارتقار کو ہیگل اپنی مخصوص اصطلاح میں جدلی عمل (Dialectical Process) کہتا ہے۔ اس کے نزدیک عرصۂ تاریخ یا میدانِ دہر میں گویا ایک مسلسل منطقی مناظرہ و مجادلہ ہو رہا ہے اور اسی کی قوت سے انسانیت ترقی کی منازل طے کر رہی ہے پہلے ایک دعویٰ (Thesis) سامنے آتا ہے پھر اس کے مقابلے میں جوابِ دعویٰ Antithesis پیش ہوتا ہے۔ پھر ایک طویل جھگڑے کے بعد روحِ مطلق ان میں مصالحت کراتی ہے اور اس طرح ایک ایسی وحدت جنم لیتی ہے جو پچھلی وحدتوں کے

---

[1] Russell : History of the Western Philosophy

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقابلے میں ہر لحاظ سے افضل و اکمل ہوتی ہے کیونکہ اس میں ان سب کے صالح اجزا شامل ہوتے ہیں لہٰذا انسانیت جو قدم بھی اٹھاتی ہے۔ وہ ہمیشہ آگے ہی پڑتا ہے۔

یہ ہے ہیگل کا نظریۂ ارتقاء

مارکس نے اپنا فکری خاکہ ہیگل سے مستعار لیا مگر اس میں خود اپنے وجدان سے رنگ بھرے اس نے روح کے تصور کو الگ کرتے ہوئے مادی اسباب یا معاشی محرکات کو تاریخی ارتقاءؔ کی بنیاد قرار دیا۔ ہیگل کے نزدیک اگر مؤثر طاقت افکار کی ہے تو اس کے نزدیک اصل اور فیصلہ کن قوت صرف مادی ماحول ہے اور اس میں بھی حقیقی اہمیت ذرائع پیداوار کو حاصل ہے۔ ——— ہیگل کے خیال کے مطابق ———

اضداد کی جنگ تصورات کے ایوانوں میں لڑی جاتی ہے مگر مارکس یہ سمجھتا ہے کہ زندگی کی اصل رزم گاہ معاشی میدان ہے اور اسی میں انسانیت کی قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں کیونکہ انسانی زندگی میں سب سے زیادہ اہم چیز معیشت ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر انسان کے اخلاقی و مذہبی معتقدات اس کے تمدن اور اس کے علوم و فنون کی بالائی عمارت تعمیر ہوتی ہے، پیدائش دولت کے مختلف طریقے ہی کسی دور کی ذہنی و سیاسی زندگی کا ہیولیٰ تیار کرتے ہیں۔ انسانیت کے ارتقاء کی اس کے نزدیک یہ صورت ہے کہ پہلے معاشی پیداوار (Production) کے طریقوں میں ایک تبدیلی ہوتی ہے اس کا براہِ راست اثر اسباب زندگی کی تقسیم اور ملکیتی تعلقات پہ پڑتا ہے اور اس سے زندگی کی ساری قدریں از خود بدل جاتی ہیں اور اس طرح ایک نیا نظام وجود میں آتا ہے۔ اب دونوں نظاموں میں ہیگل کے جدلی عمل کی طرح کشمکش شروع ہوتی ہے اور بالآخر وہ صلح پہ آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد دونوں مل کر ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھتے ہیں جس میں تمام صالح اجزاء شامل ہوں ظاہر ہے کہ ایسا نظام پہلے نظاموں سے ہر لحاظ سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی طریق سے انسانیت کا ارتقاء ہو رہا ہے۔

تیسرا مفکر جس نے اپنے طرزِ فکر سے معاشرتی ارتقاء کے نظریہ کو ایک زبردست قوت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فراہم کی وہ ڈارون ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جانداروں کے اندر غیر محدود طور پر بڑھنے، ترقی کرنے اور شکل و صورت میں تغیر کرنے کا ایک قدرتی رجحان پایا جاتا ہے۔ لیکن انواعِ حیوانات کا ارتقاء قدرت کے کسی تعمیری عمل کا رہینِ منت نہیں بلکہ تخریبی عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ حیوانات کی باہمی جنگ، قحط اور موت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ مالتھس کے نظریۂ آبادی پر بغیر سوچے سمجھے ایمان لا کر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ چونکہ جانداروں کی تعداد خوراک اور قیام حیات کی دوسری احتیاجات کی نسبت بہت سرعت سے بڑھتی ہے اس لئے ہر جاندار کو اپنی بقاء کے لیے دوسروں سے مسلسل جنگ کرنا پڑتی ہے۔ ڈارون کائنات کو ایک میدانِ کارزار کی حیثیت سے دیکھتا ہے جس میں ہر آن، ہر طرف زندگی اور بقاء کے لئے طاقتور کمزوروں کو ختم کرنے میں مصروف ہیں لہٰذا جو جاندار اپنے دشمنوں سے بہتر جسمانی طاقتوں کا مالک ہے وہی زندہ رہتا ہے اور اصل میں وہی زندگی کی نعمتوں کا صحیح طور پر مستحق بھی ہے۔ اس بے رحم نظام میں جو فنا ہوتا ہے وہ جرمِ ضعیفی کی فطری سزا پاتا ہے۔ الغرض زمین اور اس کا ماحول اور اس کے وسائل زندگی صرف طاقتور کے وجود کو برداشت کرتے ہیں۔ کمزوروں کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں اور انہیں چاہیئے کہ اس کائنات کو اپنے "ناتوان" وجود سے جلد از جلد پاک کر دیں۔ اس طرح حالات کی مجبوری سے ارتقاء شروع ہوتا ہے اور ایک مسلسل کشمکش کے ذریعہ بلند تر حیوانات پیدا کرتا ہے۔ انسان بھی جد و جہد کی انہی پر پیچ راہوں سے گذرتا ہوا انسانیت کی بلندی تک پہنچا ہے جو کوئی بھی تنازع للبقاء کی بھٹی میں سے کامیابی کے ساتھ گزر جاتا ہے وہ صالح ہے اور کائنات اپنی آغوش صرف اسی کے لئے کھولتی ہے۔

اب ان تینوں مفکرین کے افکار کو جمع کرنے سے معاشرتی ارتقاء کا جو نظریہ وجود میں آتا ہے اس کے بڑے بڑے اصول یہ ہیں۔

۱۔ زندگی میں ارتقاء صرف کشمکش کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

۲۔ اسی کشمکش کے نتیجے میں انسانیت ترقی کرتی ہے۔

۳۔ اس کائنات میں جینے اور ترقی کرنے کا حق صرف اُسی کو ہے جو زیادہ سے زیادہ قوت کا مظاہرہ کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ یہاں اصل مقصد کامیابی ہے خواہ وہ کسی طریقے سے حاصل ہو۔

ہمارے پیشِ نظر اس وقت اس نظریہ کی فکری لغزشوں کی نشاندہی کرنا نہیں بلکہ ہمیں جو کچھ بتانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس طرزِ فکر نے انسان کو انسان بنانے کے بجائے درندہ بنا دیا ہے اور دنیا کو جنت بنانے کی بجائے جہنم بنا ڈالا ہے۔

معاشرتی تصورِ ارتقا کے مضر اثرات: اس کا پہلا اثر جو انسانیت نے قبول کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی مادی ترقی ہی انسانی زندگی کی معراج قرار پائی ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مادی ارتقاء شعور انسانی کی مدد کے لیئے ہے، اس میں از خود تخلیق کی صلاحیت نہیں۔ نفسِ انسانی کی تخلیق کا اصل محرک اندرونی روحانی جذبہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس نظریہ کے حامیوں نے ایک زبردست ٹھوکر کھائی اب جبکہ انسانیت کے ارتقاء سے مراد صرف مادی ارتقاء ہے تو ضروری ہے کہ انسانیت کے مختلف گروہ اور طبقے مادی اسباب کی فراہمی کے لیئے دیوانہ وار جدوجہد کریں اور اس سلسلے میں کسی اخلاقی ضابطے کے پابند نہ ہوں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو خود موت کو دعوت دیں گے۔ اسی طرزِ خیال نے لوگوں کے اندر ایک مستقل خوفزدگی کی کیفیت پیدا کر دی ہے فرد ہو یا قوم سب کے دل پر اسی خونخوار جذبے کا مکمل تسلط دکھائی دیتا ہے اور سب لوگ ایک دوسرے سے خوفزدہ نظر آتے ہیں۔ اس مسلسل خوف نے انسانیت کے اندر نہایت ہی ذلیل خصائص کو ابھار دیا ہے مثلاً خود غرضی، سنگدلی، بخل، تنگ نظری، بدعہدی، خیانت اور ریاکاری۔ عہدِ حاضر کے ماہرینِ نفسیات نے اپنے انکشافات سے اس حقیقت کو ثابت کیا ہے کہ انسان کے وہ اعمال جن کی غائیت اپنی قوت کا اظہار ہے ان کے پیچھے خوف کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ فوجی قوت کی بے جا نمائش، خسروانہ جلال اور غیر مسئول اقتدار کی ہوس سب اسی جذبے کے مختلف مظاہر ہیں۔

دوسرے اس طرزِ خیال نے انسانیت کے مستقبل کو سراسر تاریک کر دیا ہے جو فلسفہ انسانی ایغو (EGO) کے عمل تخلیق کی توجیہہ زمان و مکان کے ذریعے سے کرے وہ انسان کو کائنات کے تو احدود و حدود تو بتا سکتا ہے مگر اس کی بے رحم زنجیروں سے انسان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبھی نجات نہیں دلا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ انسان اپنے مستقبل کے بارے میں روز بروز مایوس ہوتا جا رہا ہے۔ مشہور اطالوی مفکر کروشے (Croce) اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتا ہے:

"انسانیت پر کئی بار یاسیت کی پرچھائیں پڑیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تاریخ انسانی میں بے شمار ادوار ایسے آئے ہیں جب انسان شک اور مایوسی کا شکار ہوا مگر دورِ جدید میں یہ سائے بڑھتے جا رہے ہیں مفکرین یا وہ لوگ جن کی نگاہیں دُور رَس ہوتی ہیں وہ فلسفیانہ اور تاریخی حقائق کی بنا پر یہ پیشگوئی کر رہے ہیں کہ انسانیت کا قافلہ نہائت ہی خطرناک اور مہیب غاروں کی طرف جا رہا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس کائنات میں صرف ایسی قوتیں ہی کارفرما ہیں جو تمام تر خارج میں واقع ہیں اور بندھے ٹکے قوانین کے مطابق مصروفِ عمل ہیں۔ اِن قوتوں کے مقابلہ میں ہم اپنے آپ کو بالکل بے بس پاتے ہیں ہمارے لیے امید کی اگر کوئی جھلک ہے تو صرف یہی کہ ہم خارجی دنیا میں ایسی قوتوں کا پتہ لگائیں جو یا تو بالکل مخالف سمت میں اپنا عمل جاری کریں، یا ان کو شکست دیں یا ان کی کارفرمائی کو کسی طرح روک دیں مگر یہ خیال خام ہے کیونکہ اس میں بھی ہمارا سارا انحصار غیروں پر ہے۔"[1]

تیسرے چونکہ یہ نظریہ جس اساس پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ انسانیت کا ارتقا باہمی کشمکش کی وجہ سے ہو رہا ہے اس لئے انسان میں تعاون کے احساسات ابھرنے کے بجائے مخاصمت اور حسد کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ یہ نظریہ انسانیت کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر تمہیں دنیا میں پھلنا پھولنا ہے تو تمہیں اپنا سب کچھ اس کشمکش میں جھونک دینا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ موجودہ انسان بالکل بے رحم اور سنگدل بن گیا ہے اس کی رو سے اگر کوئی قوی کسی کمزور کو پامال کر کے آگے بڑھتا ہے تو وہ عین فطرت کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے، وہ اپنی صلاحیتوں

---

[1] Croce : Politics and Morals

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے یہ ثابت کر رہا ہے کہ جینے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی کمزور ظلم سہتا ہے اور قوت کے پاؤں تلے روندا جاتا ہے تو وہ اسی ظالمانہ سلوک کا مستحق ہے۔ اس نظریہ نے نہ صرف انسانیت کو جابر اور ظالم بنا دیا ہے بلکہ ہر صاحب قوت کو برحق ثابت کر کے اس نے سرمایہ داری اور استعماریت کے لیے عقلی بنیاد فراہم کر دی ہے لڑنے جھگڑنے کا کام اگرچہ پہلے بھی انسان کرتا رہا ہے مگر پہلے اسے شر سمجھ کر کیا جاتا تھا، اس فلسفہ نے اسے سراسر خیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ پہلے لوگ ظلم کرنے والے کو ظالم سمجھتے تھے مگر اب اسے عادل تصور کیا جاتا ہے، ماکس ایسٹ مین (Max East-Man) نے جو بات تاریخ کی مادی تعبیر کے متعلق کہی ہے وہ درحقیقت معاشرتی ارتقاء کے پورے فلسفہ پر صادق آتی ہے وہ کہتا ہے۔

"اس نظریہ نے مارکسیوں کو اُن کے انسان دوستی کے سارے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود متکبر اور متشدد بنا دیا ہے کیونکہ اس کی بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان ایک سخت اور شدید قسم کی کشمکش کے ذریعے ہی ترقی کرتا ہے یہاں نیکی اور بدی دو مختلف مادی قوتوں کے دو مختلف نام ہیں جن کے مابین جنگ جدال کے نتیجے میں انسان کو مقامِ محمود حاصل ہوتا ہے[1]"

اسی طرح ایک فرانسیسی مصنف (Boris Soyrarine) نے بتایا ہے۔

"انسانیت کا احترام دلوں سے مٹ گیا ہے زندگی اپنی حقیقی قدر و قیمت کھو بیٹھی ہے آج کوئی ظالموں کی بہیمیت کو ختم کرنے کی ہمت نہیں رکھتا، واقعہ یہ ہے کہ درندگی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے"

ایک اور مصنف کینتھ واکر (Kenneth Walker) اپنی کتاب "معنی اور مقصد" (Meaning and Purpose) میں ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"ترشکے (Trietschke) اور برن ہارڈی (Bermhardi) نے

---

[1] (Croce) Politics and Morals

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگ و جدال کی جو عظمت بیان کی ہے وہ ثمرہ ہے ڈارونیت کی الحادی توجیہہ کا۔ انگلستان میں جو نپولین کے قول کے مطابق افواج سے نہیں بلکہ دکانداروں سے آباد ہے۔ انتخاب طبیعی کے تصور نے ایک بدترین معاشی رقابت اور مزدوروں کی طرف سے ایک مجرمانہ تغافل کے لئے وجہ جواز فراہم کی"۔

پھر اس تصور حیات نے لوگوں کے دلوں میں اس خیال کو راسخ کر دیا ہے کہ ہر قسم کی حرکت اور کشمکش، بشرطیکہ وہ مادی اعتبار سے کامیاب ہو، انسانی ارتقاء کی ضمانت ہے۔ اس خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے حق اور انصاف کے بجائے قوت اور طاقت کی پرستش شروع کی اس نے اپنی ذہانت اور طباعی کو ایسے امور دریافت کرنے میں صرف کیا جس سے اس کی قوت اور طاقت میں اضافہ ہو۔ جارحانہ ملوکیت اور ظالمانہ امپیریلزم اسی تصور کے شاخسانے ہیں اس نظریہ نے تاریخ انسانی کے تاریک ترین ابواب کو روشن بنا دیا ہے۔ ہیگلی فلسفے کے ایک مشہور نقاد کروشے (Croce) نے بالکل صحیح کہا ہے:

"اس طرز خیال میں قدامت پرستی، انقلاب انگیزی اور بحالی (Restoration) الغرض سب کے لئے مسند جواز موجود ہے[1]"

اسی طرح ایک دوسرے نقاد نے لکھا ہے۔

"اس نظریہ نے مارکسی مصنفین کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنے آپ کو حق ثابت کریں۔ یہی تصور موجودہ دور میں ظلم و ستم کا سب سے بڑا سبب[2] ہے"

سب سے آخر میں اس طرز فکر نے لوگوں کو مذہب و اخلاق کی اجتماعی حیثیت سے انکار کرنے کا درس دیا۔ اس نے انسانوں کو یہ تعلیم دی کہ ان کا فرض یہی ہے کہ

---

[1] (Croce) What is Living and What is Dead of the Philosophy of Hegel

[2] Max East-Man

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ہمیشہ اپنے بقاء و استحکام اور اصولِ قوت و اقتدار کے لئے کوشاں رہیں۔ چاہے وہ کسی طور حاصل ہو۔ اگر یہ مقصد مذہب و اخلاق کی پیروی سے حاصل ہو تو اسے اختیار کر لیا جائے، مگر اس کے برعکس اگر کامیابی انہیں ترک کرنے سے حاصل ہوتی ہو تو انہیں فی الفور نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ پچھلی چار صدیوں میں "باطل پرست فلارنساوی حکیم" میکیاولی کی تعلیم کو جو قبولِ عام نصیب ہوا اس کی بڑی وجہ یہی نظریہ ہے۔ ڈاکٹر فنک (Funk) اور گوبلز (Goebels) کے مندرجہ ذیل الفاظ اسی فکر کی صحیح طور پر ترجمانی کرتے ہیں:

"ساری قوت اور طاقت کا مقصد صرف ایک ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقے کو استعمال میں لاکر مخالف کو شکست دی جائے۔ ہماری تحریک مذہب کے پیش کردہ اخلاقی قیود سے یکسر آزاد ہے ہر وہ عمل جو استعماریت کے قلعے کو مسمار کرنے کے لئے کیا جائے وہ اخلاقی فعل ہے۔"

یہ ہیں مختصر الفاظ میں مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی اور ان کے انسانی زندگی پر اثرات۔

دورِ حاضر کا انسان آج کل ایک گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے وہ سوچتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ علم و فن کی ترقی کے باوجود مادی سروسامان کی فراوانی کے ہوتے ہوئے بھی دکھی ہے زمین ہر سال اربوں ٹن غلہ اگلتی ہے مگر اس کے باوجود اس کے ابنائے نوع بھوک کا شکار ہیں علم و فنون کے ان گنت سرچشمے جاری ہیں، مگر انسان پھر بھی جاہل ہے۔ بحقیقت یہ ہے کہ انسان نے جس جنت کے لئے تین چار صدیوں کا جانکاہ سفر طے کیا ہے وہ اسے اس کی منزلِ مقصود سے بہت دور لے گیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ایک پیغام میں جو انہوں نے یکم جنوری ۱۹۳۸ء میں سال نو کے موقع پر دیا اس تہذیب الحاد کی ناکامی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا

"دورِ حاضر کو علوم عقلیہ اور سائنس کی عدیم المثال ترقی پر بڑا فخر ہے اور یہ فخر و ناز یقیناً حق بجانب ہے آج زمان و مکان کی پہنائیاں سمٹ رہی ہیں اور انسان نے فطرت کے اسرار کی نقاب کشائی اور تسخیر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے لیکن اس تمام ترقی کے باوجود اس زمانے میں ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت، قومیت، اشتراکیت اور فسطائیت کے نہ جانے کون کون سے نقاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اڑھ سکے ہیں۔ ان نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں قدرِ حریت اور شرفِ انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا ۔

اسی طرح انہوں نے موجودہ انسان کی بے کسی اور بے بسی کا جو واضح الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے، وہ بھی نہایت گہرے غور و فکر کے مستحق ہیں علامہ مرحوم ارشاد فرماتے ہیں۔

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار
عقل کو تابع فرمانِ نظر کر نہ سکا !!

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا !!
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

تہذیبِ الحاد کے عناصر کا تذکرہ کرنے کے بعد ہم اب ان اجتماعی تحریکات کا جائزہ لیں گے، جو اس تہذیب کے سائے میں پروان چڑھی ہیں اور جن سے ہمیں اس وقت سابقہ درپیش ہے۔ یہ تحریکات اگرچہ ناموں کے اعتبار سے مختلف ہیں مگر ان سب میں اسی مادرِ تہذیب کی روح جاری و ساری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

سرمایہ دارانہ جمہوریت

تہذیبِ الحاد کے افق پر جو تحریک سب سے پہلے نمودار ہوئی وہ سرمایہ دارانہ جمہوریت ہے۔ آغاز میں اس کے متعلق لوگ بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا ہوئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرزِ حکومت کے معرضِ وجود میں آتے ہی انہیں اطمینان اور چین کا سانس نصیب ہوگا مگر افسوس کہ توقعات کے یہ سارے خواب اور امیدوں کے یہ خیالی محل کے قلب و نگاہ کو پوری طرح نشاط و آسودگی بخشنے بھی نہ پائے تھے کہ اس کی تلخیوں کا احساس ہونے لگا جب یہ خواب مجاز آشنائے تعبیر ہوا تو اس نے لوگوں کو سکون عطا کرنے کے بجائے ان کا رہا سہا چین بھی لوٹ لیا۔ اس نئی تحریک کے سارے دعووں کے باوجود زندگی ہر آن تلخ ہوتی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے عوام کو قیصریت، پاپائیت اور جاگیرداری کے غلامانہ تسلط سے کسی حد تک آزاد کیا مگر اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار کے خوف سے نہیں بلکہ افلاس کے دیو سے لوگوں کو اس طرح ڈرایا کہ لوگ دہشت زدہ ہو کر از خود اپنے آپ کو "مالکانِ رزق" کی تحویل میں دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ لوگ کمزوروں کی بے بسی سے اسی طرح فائدہ اٹھاتے جس طرح کہ قرونِ وسطیٰ کے شہنشاہ اور جاگیردار اٹھاتے تھے۔ حقوقِ ربانی (Divine Right of Kingship) کے نظریہ کی جگہ معاہدۂ عمرانی (Social Contract) مقبول تو ہوا مگر نظریات کی یہ تبدیلی حالات کو کسی صورت بھی بہتر نہ بنا سکی۔ آج بھی حکومتوں کی زمامِ کار عملاً چند مطلق العنان اشخاص کے ہاتھوں میں ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ دولتمند انسانوں کا ایک مختصر گروہ یہ طاقت رکھتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ملک کے انسانوں کو بلکہ پوری نوعِ انسانی کو اپنے قوت و اقتدار سے بے زبان گلے کی طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس طرف چاہتا ہے ہانکتا چلا جاتا ہے۔ اس طبقے کی قوت و جبروت کے وحشتناک منظر کو بےبس اور دکھی انسانیت آج غمزدہ اور اشکبار آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ مگر اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے کوئی راہ نہیں پاتی، ہیرلڈ لاسکی (H. Laski) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"حریت سے مراد آج آزادئ مطلق نہیں، بلکہ اس کا مطلب قانون کے دائرے میں ایک محدود اختیار ہے، قانون کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ناجائز انتفاع کرنیوالوں کی ایک قلیل جماعت کے مفادات کا تحفظ کرے[1]"

یہاں ہم ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت سے بعض لوگ صرف ایک خاص قسم کی سیاسی ہیئت مراد لیتے ہیں یہ ابلہ فریبی ہے سرمایہ دارانہ جمہوریت ایک مکمل فلسفۂ حیات اور ایک پورا نظامِ زندگی ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے پروفیسر ڈیوئی (Dewey) اپنی کتاب "اخلاقِ جمہوریت (Ethics of Democracy) میں اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

یہ کہنا کہ جمہوریت صرف ایک خاص طرز کی حکومت ہے بالکل اسیطرح ہے جیسے یہ کہا جائے کہ مکان صرف اینٹوں کا مجموعہ ہے یا گرجا ایک ایسی عمارت کا نام ہے جو کلس اور منبر پر مشتمل ہو[2]"

اس تحریک کا رفیع الشان قصر جس بنیاد پہ اٹھایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ملکتی اقتدار کا اصل منبع مشیتِ عامہ (General Will) ہے جو کثرتِ رائے سے متعین ہوتی ہے یہ مشیتِ عامہ سیاہ و سفید کی مالک اور بد اخلاقی کو اخلاق اور ناحق کو حق قرار دینے کی پورے طور پر مجاز ہے۔ اس نظریہ کی ترتیب میں ہابز (Hobbes) لاک (Locke) اور روسو (Rousseau) جیسے متکلمین نے حصہ لیا۔ یہ خیال کہ حکومت عوام کی مرضی کے مطابق

---

[1] The Rise of European Liberalism

[2] Ethics of Democracy

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونی چاہئیے، اتنا پرانا ہے جتنی کہ مدنی الطبع انسان کی عمرانی زندگی کی تاریخ۔ انسان شروع ہی سے اس بات کا متمنی رہا ہے کہ اس پر اس کے حسب منشا حکومت کی جائے۔ جو چیزیں اُسے مرغوب ہیں انہیں قانونی حیثیت دی جائے اور جو اس پر بار ہوں انہیں قانون کے دائرے سے نکال دیا جائے۔ مگر رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ تصور وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا حتیٰ کہ اٹھارویں صدی میں یہ طے پایا کہ مملکت کے پیشِ نظر سب سے بڑا اور اہم مقصد مفادِ عامہ کی حفاظت ہے اور اقتدار کا اصل سرچشمہ حکومت نہیں بلکہ ملک کے عوام ہیں۔ ان مختلف اجزاء کے مرکب سے مملکت کا جو نیا نظریہ تیار ہوا ہے وہ اپنے خصائص کے اعتبار سے سابقہ سارے نظریوں سے مختلف ہے۔ اس کی رو سے محکوم کے سر پر حاکمیت کا تاج رکھا گیا ہے۔ پروفیسر ہرن شا (Hourn Shaw) جمہوریت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"سیاسی نقطۂ نظر سے جمہوریت کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ قوم بحیثیت مجموعی حاکمیت کے فرائض سرانجام دے۔"

اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ جمہوری نظامِ حکومت میں ملک کی آبادی خود اپنی رضامندی سے مملکت کو ایک ایسی قوتِ قاہرہ (Coercive Power) فراہم کر کے دیتی ہے جس کی اطاعت ملک کے سارے عوام کرتے ہیں گورنمنٹ جس کے ہاتھ میں ملک کا انتظام ہوتا ہے وہ عوام کی اجتماعی رضامندی کے تابع ہوتی ہے اور اس کا منصب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی خواہشات کو قانونی جواز فراہم کرے۔

اس نظریہ کی کمزوری کو اصحابِ فکر نے بالکل شروع میں ہی بھانپ لیا تھا حتیٰ کہ روسو (Rousseau) جو اس نظریہ کا سب سے بڑا مؤید تھا، اس نے "معاہدۂ عمرانی" (Social Contract) میں بتایا ہے کہ مملکت کے اس تصور کو چھوٹی ریاستوں[1] میں ہی عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے مگر جہاں مملکت کی حدود پھیلی ہوئی ہوں وہاں یہ طرزِ حکومت کامیابی سے نہیں چل سکتا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس نظریہ کی خامیاں ابھر کر سطح پر آگئیں

---

[1] Social Contract (Book III)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حتیٰ کہ اب جمہوریت کے سب سے بڑے حامی بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ عوامی حاکیت کا تصور محض ایک سراب ہے۔ الفرڈ کابن (Alfred Cobbon) نے بالکل درست کہا ہے۔

"جمہوریت ایک خیالی محبوبہ ہے جو اگرچہ کنواری ہے مگر بانجھ بھی ہے۔"[1]

اس طرزِ حکومت کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت از خود منکشف ہو جاتی ہے کہ جمہوری نظام اگر اپنے اندر افادیت کے کچھ جوہر رکھتا ہے تو وہ اُسی صورت میں نکھرتے ہیں جب عوام انتہائی ایماندار، بے لوث اور بے غرض ہوں۔ جب وہ مفادِ عامہ کے لئے اپنی قیمتی سے قیمتی متاع قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں، جن کی سیرت نہایت پختہ اور بصیرت قابلِ اعتماد ہو جو اتنے عقلمند اور ذہین ہوں کہ بھلے اور برے، حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کریں اور سلطنت کے مفاد کو کسی قیمت پر بھی نقصان پہنچانے پر آمادہ نہ ہو سکیں اس کے ساتھ قوم کے مختلف عناصر ایک عضویہ (Organism) کی طرح مربوط ہونے کے علاوہ اپنی ایک "مشیتِ عامہ" بھی رکھتے ہوں۔ پروفیسر ریمزے میور (Ramsay Muir) کا قول ہے:

"جمہوریت جس اساس پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ لوگ دیانت اور عدل و انصاف کو سب سے عزیز رکھیں۔"[2]

آیئے اب ہم اس نظام کا کسی قدر تفصیلی جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس میں کہاں کہاں خامیاں موجود ہیں؟

مذہب و اخلاق کا خاتمہ: جدید مملکت کی سب سے اہم خصوصیت بلکہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس میں مذہب و اخلاق کی کارفرمائی کو یکسر ختم کر دیا گیا ہے۔ جب تک لوگ اپنی شہری ذمہ داریوں سے کا حقہ عہدہ برآ ہوتے رہیں۔ مملکت ان سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ وہ کسی نظامِ اخلاق کی پابندی کریں۔ مملکت کے اس تصور کو سب سے پہلے

۱؎ Alfred Cobbon : The Crisis of Civilization

۲؎ Muir Peers and Bureaucrats.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میکیاولی نے پیش کیا جس نے سیاست اور مذہب و اخلاق کو الگ الگ رکھنے کی تلقین کی اب سوال یہ ہے اگر افراد اپنی زندگی کے معاملات میں کسی مخصوص ضابطہ کے پابند نہ ہوں تو آخر اس کارزارِ حیات میں کون سے اخلاقی اصول اُن کی رہنمائی کریں۔ اِس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ذاتی نفع کا حصول یا بالفاظِ دیگر مادی نفع کی طلب ہی وہ اصل محرک ہے جو لوگوں کو سرگرمِ عمل کرتا ہے اور اُن کے اندر سعی وطلب کا ولولہ ابھارتا ہے، اسی کی قوت وہ اصل کسوٹی ہے جس پہ اِنسانی افکار و اعمال کی پرکھ کی جاتی ہے۔ اب جبکہ مادّی فوائد و لذائذ کا جمع کرنا زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد قرار پایا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ لوگ زندگی کی تحریصات اور ترغیبات سے متاثر ہوئے بغیر عدل وانصاف کے کٹھن راستہ پہ گامزن رہیں۔ ظاہر ہے کہ جب سارے لوگ اپنی زندگی کی کشتیاں رسل (Russel) کے الفاظ میں تملیکی نشاط (Possessive Happiness) کے سمندر میں کھیتے ہوں تو لازمی طور پر وہ رقابت، خود غرضی اور بے جا تصرف کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں کیونکہ اُن کی شادمانی محض بیرونی اشیاء کی غلام ہوتی ہے اور جب ان چیزوں کے لیے چھین جھپٹ کی جائے تو اس کا نتیجہ ہر لحاظ سے تباہ کن ہوتا ہے۔ جیتنے والوں کے ضمیر پہ چوروں کا تسلط رہتا ہے اور ہارنے والے اپنے نزدیک زندگی کا بہترین انعام کھو بیٹھتے ہیں اس کی وجہ سے قوم مختلف گروہوں میں بٹ جاتی ہے جس میں سے ہر گروہ بااختیار ہونے کا آرزومند ہوتا ہے کیونکہ اسی کے ذریعے وہ دنیاوی فوائد زیادہ سے زیادہ سمیٹ سکتا ہے یہی وہ اصل کمزوری ہے جو موجودہ لادینی ریاست میں پائی جاتی ہے۔ نظری حیثیت سے تو جمہوری ریاست کے ہر فرد کو حاکمیت کے حقوق حاصل ہیں اور کارپردازانِ حکومت ان کے ترجمان ہوتے ہیں مگر عملاً حکومت ایک طبقے کی خواہشات کے مطابق ہی کی جاتی ہے اور اس طرح مملکت کے باشندوں کا ایک طبقہ دوسرے طبقے کو حاکمیت سے یکسر محروم کر کے ان پر اپنی خواہشات مسلط کر دیتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے اور اپنے ہمنوا لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کرے اور مخالفین کو جس قدر ممکن ہو نقصان پہنچایا جائے دورِ جدید میں اس کے اختیار کا دائرہ قرونِ وسطیٰ کے مقابلہ میں بہت زیادہ وسیع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ملک کے سارے معاشی ذرائع اسی مقتدر سے طبقے کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ عدالتیں، پولیس اور مسلح افواج اسی کے اقتدار کی محافظ اور پاسبان ہیں۔ نظام تعلیم اسی کی چاکری اور خدمت گزاری کے لئے لوگوں کے ذہنوں کو ڈھالتا ہے۔ ان حالات میں اگر ملک کے مظلوم طبقے ظلم کے تسلط کے خلاف آواز بلند کر کے اپنے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی لانا چاہیں تو وہ سارے راستے مسدود پاتے ہیں۔ عدالتوں کے دروازے ان کے لئے بند ہیں ملک کے قانون میں اس قسم کی کسی تبدیلی کے لئے گنجائش نہیں ہوتی، پریس اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع ان کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں اور اگر وہ دلو رسی کے سارے آئینی راستوں کو بند پا کر غیر آئینی راستوں کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیئے جائیں تو یہ نام نہاد جمہوریت بدترین ملوکیت سے زیادہ سفاک بن جاتی ہے۔ جس نظام میں قوت و اقتدار کا اصل مدار ذرائع پیداوار کے قبضے پر ہوں وہاں سماج کا مختلف گروہوں میں بٹ جانا ایک فطری امر ہے اس میں جو گروہ طاقتور ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے دوسروں کے حقوق کو پامال کرتا ہے جمہوریت کے ایک بہت بڑے نقاد نے اس نظام کا ذکر کرتے ہوئے بالکل درست کہا ہے۔

> یہ (جمہوریت) ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ امراء کے لئے تو واقعی یہ ایک جنت ہے مگر کمزوروں اور ناداروں کے لئے یہ غلامی کا جال ہے"

سرمایہ دارانہ جمہوریت کا مقصد وحید یہ ہے کہ اقتدار کی باگیں عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں دے دی جائیں مگر یہ عوام جن کو اتنا بڑا اور اہم کام سپرد ہوتا ہے ان کا یہ حال ہے کہ غربت ان کے اندر غور و فکر کی ساری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتی ہے ان میں اتنی بصیرت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے نفع و نقصان کا صحیح طور پہ فیصلہ کر سکیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جانوروں کی طرح اپنے الگ الگ گروہ بنا لیتے ہیں اور پھر بغیر سوچے اپنے اپنے دھڑے کے بااختیار لوگوں کی حمایت کرنا اپنی زندگی کا کمال سمجھتے ہیں ان کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی بلکہ ان کی آواز اُن کے گروہ کی صدائے بازگشت ہوتی ہے۔

پروفیسر ہیرلڈ لاسکی (Laski) اپنی کتاب "جمہوریت کا بحران" (Crisis of Democracy) میں لکھتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"رائے عامہ کا سرچشمہ نہ تو علم ہے اور نہ عقل و فہم بلکہ اسے ہمیشہ اپنے اپنے گروہ کے مفادات جنم دیتے ہیں اسی لئے انتخابات میں فیصلے ایسے عجیب و غریب وجوہ کی بنا پہ کیے جاتے ہیں جن کا کسی طرح بھی علمی تجزیہ (Scientific Analysis) نہیں کیا جاسکتا"

اگر ہم مختلف ممالک کے انتخابات (Elections) کا ایک سرسری سا جائزہ لیں تو یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ لوگ بالعموم کسی کو اپنے آگے لگاتے وقت اُس کے اخلاقی اور ذہنی اوصاف نہیں دیکھتے۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ نعرہ کتنے زور کا لگاتا ہے اور زبان کے استعمال میں کس قدر مطلق العنان ہے۔ وہ انہی لوگوں پر فریفتہ ہوتے ہیں جو اُن کا رُخ حقائق سے موڑ کر انہیں آرزوؤں اور تمناؤں کے پیچھے لے چلیں۔ وہ عقل کی بات بتانے والوں کو اپنا دشمن اور خوش کن باتیں سنانے والوں کو اپنا محسن سمجھتے ہیں۔ وہ اسی شخص کے قدردان ہوتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ "خوشنما ہوائی کرے" ان کے سامنے پیش کرے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کے انتخاب میں پیہم غلطیاں کرتے ہیں مگر نصیحت نہیں پکڑتے وہ اندھی پیروی کے اتنے خوگر ہو جاتے ہیں کہ کوئی خوفناک سے خوفناک سیاسی حادثہ بھی اُن کی آنکھیں نہیں کھول سکتا۔ پھر ان چالاک اور عیار طالع آزماؤں (opportunists) کو منتخب کر لینے کے بعد وہ یہ نہیں سوچتے کہ انہیں اُن کے رہبر کدھر لے جا رہے ہیں" کارلائل (Carlyle) کے ذہن میں غالباً جمہوریت کی یہی کمزوری تھی جب اس نے کہا۔

"جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں اعلیٰ اور نیک خصلت مگر خاموش انسانوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہاں اقتدار لاف زنی کرنے والے دھوکا بازوں کے حصے میں آتا ہے۔"

بلیکی (Blackie) نے متعدد مثالوں سے اسی حقیقت کو ثابت کیا ہے کہ عوام بالعموم یا تو فتنہ انگیز خطیبوں کے بھرّوں میں آجاتے ہیں یا کسی خوشامدی کی چکنی چپڑی باتیں انہیں موہ لیتی ہیں یا سیاسی راہنماؤں کی ظاہری شان و شوکت اُن کی نظروں کو مفتوح کر لیتی ہے، پھر یہ لوگ اپنے اندر اتنی اہلیت اور قوت نہیں پاتے کہ وہ اپنے میں سے کسی بہتر آدمی کا انتخاب کریں اس لئے وہ ملک کی عنانِ اقتدار نا اہل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو سونپ دیتے ہیں۔

اِس کے علاوہ اس دور میں حکومت کی انتظامی مشینری اِس قدر پیچیدہ ہوگئی ہے کہ ایک عام اِنسان اسے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ صنعتی اداروں کے قوانین، بینک کاری (Banking) کے اصول اور ٹسکیک (Mintage) کے مختلف طریقے اتنے مشکل مسائل ہیں کہ ہر کس و ناکس اُن کو جاننے سے قاصر ہے ان کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اِن شعبوں میں خاص طور پر مہارت رکھتے ہوں۔ یہ مہارت اعلیٰ تعلیم کے حصول اور وسیع تجربہ کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے مگر دورِ جدید میں تعلیمی مصارف اس قدر زیادہ ہیں کہ دولتمندوں کے علاوہ کوئی دوسرا اِن کے بار کا متحمل نہیں ہوسکتا اِس لئے غریب تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ سرمایہ دار طبقے کی زندگی کا راز بھی لوگوں کی جہالت میں پنہاں ہے۔ اگر درماندہ طبقوں کے ذہنوں میں فکر و احساس کی لہر بھی پیدا ہوجائیں تو وہ امیروں کے لئے خطرہ کا الارم ہے اس لئے حکمران طبقوں کی ساری کوششیں اس بات پر مرکوز رہتی ہیں کہ وہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جاہل رکھیں یا انہیں ایسی تعلیم دیں جو اُن کے اندر غور و فکر کی صلاحیتوں کو ابھارنے کے بجائے اُن کے ذہنی قویٰ کو یکسر معطل کردیں۔

ہیبر لڈ ہسکی لکھتا ہے۔

اگر علم کی کلید غربا کے ہاتھ میں دے دی جائے تو وہ اس بات کو سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اس نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے جو بغیر کسی منصفانہ اصول کے سماج میں عدمِ مساوات کو روا رکھتا ہے۔ اس لئے تمام وہ حکومتیں جو عدمِ مساوات (Inequality) کی اساس پر قائم ہیں، وہ اپنی قوت لوگوں کی جہالت سے حاصل کرتی ہیں اور اس لئے ملک میں ایسا نظامِ تعلیم رائج کرتی ہیں جو اس غلط اساس کو کم از کم صدمہ پہنچائے لہٰذا تعلیم کا مقصد لوگوں کو علم سے بہرہ ور کرنا نہیں بلکہ سرمایہ داری کو ہر قسم کے حملوں سے محفوظ کرنا ہے[1]۔"

---

[1] Crisis of Democracy.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پریس کی آزادی، ایک فریب: قریب قریب یہی حال پریس کی آزادی کا ہے جمہوریت کے حامیوں کو پریس کی آزادی پر بڑا ناز ہے، مگر اس سے بڑا فریب اور کوئی نہیں ہو سکتا ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اخبار کا اجراء اور اس کا چلانا ایک زرِکثیر کے بغیر ممکن نہیں اس "کاروبار" کو صرف امیر لوگ ہی جاری رکھ سکتے ہیں ان کے پیشِ نظر اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہوتا کہ وہ ہر ممکن ذریعے سے زیادہ سے زیادہ دولت کمائیں اور اپنے مخصوص مفادات (Vested Interests) کی پاسبانی کریں۔ اس کام کے لئے ہر ذلیل سے ذلیل حربہ استعمال کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پریس عوام کی رہنمائی کرنے کے بجائے ایک "جھوٹ اگلنے والا چشمہ" بن جاتا ہے خبروں کو اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ اس سے ایک طبقے کے گنے چنے افراد کو فائدہ پہنچے اس طریق سے قوم کے چند افراد حالات کا ایک خاص رنگ کی عینک سے مطالعہ کرتے ہیں اور اس کو ایک خاص زاویۂ نظر دیتے ہیں اور اس طرح آزادیٔ فکر بالکل ختم ہو جاتی ہے پریس حقائق کو نمایاں کرنے کے بجائے انہیں اس طرح پیش کرتا ہے کہ حقیقت جھوٹ کی بیشمار تہوں کے نیچے دب کر آنکھوں سے یکسر اوجھل ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر انتخابات کے زمانے میں پریس ذہنی فضا کو اتنا متلاطم کر دیتا ہے کہ انسان کے لئے سکون و اطمینان سے ساتھ حالات کو سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب قریب محال ہو جاتا ہے ان حالات میں لوگ ہوش سے زیادہ جوش سے کام لیتے ہیں اور جب اُن کے فکر کے جہاز بے لنگر ہو جاتے ہیں تو پروپیگنڈا کی تند و تیز لہریں ان کو جدھر چاہتی ہیں دھکیل کر لے جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ملک کا حکمران طبقہ پریس کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے بعض پابندیاں براہِ راست ان پہ عائد کرتا ہے۔ خبروں پر سنسر (Sensor) کے پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں تاکہ "درونِ خانہ" جو ظلم و ستم ہو رہا ہے اس کی کسی کو خبر نہ ہو پریس ایکٹ ایسے مذموم قوانین کو حرکت میں لا کر بوقتِ ضرورت نہایت آسانی سے مخالف آواز کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ پھر "اخلاقی" اور "قومی" اور "ملی مفاد" کا بہانہ بنا کر جب جی چاہے کسی مخالف آواز کو بڑی آسانی سے دبایا جا سکتا ہے۔ یہ ہے پریس کی آزادی کی اصل حقیقت۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام نہاد آزادانہ انتخابات: جمہوریت کا جوہر آزادی انتخاب اور آزادی رائے دہی کا متقاضی ہے اور اس نظام کے علمبردار اس کے بڑے گُن گاتے ہیں، اسے انسانیت کی معراج اور عوام کی فتح خیال کیا جاتا ہے مگر حقیقت میں یہ صرف ابلہ فریبی ہے ملک کے سرمایہ دار ہزار قسم کی چالوں کو استعمال میں لاکر لوگوں کو حکومت کے انتظام و انصرام میں حصہ لینے سے روک دیتے ہیں۔ رائے دہی پر بے شمار ایسی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں جن سے کسی مخالف کا منتخب ہو جانا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب ناممکن ہوتا ہے۔

امریکہ ایسے قبلۂ جمہوریت کا یہ حال ہے کہ وہاں کے سیاہ فام باشندوں کو کاغذ پر ویسا ہی حق رائے دہی حاصل ہے جیسا کہ سفید فام باشندوں کو، مگر عمل کی دنیا میں حبشی اس حق سے بالکل محروم ہیں۔ اس بات کا فیصلہ صرف اس ایک چیز سے ہو سکتا ہے کہ پچھلے پچاس سال کے عرصے میں صرف ایک حبشی کانگریس کا ممبر ہو سکا۔ انتخاب کے وقت ان سیاہ فام لوگوں کو رائے دہی کی اہلیت ثابت کرنے کے لئے کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے ہی ایک اکثریت اس حق سے محروم ہو جاتی ہے۔

ایک کتاب جس کا نام ہے "جمہوریت کا گھر سے آغاز ہوتا ہے"

اس میں اس کے مصنف جیننگ پیری (Jenningperry) نے آزادانہ انتخاب کے دعوے کو ناقابل تردید دلائل سے باطل ثابت کیا ہے۔

اس نے بتایا ہے کس طرح سنہ ۱۸۸۹ء سے سنہ ۱۹۰۸ء تک ایک ٹیکس برابر اس مقصد کے لئے لگایا جاتا رہا تاکہ لوگوں کو ووٹ دینے سے روک دیا جائے۔ اس کا جو اثر ہوا وہ جمہوری نظام کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں ریاست کے گورنر کا جب انتخاب ہوا تو بارہ لاکھ ووٹروں میں صرف تین لاکھ بادن ہزار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ووٹ دے سکے۔

پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ووٹروں کے باقاعدہ سودے ہوتے ہیں اور انتخاب کی منڈی کے بعض تھوک فروش بہت بڑے پیمانے پر یہ کاروبار کرتے ہیں۔ ریاست ٹینس سی کے جس انتخاب کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں ایک شخص ، ایڈورڈیل کرمپ' کے متعلق یونائیٹڈ پریس کے نمائندے کا بیان یہ ہے کہ تنہا اِس شخص کے قبضے میں ساٹھ ستر ہزار ووٹ تھے اور اس طرح ریاست کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں اس کی ذات کو بہت بڑا دخل تھا یہ شخص ٹیلیفون پر بیٹھا ووٹوں کے سودے کیا کرتا۔

اسی طرح ایک دوسرا مصنف ریم بے میور (Ramsay Muir) اپنی کتاب " انگلستان میں حکومت کس طرح کی جاتی ہے" (How England is Governed) میں برطانوی نظام انتخاب کو انتہائی غیر منصفانہ غیر اطمینان بخش اور خطرناک سمجھتا ہے

اس کا تجزیہ وہ یوں بیان کرتا ہے۔

" اگر ووٹوں کے استعمال کی حقیقت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے ووٹ محض اس لئے ڈالے نہیں کہ ووٹروں کی پسند کے مطابق صحیح معیاری امیدوار موجود نہیں ملتا ووٹوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ایک معیاری امیدوار کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے " بڑی بلا" کے مقابلے میں "چھوٹی بلا" کے اصول پر نا اہل لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے اور ووٹ ناکام امیدواروں کو دیئے جانے کی وجہ سے بلحاظِ نتیجہ ضائع ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ ملک کا سارا نظام صرف ملک کی ایک تہائی سے کم آبادی پر چلتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ہے۔

اس پر مستزاد یہ ہے کہ ووٹروں کو رشوت دینے کا رواج ملک میں صحیح رائے عامہ کو ابھرنے نہیں دیتا۔ لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہوتا ہے کہ ان کی مدد سے ہی اقتدار کے بھوکے حکومت کے ایوانوں میں داخل ہو سکتے ہیں اس لئے انہیں بہرحال ان کو خریدنا ہے ووٹر اپنے ووٹ دینے یا دوسرے الفاظ میں ضمیر کی آواز کا زیادہ سے زیادہ قیمت پر سودا کرتے ہیں دوسری طرف ووٹ لینے والے بھی اس کی اہمیت کو اچھی طرح جانتے ہیں، انہیں علم ہے کہ یہی وہ "سم سم" ہے جس سے راس رہ کی ساری منزلیں آسانی سے طے ہو جاتی ہیں اور کامرانی و فیروز مندی کے "طلسمی دروازے" خود بخود کھل جاتے ہیں لہٰذا وہ اس گوہر نایاب کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس راز کا پتہ ہوتا ہے کہ برسر اقتدار آنے کے بعد "اس کاروبار" پر لگا ہوا سرمایہ چند دنوں میں ہی کئی گنا ہو جاتا ہے یہی وہ وجہ ہے جس کی بنا پر ہر قسم کی قانونی پابندیوں کے باوجود ووٹوں کی نیلامی ہوتی ہے چنانچہ "امریکہ راز میں" (U.S.A. Confidential) کے مصنفین "جیک لیٹ" (Gacklait) اور لی مارٹی مر (Lee Martimer) نے اس حقیقت کا نہایت ہی جرأت مندی سے اعتراف کیا ہے:

"امریکہ کے عیار سیاستدان سیاہ فام لوگوں کے ووٹ خفیہ پولیس کے دباؤ سے، سزائے موت کے قانون کی تنسیخ کے لالچ سے اور اسی قسم کے دیگر آئینی اقدام کے فریب سے، ہتھیا لیتے ہیں۔"

---

[1] (Antilynch) بل کے لئے اردو میں کوئی موزوں لفظ نہ ملنے کی وجہ سے اس کے مفہوم کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ امریکہ میں لنش کرنا (Lvinch) انصاف کا ایک نرالا طریقہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ عوام جب عدالت کے فیصلے پر مطمئن نہ ہوں یا قانون کی سست رفتار مشینری کو آہستہ چلتے دیکھ کر صبر نہ کر سکیں تو قانون کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیں اور جس شخص کو وہ مجرم سمجھتے ہوں اسے اپنے نزدیک جو منصفانہ سزا چاہیں دے دیں اس طریق انصاف کا وار عموماً حبشیوں پر ہی ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ووٹ صرف زر اور عہدوں کے لالچ سے ہی نہیں بلکہ دوسرے کئی ایک مکروہ طریقوں سے بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس معاملے میں کسی اخلاقی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی اگر ضرورت پیش آجائے تو اقتدار کے سودے حسن کی قیمت پر بھی نہایت بے تکلفی سے چکائے جا سکتے ہیں۔

ان حقائق پر غور کرنے سے ہر صاحب فکر اس حقیقت کو اچھی طرح جان سکتا ہے کہ موجودہ طریق انتخاب اچھے اور قابل آدمیوں کو برسر اقتدار لانے میں سخت ناکام ثابت ہوا ہے دور جدید کے انتخابات، جاہ وحشمت کے پرستاروں کے لئے ایک میدان ہے جس میں وہ اپنی چالاکیوں اور عیاریوں کے پورے کرتب دکھا سکتے ہیں۔ 'جیک لیٹ' JACKLAIT لکھتا ہے:

> "تاریخ نے بارہا اس حقیقت کو ثابت کیا ہے کہ اقتدار کے بھوکے افراد نہایت ہی خوفناک درندے ثابت ہوئے ہیں۔ اقتدار زیر زمین بارودی سرنگ (Dynamite) ہے۔ جو اس کی زد میں آتا ہے برباد ہو جاتا ہے[1]"

لوگوں کی بدنصیبی انتخابات کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کے اختتام پر ظلم وستم کا آغاز ہوتا ہے۔ قوت حاصل ہو جانے کے بعد اقتدار کے حریص ان سب وعدوں کو فراموش کر دیتے ہیں جن کے دام میں پھنسا کر انہوں نے لوگوں سے ووٹ حاصل کئے تھے جو لوگ ان کے اقتدار کی گاڑی کھینچ کر حکومت کے ایوانوں تک لے جاتے ہیں اُن پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ان کی جیبیں مختلف حیلوں اور بہانوں سے کاٹی جاتی ہیں تاکہ ان کی تجوریاں بھری جائیں لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ آزادی انتخاب ایک زبردست دھوکا ہے تو اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ آزادی صرف ان چند خوش نصیبوں کے لئے ہے جن کے پاس دولت ہے۔ یہ اتنے زبردست شواہد

---

[1] (U.S.A. Confidential)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ کوئی صاحب بصیرت اور صاحب ضمیر ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ برطانیہ کے ایک مشہور وزیر سر سٹیفورڈ کرپس نے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

"انتخاب کے مروجہ طریقوں میں بے شمار نقائص ہیں اور یہ نقائص نتیجہ ہیں اس برتری کا جو اصحاب ثروت کو غرباء کے مقابلے میں نصیب ہوتی ہے"

تہذیب الحاد کی یہ "دختر نیک اختر" اپنے مزاج کے اعتبار سے اتنی ضدی اور عمل کے لحاظ سے اس قدر سست واقع ہوئی ہے کہ "آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک" اس کے جانثاروں میں اوّل تو کوئی نیک اور شریف انسان اگلی صفوں میں آ ہی نہیں سکتا اور اگر وہ بیچارہ کسی طرح آ ہی جائے تو وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ اپنے تیئں خارجی قوتوں کا بازیچہ تصور کرتا ہے۔ زمانے کی آندھیاں اسے کبھی ایک طرف اڑا لے جاتی ہیں اور کبھی دوسری طرف، اسے اتنی آزادی نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اخلاقی معیار اور اپنے فکر و نظر کے ایقان سے حالات اور واقعات کو جانچ سکے وہ ہمیشہ دوسروں کی رائے کا پابند ہوتا ہے۔ سیاست کے اس پورے ناٹک میں اُس کی ساری دلچسپیاں صرف اسی قدر ہیں کہ اس کی اپنی ذات کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے جب حالات یہ ہوں تو کسی جرأت مندانہ اور مؤثر قدم کا اٹھانا محال ہے۔ اگر چند "سر پھرے" اس طرف متوجہ بھی ہوں تو سوائے ناکامی کے انہیں کچھ نصیب نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ جن میں نہ تو کوئی باطنی ہم آہنگی ہو اور نہ اشتراک احساس، اُن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ عمل کے تنوع میں کوئی متحد کرنے والا نقطۂ حقیقت پالیں گے اور جب تک اس نقطے کو تلاش نہیں کر لیا جاتا کسی اساسی تبدیلی کا لے آنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

بنیادی تبدیلیوں کا تو ذکر ہی کیا کسی قانون میں معمولی ترمیم بھی بڑا صبر آزما کام ہے۔ اس راستہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ متصادم طاقتوں کی منظم مخالفت کے علی الرغم رائے عامہ کو اس کے لئے تیار کیا جائے پھر لوگ اس کے لئے ایک مسلسل اور پیہم جدوجہد کریں تب کہیں ممکن ہے کہ یہ مطالبہ "اصحاب اقتدار" سے شرف قبولیت حاصل کرے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس میں ان کے مفادات کو کوئی آنچ نہ آئے۔ اگر بالفرض رائے عامہ کے شدید دباؤ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تحت یہ لوگ اس کو ماننے پر مجبور بھی ہو جائیں، تو پھر اس میں اس قدر تصرف کر لیا جاتا ہے کہ ترمیم بالکل بے سود ہو جاتی ہے۔ جمہوری ممالک کی تاریخ اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے ہم یہاں انگلستان کے صرف ایک قانون کی تنسیخ کا تذکرہ کرتے ہیں اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی کسی ضروری ترمیم کو پاس کرا لینا کس قدر جان جوکھوں کا کام ہے۔

• اہل انگلستان نے نپولین کے ساتھ جنگ کے خاتمے پر غلے کی درآمد بند کر دی۔ اس کا مقصد زمینداروں اور جاگیرداروں کو فائدہ پہنچانا تھا مگر اس کے ساتھ ہی غریبوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ وہ اس ہوش رُبا گرانی کی تاب نہ لا کر مجبور ہو گئے کہ اس قسم کے ظالمانہ اور غیر دانشمندانہ قانون کی تنسیخ کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے اس کو حکومت کے سامنے پیش کیا مگر چونکہ ملک میں غلبہ و اقتدار جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کو حاصل تھا اور پارلیمنٹ پر بھی وہی چھائے ہوئے تھے، اس لیے عوام کی چیخ و پکار کے باوجود حکومت کی بارگاہ میں اُن کی کوئی شنوائی نہ ہو سکی بلکہ اس کے برعکس ان "شر پسندوں" کو دبانے کے لئے مختلف قوانین وضع کئے گئے اس تحریک کے سربراہ کاروں پر مقدمے چلائے گئے۔ ہیبس کارپس ایکٹ (Habeas Corpus Act) معطل کر دیا گیا۔ اس سے حکومت کے کارندوں کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ جتنی مدت چاہیں کسی کو قید و بند میں رکھیں۔ اس کے علاوہ چھ اور قوانین پاس کیے گئے جن کی رُو سے پمفلٹوں پر ایک بھاری ڈیوٹی عائد کی گئی اور یہ طے پایا کہ کوئی جلسہ بغیر صدر بلدیہ کی اجازت کے منعقد نہیں کیا جا سکتا۔ مظلوم عوام کئی سال تک اِن قوانین کو بدلنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ پیل (Peel) جو اس وقت وزیر اعظم تھا وہ بھی باوجود پوری سعی کے اس میں ناکام ہوا کیونکہ وہ مفاد پرست اکثریت کی حمایت نہ حاصل کر سکا۔ بالآخر مدتِ دراز کی جد و جہد کے بعد یہ قوانین منسوخ کئے گئے۔[1]

---

[1] Warner and Hartin the Ground-work of British History

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح ایک ایک فیکٹری ایکٹ (Factory Act) پاس کرانے کے لئے مزدوروں کو بیشمار قربانیاں دینی پڑیں دور نہ جائیے اپنے ملک میں ہی دیکھئے کہ معمولی معمولی ناانصافیوں کو دور کرنے کے لئے کسقدر اجتماعی احتجاج کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے باوجود کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔

فرد کی آزادی کا دعویٰ باطل: سرمایہ دارانہ جمہوریت کا ایک اور دعوٰے یہ ہے کہ اس میں فرد کو آزادی حاصل ہے مگر یہ دعویٰ بھی اتنا ہی باطل ہے جتنے کہ دوسرے دعاوی آزادیٔ رائے اسی وقت تک قابل برداشت ہے جب تک کہ یہ حکمراں طبقے کے مفاد کے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہو، مگر جونہی یہ اس پہ اثر انداز ہونا شروع ہوتی ہے اُسی وقت اس کی حدود ختم ہوجاتی ہیں۔ امریکہ جو جمہوریت کا سب سے بڑا دعویدار ہے وہاں ۱۹۴۶ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا مقصد امریکہ دشمن عناصر[1] (Un-American Elements) سے ملک کو پاک کرنا تھا۔ نیو یارک ٹائمز اس کمیٹی کی کارگزاریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"سول سروس کمیشن کی جگہ اب ایک وفاقی محکمۂ تفتیش (Federal Bureau of Investigation) قائم کیا گیا ہے۔ یہ اقدام نہایت ہی خطرناک ہے اس سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ U.S.A. پولیس اسٹیٹ میں تبدیل ہو جائیگی۔ اس لئے یہ کارروائی بالکل تخریبی ہے"

اسی طرح ۱۹۴۷ء میں صدر ٹرومین نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس پر بلغیر کسی ادنیٰ تامل کے عملدر آمد شروع ہوگیا۔ اس کی رو سے تمام ملازمین کی تفتیش کی گئی اور تمام تخریب پسند عناصر چھانٹ کر الگ کر دیئیے گئے۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ تمام وہ اشخاص جو اس آزمائش سے گذرے اُن کی مجموعی تعداد ۰۰۰ر۲۳ تھی جس شخص کے متعلق "دشمنی[1]" کا معمولی شبہ بھی ہوا اُسے نہ صرف یہ کہ وسائلِ رزق سے محروم کر دیا گیا

---

[1] "تخریب پسندی" اور "وطن دشمنی" وہ ترقی پسندانہ اصطلاحیں ہیں جو تہذیب الحاد کے "کارخانہ تکفیر" سے ڈھل کر آئی ہیں۔ ان کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ اقتدار کے ہر مخالف پر انہیں آسانی سے چپکایا جاسکتا ہے تہذیب جدید کے "مشائخ" ان کو موقع و محل کے مطابق اچھی طرح استعمال کرتے ہیں اور ان سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ اُسے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

ان تصریحات کے بعد یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جمہوری نظاموں میں کوئی اساسی تبدیلی تو کیا کوئی معمولی سے معمولی تبدیلی لانا بھی بڑا ہی مشکل کام ہے۔

آزاد عدالتوں کا حال: جمہوریت کے بعض پجاریوں کو کبھی کبھی یہ کہتے بھی سنا گیا ہے کہ چلئے یہ ساری باتیں کسی حد تک درست ہی سہی مگر اس نظام میں اتنی گنجائش تو موجود ہے کہ مظلوم جب چاہیں مملکت کی "آزاد عدالتوں" کی طرف رجوع کر کے انصاف حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کی مدد سے ظالموں کو سزا دی جاتی ہے اور مستحقین کو ان کے حقوق لوٹائے جاتے ہم نہیں کہہ سکتے کہ جو لوگ نظامِ سرمایہ داری میں عدالتوں سے اس قسم کی توقعات وابستہ کرتے ہیں وہ فریبِ نفس میں مبتلا ہیں یا فریبِ نظر کا شکار ہیں، لیکن اتنی بات ہر معمولی سے معمولی انسان بھی جانتا ہے کہ جب "مناصب کے چاہنے والے" یہ عہدے ایک مخصوص طبقے کے "فیضانِ کرم" سے حاصل کرتے ہوں تو پھر عدالت کی کرسیوں پر براجمان ہونے کے بعد وہ اپنے "آقائے ولی نعمت" کو کس طرح بھول سکتے ہیں۔ خاص طور پر ان حالات میں جبکہ انہیں اس بات کا پوری طرح علم ہو کہ اُن کا ان عہدوں پر فائز رہنا اور ترقی کرنا انہی کی "ذاتِ گرامی" سے وابستہ ہے۔ اگر بالفرض سو میں سے بلکہ ہزار میں سے ایک آدھ "سرپھرا" اپنے ضمیر اور ایمان کے تقاضوں سے مجبور ہو کر حکمران طبقے کے خلاف کوئی فیصلہ دینے کی جسارت کر بھی گزرتا ہے تو قانون کے بندھن اس کا ہاتھ روک لیتے ہیں۔ ملک کا مروجہ قانون اس بنیاد پر مدوّن کیا جاتا ہے کہ ملک کے "اہلِ ثروت" ہر لحاظ سے محفوظ رہیں۔ ہیرلڈ لاسکی اپنی کتاب "جمہوریت کا بحران" میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ملک کا دستور ابدی اور غیر متغیر قوانین پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ یہ نام ہے چند ایسے ضوابط کا جن کو وقتاً فوقتاً وقتی مصالح کے پیشِ نظر بدل دیا جائے قانون کا تانا بانا تیار کرتے وقت چند مخصوص مقاصد ہی پیشِ نظر ہوتے ہیں ججوں کے ہاتھ میں یہ اختیارات نہیں ہوتے کہ وہ خود قوانین وضع کریں اور پھر ان کے مطابق فیصلے دیں۔ ان کا فرض صرف یہی ہے کہ وہ رائج الوقت قوانین کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالات پر منطبق کرکے فیصلہ صادر کریں جج بیچارے ایسا کرنے پر مجبور ہیں وہ ہر روز
اپنی آنکھوں سے ظلم ہوتا دیکھتے ہیں مگر اف تک نہیں کر سکتے۔ اُن کے قلم ہر صبح
ہر شام اُن کی بے بسی اور مجبوری کی چغلی کھاتے ہیں۔ وہ با اختیار ہونے کے
باوجود بے اختیار ہوتے ہیں[1]"

اس سلسلے میں اس حقیقت کو بھی فراموش کر دیا جاتا ہے کہ جج بالعموم ملک کے
با اثر طبقے سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ ایک خاص ماحول میں اُن کی پرورش ہوتی ہے
اس وجہ سے اُن کی ذہنی ساخت کچھ اس قسم کی ہو جاتی ہے کہ فیصلے دیتے وقت وہ شعوری
یا غیر شعوری طور پر اپنے ہی طبقے کے لوگوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ "قرطاس" پر لکھا ہوا
قانون بیشک امیر اور غریب کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتا مگر عمل کے اعتبار سے ان دونوں
میں عظیم فرق ہے۔ اگر کسی کو اس کا اندازہ کرنا مقصود ہو تو وہ عدالتوں میں جاکر اپنی آنکھوں سے
دیکھ لے کہ ایک ہی قسم کے مجرموں میں محض دنیوی مراتب کے فرق کی وجہ سے قانون کے اندر کتنی
لچک پیدا ہو جاتی ہے۔

ججوں کے فیصلوں پر صرف اُن کے ذاتی میلانات ہی اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات
دولت کا لالچ بھی ان کو "راہِ حق" سے پھیر دیتا ہے۔ ایک ایسا سماج جس میں دنیاوی جاہ و جلال
اور مادی فوائد و لذائذ زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھے جاتے ہوں وہاں ہر فرد کے دل میں
اُن کے حاصل کرنے کی خواہش کا موجزن ہونا ایک قدرتی بات ہے جج اس سے مستثنیٰ
نہیں۔ اس لیے وہ محض حقیر فائدوں کے لئے کئی بے گناہ لوگوں کو اُن کے جائز حقوق سے محروم
کر دیتے ہیں۔ وسکونٹ برائس (Viscount Bryce) اپنی شہرۂ آفاق کتاب
"جدید جمہوریتیں" (Modern Democracies) میں لکھتا ہے۔

"بد اخلاقی کے سارے مظاہر میں سے عدلیہ کی بد دیانتی سب سے زیادہ
نفرت انگیز ہے۔ کیونکہ یہی وہ سب سے مؤثر ذریعہ ہے جس کی وساطت

---

[1] H. Laski : The Crisis of Democracy

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے امیر غریب کے حقوق پر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ فرانسیسیوں کو اپنی عدالتوں پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ امریکہ میں بعض بنچوں پر ایسے جج موجود ہیں جن کے انتخاب میں یا تو سیاستدانوں کا دخل ہے یا بڑے بڑے صنعتی ادارس کا بعض شہروں میں وکلاء بھی عدالتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ ججوں کی رائے کے بدلنے کے طریقوں میں بھی اچھی خاصی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اب رشوت ستانی کے ایسے عمدہ طریقے نکل آئے ہیں جن پر کسی کو کوئی شک نہیں ہوتا۔ لوگ اب ججوں کے سامنے سونے اور چاندی کے ڈھیر نہیں لگاتے بلکہ ان کو صرف اتنی اطلاع دینا کافی ہے کہ اگر وہ بعض مقدمات کا فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق کر دیں تو فلاں فلاں کمپنی میں انہیں بغیر سرمایہ لگائے اتنے حصص کا مالک بنا دیا جائیگا[1]۔"

عدلیہ کا انتظامیہ سے آزاد ہونا بھی صرف ایک ڈھونگ ہے۔ اس دور میں جب کہ حکومتیں اپنی انتظامی مشینری کو بڑی سرعت کے ساتھ مرکزیت (Concentration) کی طرف لے جا رہی ہوں کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ کسی ملک میں عدلیہ کا شعبہ یکسر آزاد ہوگا۔ ججوں کا انتخاب عوام کے نمائندوں کی ایک مجلس کے سپرد ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان کی آراء پر ہر وقت اثر انداز ہوتے رہتے ہیں بے ضمیر مفاد پرست سیاسیین کا یہ ٹولہ جب کسی جج کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں پاتا تو رائے عامہ کو فوراً اس کے خلاف ابھار دیتا ہے اس طرح جج بیچارہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے کہ یا تو اُن کی بات مان لے یا عدالت کی کرسی خالی کر دے۔ لہٰذا وہ اپنی عافیت اسی میں سمجھتا ہے کہ "بڑی سرکار" سے جو "اطلاع" پائے اسی کے مطابق بلا چون چرا فیصلہ دے دے[2]۔

---

[1] (Modern Democracies) (Viscount Bryce)

[2] دو سال پیشتر امریکہ میں روزن برگ (ROSEN BERGS) اور اس کی رفیقۂ حیات کو عدالت نے جس جاسوسی کے تحت موت کا حکم سنایا وہ عدلیہ کی آزادی کے (باقی حاشیہ برصفحہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پبلک کے نمائندوں کی بے جا دخل اندازی نے جس طرح انگلستان کی انتظامی مشینری کو برباد کیا ہے۔ اس کا رونا روتے ہوئے جی۔ ایلس۔ بارکر (Gellis Barker) کہتا ہے۔

"انگلستان اب ایک وسیع کاروبار ہے جس کو چند ناآموز اور جھگڑالو منتظمین اپنی اپنی خواہشات کے مطابق چلا رہے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی ایسا انسان نہیں رہا جو ان بے علم اور ناتجربہ کار لوگوں کی راہنمائی کر سکے انہیں لوگوں کے کام سے کوئی غرض نہیں بلکہ ان کی ساری دلچسپیاں صرف اسی ایک بات پر مرکوز ہیں کہ کسی نہ کسی طرح وہ ان عہدوں پر قابض رہیں[1]۔

پھر انصاف کوئی ایسی ارزاں شے نہیں جس کو خریدنے کی ہر کس و ناکس میں طاقت ہو "اقتدار کی اس منڈی" (Power Market) میں سب سے قیمتی چیز بھی عدل ہے اس لیے صرف وہی لوگ اسے حاصل کر سکتے ہیں جن کی جیبیں ڈالروں سے پر ہوں اس کے ساتھ ہی "انصاف کے طلبگار" کو اتنی آزمائشوں میں سے گزرنا پڑتا ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ غریب اور نادار لوگ سخت سے سخت مظالم کو برداشت کر لیتے ہیں انہیں سخت سے سخت بے انصافی گوارا ہوتی ہے مگر وہ اپنے اندر یہ طاقت نہیں رکھتے کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔

---

[1] (Heamshaw : Democracy on the Crossways)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) پر دے کو چاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان بے چاروں کو محض حکمراں طبقہ کے ایما پر ختم کیا گیا۔ جیوری کے ایک ممتاز رکن وارڈ جیوٹ (Gouitt) نے اس حقیقت کا اعتراف کھلے بندوں کیا ہے کہ اس سزا کے لئے شہادتیں ناکافی ہیں۔ مگر چونکہ حکمران طبقہ ان کے خون سے ہاتھ رنگنے پر تلا ہوا تھا اس لئے کوئی تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی حتیٰ کہ جب جسٹس ڈگلس (Dougles) نے وکیل کے کمزور ہونے کی وجہ سے دوبارہ مقدمہ چلانے کی اجازت دینا چاہی تو جمہوریت کے پرستاروں نے سخت واویلا کیا اور جج کو مواخذہ (Inpeachment) کی دھمکی بھی دی مرنے والے مر گئے مگر ان کی موت سے جمہوریت کے سارے طلسم بانگ دہلوں کی اصلیت دنیا پہ آشکارا ہو گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے جمہوریت کی اصلیت۔ حقائق اگرچہ بڑے ہی تلخ ہیں مگر وہ اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ "محض" پراپیگنڈہ" کا لفظ استعمال کرکے انہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا جہاں جہاں لوگ اس نظام کے اندر زندگی گزار رہے ہیں وہ اس کی تلخیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں ممکن ہے کہ ہر ملک میں حالات ایک جیسے نہ ہوں، مگر فرق جو کچھ ہے وہ مدارج کا ہے نوعیت کا نہیں اس بُت کے پرستار بعض واقعات کی تردید کر سکتے ہیں مگر وہ اس ظالمانہ ماحول کا انکار نہیں کر سکتے جس کو اِن واقعات نے مل کر پیدا کیا ہے۔ کسی ایک واقعہ کی توجیہہ کی جا سکتی ہے مگر اس ظلم کی کیا توجیہہ ہو سکتی ہے جس سے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسان دوچار ہیں کون نہیں جانتا کہ آج بھی پندار اور غرور نے الوہیت و خدائی کی اسی صورت کو اختیار کر رکھا ہے جو نمرود کا خاصہ تھا۔ آج بھی قوم، وطن اور "مفادِ عامہ" کے نام پر انسانی خواہشات اور آرزوؤں کے صنم خانے آباد ہیں نام کے تبدیل کر دینے سے دکھ دور نہیں ہوتے، اس کے لئے انسان کے فکر و نگاہ کے زاویوں میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

سرمایہ دارانہ جمہوریت کا معاشی پہلو

مغرب میں جمہوریت کے ساتھ جو نظامِ معیشت پروان چڑھا اسے ہم سرمایہ دارانہ نظام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ معاشیات کے بہت سے اساتذہ نے اپنے قیمتی لمحات اور صلاحیتوں کو صرف اسکی تاریخِ ولادت معلوم کرنے میں صَرف کیا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ یہ صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) کی پیداوار ہے۔ اس لئے اس کی پیدائش اٹھارویں صدی کے آخر میں ہوئی اس کے برعکس دوسرے گروہ کا دعویٰ یہ ہے کہ اگرچہ اس "طفلِ شر بر" کے بالغ ہونے کا زمانہ انیسویں صدی ہے مگر اس کی پیدائش قرونِ وسطیٰ کے جاگیردارانہ نظام میں ہو چکی تھی۔

جب ہم اس ساری بحث کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ سب کچھ عبث اور بیکار نظر آتا ہے۔ نظام ہائے حیات افراد کی طرح دنیا میں جنم نہیں لیتے بلکہ ان کا بر وز و ارتقاء درخت کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی فنا و بقا کے قوانین بھی مختلف ہیں چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق بھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ فلاں سنہ میں میں پیدا ہوا۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ "مادیت پرستی" کا یہ "طفلِ شریر" انیسویں صدی میں اپنے شباب کو پہنچا۔ ایک المانوی عالم فرڈر سٹرن برگ (Sternberg) اسی خیال کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے۔

" سرمایہ دارانہ نظام کو موجودہ حالت پر پہنچنے کے صدہا سال لگے اس کے ارتقاء کی رفتار پہلے سست تھی مگر انیسویں صدی کے آخر سے لے کر پہلی جنگِ عظیم تک اس نظام نے اتنی حیرت انگیز ترقی کی کہ اس کا تسلط ساری دنیا پہ قائم ہو گیا[1] "

[1] Capitalism and Socialism on Trial.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت ہمارے پیش نظر اس نظام کی ارتقائی منازل کی نشان دہی نہیں بلکہ ہمارا مقصد صرف اس کی موجودہ حالت کا جائزہ لینا ہے۔ آج کل سرمایہ داری کی اصطلاح کسی ایسے نظام کے لئے استعمال کی جاتی ہے جس میں پیدائش دولت کے آلات و وسائل افراد کی ذاتی ملکیت ہوں اور جو اشیاء پیدا کی جائیں ان کی تقسیم کا کام بھی انہی کے ہاتھوں انجام پائے اس کے علاوہ لوگوں کی معاشی جدوجہد ہر قسم کی اخلاقی قیود سے آزاد ہو۔

آگے بڑھنے سے پیشتر ہم یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا نہایت ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اس نظام کو صرف ایک خاص قسم کی معاشی ہئیت خیال کرتے ہیں مگر یہ ایک شدید غلط فہمی ہے جس کا شکار بعض بڑے بڑے تعلیم یافتہ آدمی بھی ہیں یہ پورا ایک فلسفۂ زندگی اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ ایک دین ہے جس نے اپنے مخصوص مزاج کے مطابق پچھلے سو سال میں نہ صرف یورپی زندگی کو بلکہ پوری دنیا کو متاثر کیا۔

نظام سرمایہ داری کی بنیادیں: سب سے پہلے ہم اس نظام کی بنیادوں کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ اس نظام کی خشتِ اول جس پہ اس کی بنیاد رکھی گئی ہے یہ ہے کہ افراد کو شخصی ملکیت کا غیر محدود حق حاصل ہے اس میں لوگوں کو نہ صرف روزمرہ کے استعمال کی اشیاء رکھنے کی آزادی ہے بلکہ وہ اس امر میں بھی آزاد ہیں کہ آلات و وسائل کی پیدائش سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھائیں وہ جو کام چاہیں کریں جہاں ان کا جی چاہے کارخانے لگائیں جس چیز سے انہیں نفع کی توقع ہو پیدا کریں اور جس قیمت پر اور جن طریقوں سے اپنا مال بیچنا چاہیں بیچیں۔ ان سارے معاملات میں اُن پہ کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے۔ نفع کی صورت میں انہیں جو کچھ حاصل ہو وہ اسے بلا شرکتِ غیرے اپنے مصرف میں لے آئیں۔ اسی طرح نقصان کا بوجھ بھی وہ تنہا برداشت کرنے پر آمادہ ہوں سماج کو اس بات کا کوئی حق نہیں کہ وہ کسی کے کام میں مداخلت کرے نظام سرمایہ داری یہ حقوق لوگوں کو اس لئے دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کسب و ہنر کے نتائج اپنی انتہائی وسعتوں کے ساتھ صرف اسی صورت میں رونما ہوتے ہیں جب ان کے لئے کوئی جذبہ یا کشش موجود ہو۔ یہ چیز انسان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرشت میں داخل ہے کہ وہ اپنی محنت کے حاصل کا خود مالک اور مختار ہونا چاہتا ہے۔ وہ اپنی مساعی کی پیداوار کو "میری" کہنا چاہتا ہے۔ دراصل ملکیت کی خواہش ہی ایک ایسی آنند ہے جس کو پورا کرنے کے لئے جد و جہد کی جاتی ہے۔

(۲) انسان کی اس خواہش کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اپنی ذات کے لئے کوشش کرے اور اس سعی کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہو وہ اس کا مالک بنے۔ یہی ایک جذبہ انسانی کوششوں کا اصلی محرک ہے۔ اس کارگہ حیات میں جتنی رونق ہے وہ اسی کے دم قدم سے ہے۔ معیشت کے دائرے میں جسقدر تگ و دو ہے سب فانی نفع کے حصول کے لئے ہے۔ نبضِ حیات میں تموّج ہے تو اسی کی وجہ سے اور نظامِ عالم کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑ رہا ہے تو اسی کی حرارت سے۔ ذہنِ انسانی سے اگر یہ جذبہ نکل جائے تو ہنگاموں اور شورشوں کی پُر شوکت دنیا راہبوں کی جھونپڑی اور سنیاسیوں کی کٹیا بن جائے۔ لہٰذا انسانی ترقی کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ مادی نفع حاصل کرنے کے لئے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ اس کی کوششوں کا اصل مقصود یہ ہونا چاہیئے کہ وہ چھین جھپٹ کے لئے بھرپور ہاتھ مارے اور اپنی حاصل کی ہوئی دولت میں کم سے کم لوگوں کو شریک ہونے کا موقع دے۔ جب وہ آجر ہو تو اس کی نگاہیں کثیر تنخواہ پر مرتکز ہوں اور متاجر ہونے کی شکل میں اُس کا گوہر مراد زیادہ سے زیادہ نفع کا حصول ہو۔

(۳) اس نظام کا تیسرا اصول مسابقت ہے۔ یہ مسابقت نہ صرف مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان پائی جاتی ہے بلکہ ایک ہی طبقہ اور ایک ہی گروہ کے مختلف افراد میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ جہد للبقا (Struggle for Existence) کی کوکھ سے نکلی ہوئی اس ڈائن نے ایک ملک کو ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو تاخت و تاراج کیا ہے مگر اس کے سحر کا کمال یہ ہے کہ لوگ تباہی کے عمیق غاروں کی طرف لڑھکتے ہوئے بھی یہی محسوس کرتے ہیں کہ وہ ترقی کے بام بلند پر جا رہے ہیں۔ نظام سرمایہ داری کے حامیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مسابقت نہ صرف بے قید معیشت میں اعتدال پیدا کرتی ہے بلکہ یہ کثیر پیداواری اور زود پیداواری کا سب سے بڑا محرک بھی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو لوگوں کو ایجاد و اختراع پر ابھارتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر سلگ مین (Sellg Man) مسابقت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"جس طرح حیاتیات میں مسابقت ترقی کی ضامن ہے اسی طرح معاشی رقابت سے ہی سماج کی فلاح وابستہ ہے۔ اسی سے سرمایہ میں اضافہ ہوتا ہے اور جب یہ جذبہ ذاتی ملکیت کی رہنمائی میں اپنا عمل شروع کرتا ہے تو یہ ترقی کے لئے سب سے بڑا محرک ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ ہم اشیاء سے زیادہ سے زیادہ کام لیتے ہیں یہ جذبہ سماج کا سب سے بڑا پاسبان اور محافظ ہے یہ صارفین (Consumers) کو نفع اندوزوں کی دست برد سے بچاتا ہے۔ افراد کے اندر استعدادِ کار پیدا کرتا ہے اور سماج اور فرد کے مفادات کو ہم آہنگ اور ہم رنگ بناتا ہے[لہ]"

(۴) اس نظام کا چوتھا اصول یہ ہے کہ اجیر اور مستاجر کے حقوق میں بنیادی فرق ہے اور اسے ملحوظ رکھ کر ہی اُن کے باہمی مسائل کو طے کیا جا سکتا ہے۔ اس سے پورا سماج دو ایسے طبقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جن کی باہمی کشمکش سے ہی انسانیت ترقی کرتی ہے ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو ذرائع پیداوار کا مالک ہے اور دوسرا گروہ محنت کو فروخت کرنے والوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلا طبقہ اپنی ذمہ داری پر اوّل سے آخر تک اشیاء کی پیدائش کرتا ہے اور نفع کی صورت میں پوری دولت خود سمیٹتا ہے۔ اس کے برعکس جب نقصان ہو تو اس کا بوجھ بھی اُسے اکیلے ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مزدور پر کسی قسم کی آنچ نہیں آتی۔ یہی وہ اصل بنیاد ہے جس پر سرمایہ دار نہایت ظالمانہ اور سنگدلانہ کارروائیوں کو مبنی بر انصاف سمجھتا ہے۔ اس بے انصافی کو جائز ثابت کرنے کے لئے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر کسی آفت کے وقت سرمایہ دار پورا نقصان خود برداشت کرتا ہے اور اس میں وہ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا تو اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اس سے بچنے کے لئے مزدوروں کا جس قدر خون چاہے نچوڑے۔

لہ Principles of Economics (Book III)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِس طرزِ فکر نے سماج کے اِن دو طبقوں کے درمیان اختلاف کی ایک نہایت ہی گہری خلیج حائل کر دی ہے اور یہ خلیج دن بدن وسیع ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان دونوں کے درمیان محبت اور مودّت کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہا۔ سرمایہ دار ہر وقت اِس ٹوہ میں رہتا ہے کہ وہ مزدور سے جتنا زیادہ سے زیادہ کام لے وہی اس کے حق میں فائدہ مند ہے اسی طرح مزدور کو بھی یہ فکر ہمیشہ دامنگیر رہتی ہے کہ وہ پیدائش میں زیادہ سے زیادہ حصّہ حاصل کرے اِس رقابت نے دشمنی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ دونوں گروہوں کے سینے نفرت کی مشتعل آگ سے روشن ہیں جن سے سوائے خوفناک آوازوں اور جاں سوز انگاروں کے کچھ نہیں نکلتا دشمنی کے اس آتش گیر مادے نے متعدد ملکوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور اب بھی دلِ گیتی کی دھڑکنیں مزید بربادی کی دہائی دے رہی ہیں مگر سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار اِس تباہی کو نظر انداز کرتے ہوئے اِس کشمکش کو بالکل فطری سمجھتے ہیں اور ان کا یقین ہے کہ یہ فطری کشمکش فطری قوانین کے تحت خود بخود کسر و انکسار سے گزر کر اجیر و مستاجر کے درمیان حقوق کا توازن قائم رکھے گی۔

(۵) اِس نظام کا ایک اور اصول یہ ہے کہ معیشت کی فلاح و ترقی اور اس کے فطری نتائج کے ظہور کا دار و مدار ریاست کی عدمِ مداخلت پر ہے۔ ریاست کا کام صرف یہی ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرے کہ انفرادی آزادئ عمل زیادہ سے زیادہ محفوظ ہو سکے لوگ نہایت ہی امن و امان سے معاشی تگ و دو میں مصروف رہ سکیں اور ریاست اُن کے حقوقِ ملکیت اور معاہدات (Contracts) کی پوری طرح نگہداشت کرے۔

(۶) اِس عہد کے نظامِ سرمایہ داری کی گاڑی جن پہیوں پر چل رہی ہے۔ وہ سُود اور سٹہ (Speculation) ہیں۔ آج سے ایک صدی پیشتر سرمایہ لگانے والے اور صنعتی کاروبار انجام دینے والے اشخاص الگ الگ نہیں ہوتے تھے اُس زمانے میں سرمایہ دار اپنا کاروبار خود چلاتا۔ اُس کا پورا انتظام و انصرام اِسی کے ہاتھ میں ہوتا۔ جب کبھی پیداوار میں کمی بیشی کرنا مقصود ہوتی تو اس کا فیصلہ بھی وہ خود ہی کرتا مگر دورِ جدید میں بیش قیمت مشینوں کے استعمال نے ایک فرد کے لئے کسی کاروبار کا تن تنہا چلانا مشکل ہی نہیں بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناممکن بنا دیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ کاروبار کا تجربہ رکھتے ہیں اُن کے لئے ضروری ہے کہ سرمایہ کے لئے دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں۔ ان حالات میں جبکہ دولت کا حاصل کرنا حیاتِ انسانی کا اصل مقصد قرار پایا ہے کون بے وقوف ایسا ہوگا جو لوگوں کو دولت صرف اس لئے دے دے کہ وہ جا کر اس کو اپنے کاروبار میں لگائیں اُس سے مزید دولت حاصل کریں اور بعد میں اصل رقم اپنے اس محسن کو واپس دے دیں۔ آج کے سرمایہ دار کا مطالبہ یہ ہے کہ اُسے اس کے سرمایہ کے استعمال کا ایک معقول "معاوضہ" ملنا چاہیئے۔ چنانچہ اُس کے اس مطالبہ کی صحت پر یقین کرتے ہوئے سرمایہ دار کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ کاروبار میں خواہ فائدہ ہو یا نقصان سرمایہ دار کو اپنی محنت (جو اُس نے دولت کے جمع کرنے میں صرف کی ہے) کی "مزدوری" مل جاتی ہے اسے کاروبار میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور اُسے اس بات کا علم تک نہیں ہوتا کہ اس کا دیا ہوا روپیہ کن کاموں پہ صرف ہو رہا ہے۔

یہ ہیں مختصر الفاظ میں وہ اصول جن پہ سرمایہ دارانہ نظام قائم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ من حیث الکل یہ اصول غلط نہیں۔ ان میں کسی حد تک صداقت بھی ہے آغاز میں جب ان کو آزمایا گیا تو نہایت ہی خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ اشیاء کی پیدائش میں بھی محیر العقول ترقی ہوئی۔ افراد خوشحال ہوئے مگر کچھ وقت گزرنے کے بعد جب لوگوں کا خمار اترا اور اس نظام کی چوٹوں نے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا تو پھر لوگوں کو اس کی تکلیف کا احساس ہوا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دولت میں اضافہ ہوتے دیکھا مگر ساتھ ہی اُن کے سامنے یہ حقیقت بھی آئی کہ یہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ رہی ہے۔ اگر انہوں نے ایک طرف عیش و آرام کی زندگی کے مختلف مناظر دیکھے تو دوسری طرف اُن کے سامنے خستہ حالی افلاس اور غربت کے بھی نہایت ہی گھناؤنے واقعات آئے۔ اس تفاوت نے انہیں چونکا دیا اور وہ اس بات کو سمجھ گئے کہ یہ نظام سراپا خیر نہیں بلکہ اس میں شر کے بھی بے شمار پہلو ایسے ہیں جن کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس نظام کی فکری لغزشیں اب ہم اختصار کے ساتھ اس نظام کی فکری لغزشوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ غلط فلسفۂ زندگی: اس نظام کا ایک سرسری سا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ اس میں خرابی کی اصل جڑ اس کا غلط فلسفۂ زندگی ہے بے جان اشیاء کی کثیر پیداواری اور زود پیداواری نے انسان سے اُس کی حقیقی قدر و قیمت چھین لی ہے۔ اب اگر اُس کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے تو اسے بھی بے جان شے سمجھ کر طلب اور رسد کے قوانین کا پابند سمجھا جاتا ہے۔ عہدِ حاضر کے معیشت دانوں نے اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے کہ انسان صرف عناصرِ اربعہ کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ زندگی کے جذبات احساسات رکھتا ہے۔ فطرت نے اسے ایک خاص ذوق بخش رکھا ہے۔ اس میں اخلاقی حِس بھی ودیعت کی گئی ہے اس لئے اس کی پیدائش اور اُس کے کام کو اشیاء کی پیداواری اور اُن کے استعمال پہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ مگر بدقسمتی سے دورِ حاضر کے فلاسفر نے انسان کو بھی "کارخانہ کا تیار شدہ مال" سمجھ کر یہ "فتویٰ" صادر کر دیا ہے کہ اس کی "خرید و فروخت" میں بھی قیمت ہی وہ اصل ثالث ہے جو نہایت انصاف کے ساتھ ہر مستحق کو اُس کا اصل حق دلا دیتی ہے۔ یہ ہے وہ اصل خرابی جو اس نظام میں موجود ہے۔ ایک معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی اس حقیقت سے کسی قدر واقف ہے کہ کسی شے کی قیمت کا تعین رسد (Supply) اور طلب (Demand) کے توازن سے کسی حد تک ممکن ہے۔ اگر کسی چیز کی رسد کم اور طلب زیادہ ہو تو اس کی قیمت خود بخود بڑھ جائیگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نفع کے روشن امکانات کے پیشِ نظر لوگ ان اشیاء کو زیادہ مقدار میں پیدا کریں گے۔ اس طرح رسد کے بڑھنے سے قیمتیں خود بخود اعتدال پہ آجائیں گی لیکن اس اصول کا اطلاق جب انسانوں پہ کیا جائیگا تو یہ انسانیت پر ایک عظیم ظلم ہوگا۔ فرض کیجئے کہ ایک پیشہ ایسا ہے جس میں مزدوروں کی افراط ہے مگر ان کی طلب نہیں ان حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ ہم انسانوں کی ایک بھاری تعداد کو جلد از جلد ایسے پیشوں کی طرف منتقل کر لیں جن میں ان کو آسانی سے کھپایا جا سکتا ہو۔ مزدوروں کی محنت کو ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بیچارے پیٹ کے بے رحم تقاضوں کے ہاتھوں اپنی محنت کو کم سے کم قیمت پر بیچنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ فاقہ مستی ان کو خود بخود کھینچ کر سرمایہ دار کے قدموں میں لا ڈالتی ہے۔ سرمایہ دار ان کی اس بے بسی اور بے کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ناجائز فائدہ اٹھاکر ان کو کم سے کم اجرت پیش کرتا ہے اوران بیچاروں کو سنگین حالات میں اسی پر رضامند ہونا پڑتا ہے۔

۲۔ **محنت کار کی مظلومیت** : جو لوگ قیمتوں کے نظام سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ تنہا ہر فریق کو اس کے جائز حقوق دلوا سکتا ہے وہ اِس حقیقت کو یکسر نظرانداز کر دیتے ہیں کہ دولت پیدا کرنے والے مختلف عاملین FACTORS OF PRODUCTION) ایک جیسی طاقت نہیں رکھتے۔ان میں بعض زیادہ مضبوط ہیں اور بعض ان کے مقابلہ میں بے حد کمزور۔ اگر چاروں عاملین (زمین محنت ۔ سرمایہ اورتنظیم) ایک جیسی قوت کے مالک ہوتے تو سماج میں ہر مستحق کو اپنا جائز حق مل جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ دورِ جدید کے معاشی نظام میں سب سے زیادہ طاقتور گروہ سرمایہ داروں اور منتظمین کا ہے ۔اِس کے بعد زمین کے مالکوں کا طبقہ ہے اور سب سے کمزور اور لاچار مزدور ہیں۔ منڈی پر جب کبھی آفت آتی ہے تو اس کی سب سے زیادہ زد محنت بیچنے والوں پر پڑتی ہے۔ منتظمین (Entrepreneurs) جب یہ دیکھتے ہیں کہ قیمتیں گر رہی ہیں اور اُن کے منافع میں کمی ہو رہی ہے تو وہ سرمایہ کاری (Investment) میں کمی کر دیتے ہیں اِس کے نتیجے میں کارخانے بند ہونا شروع ہوتے ہیں اور کاروبار ماند پڑ جاتا ہے۔ ملک کا امیر طبقہ اپنی پس انداز دولت کے ہوتے ہوئے اتنی سکت رکھتا ہے کہ بڑے آرام سے مصیبت کے یہ دن گزار دے اُسے اشیاء سستی ملتی ہیں اس طرح وہ اپنے ایک ایک پیسے کے بدلے کئی کئی پیسوں کا فائدہ حاصل کرتا ہے پھر اس کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے وہ "اتفاق" کی برکتوں سے بھرپور متمتع ہونے میں کامیاب ہوتا ہے۔ ایک لگی بندھی تجویز کے مطابق یہ لوگ نہایت ہوشیاری سے اشیاء کی رسد کم کرکے منافع کو کم نہیں ہونے دیتے۔ اسی طرح سرمایہ دار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی پیداوار میں "جزوِ اعظم" (Main Factor) کی حیثیت سے داخل ہونے کی وجہ سے اپنا "طے شدہ معاوضہ" حاصل کر لیتا ہے۔ اُسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کی اس پالیسی سے کتنے لوگوں پر مصیبت ٹوٹتی ہے اسے بہر حال اپنا حصّہ ملنا چاہیئے کیونکہ یہ معاہدہ ہے اور اس کی پابندی کرانا نہ صرف لوگوں کا بلکہ حکومت کا اولین فرض ہے۔ زمین کے مالک بھی نسبتاً مضبوط پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر منافع میں سے کچھ نہ کچھ حصّہ ہتھیا لیتے ہیں۔

اب میدان میں باقی ایک طبقہ ایسا رہ جاتا ہے جس کو سب سے زیادہ کمزور اور بے سہارا ہونے کی وجہ سے آسانی کے ساتھ مصائب کی بھٹی میں جھونک دیا جاتا ہے۔ جسم و روح کے رشتہ کو برقرار رکھنے کے لئے اُسے روکھی سوکھی روٹی چاہیئے اسی طرح اپنا اور اپنے بال بچوں کا تن ڈھانکنے کے لئے اسے کپڑے کی بھی ضرورت ہے۔ یہ دو مطالبات اتنے شدید ہیں کہ ان کو روزگار کے مہیا ہونے تک ملتوی نہیں کیا جا سکتا اس لئے جب کام کم ہوتا ہے تو یہ طبقہ تلاشِ روزگار میں در در کی خاک چھانتا ہے اور چیخ چیخ کر کہتا ہے "اے رزق کے مالکو! تمہارا جو جی چاہے ہمیں دو، مگر خدارا ہمیں موت کے منہ سے بچاؤ" سرمایہ دار اس کی مظلومیت اور بے سرو سامانی کو دیکھ کر کساد بازاری کی ساری بربادیوں کو اس کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اُس نے اپنے ظلم و استبداد کو روا رکھنے کے لئے حکومت سے یہ بات بحیثیتِ اصول منوالی ہے کہ وہ لوگوں کے "کاروباری معاملات" میں کوئی دخل نہیں دے گی۔

پھر اس نظام کو چلانے والے وہ لوگ ہیں جو بالعموم سرمایہ داروں کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ مسندِ اقتدار پر آتے ہی اس لئے ہیں کہ اپنے حقوق کی ہر طرح سے حفاظت کر سکیں۔ اس لئے ان کے وجود سے ان کے اپنے گروہ کے آدمی تو عیش لوٹتے ہیں مگر دوسرے طبقے خصوصًا بندۂ مزدور کے اوقات نہایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلخ ہو جاتے ہیں۔

۴۔ **منکرات و فواحش کا فروغ**: پچھلی ایک صدی کے واقعات نے اِس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی کے بغیر سوسائٹی میں انصاف اور عدل قائم نہیں رہ سکتا جب لوگوں کی زندگی کا منتہائے مقصود دنیوی فوائد و لذائذ سمیٹنا ہو تو پھر ان کی نظروں سے جائز و ناجائز کی تمیز بالکل اوجھل ہو جاتی ہے۔ انہیں اِس بات کی فکر نہیں رہتی کہ اُن کے آمدنی کے ذرائع کن کن طریقوں سے سماج میں ظلم و ستم، بے حیائی اور بدمعاشی کو ترقی دے رہے ہیں۔ دولت کے پجاری کی حیثیت سے اُس کا نقطۂ نظر صرف یہی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اسے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنی چاہیئے خواہ اِس سے اُس کی قوم اور ملّت یا پوری انسانیت کو کتنا عظیم نقصان پہنچے اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی آمدنی شراب کی فروخت، رقص و سرود کی محفلیں سجانے اور فحش لٹریچر کی اشاعت اور اخلاق سوز تصویریں دکھانے سے بڑھتی ہے تو وہ فوراً اپنا روپیہ ان کاموں میں کھپا دیتا ہے اور قطعاً محسوس نہیں کرتا کہ اُس کی اِن حرکات سے سماج کو بحیثیت مجموعی کس قدر خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے، کتنی عصمتیں لٹتی ہیں کتنی عفتیں برباد ہوتی ہیں، کتنے نوجوان آوارگی کا شکار ہوتے ہیں اور کتنے افراد بنتے ہیں یہی نہیں بلکہ سرمایہ کاری کا رُخ فواحش کی طرف موڑ دینے سے ضروریات زندگی کم یاب بلکہ نایاب ہو جاتی ہیں عوام گندم کے ایک ایک دانے کے لئے ترستے ہیں۔ انہیں موسمی ضروریات کے لئے تو کیا اپنا ستر تک چھپانے کے لئے کپڑا نہیں ملتا۔ اُن کے بچے دودھ کے ایک ایک قطرے کے لئے بلکتے ہیں اور اس کے برعکس دوسری طرف سرمایہ داروں کی دولت پرستی اور نفع اندوزی کے طفیل انسانوں کا ایک قلیل طبقہ رفیع الشان محلات میں رہ کر اپنا سارا وقت عیش و تنعم میں بسر کرتا ہے وہ دِل جو خوفِ خدا اور آخرت کی جوابدہی کے احساسات سے خالی ہوں وہ اِتنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے حس ہوتے ہیں کہ لوگوں کے بڑے سے بڑے مصائب ان کے اندر معمولی سے معمولی ارتعاش بھی پیدا نہیں کر سکتے ان کی کیفیت یونان کے ان فرضی خداؤں کی سی ہوتی ہے جو بلندیوں پر رہ کر صرف اپنے دھن دولت کے متعلق سوچ سکتے ہیں اور اپنے ذہن کو کبھی اس بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں پاتے کہ ان کی ذات سے انسانیت کتنے دکھوں میں مبتلا ہے ایسے لوگوں کی موجودگی میں کیا یہ ممکن ہے کہ صرف "قیمت کا قاضی" سماج میں عدل و انصاف قائم رکھ سکے گا۔ جو لوگ اس طرز پر سوچنے کے عادی ہیں وہ جنت الحمقا میں بستے ہیں۔

۴۔ بے روزگاری: جدید سرمایہ داری کی ایک اور نعمت بے روزگاری ہے انسان نے جب بھاپ سے فائدہ اٹھانا سیکھا تو پیداوار میں نہایت سرعت کے ساتھ اضافہ ہوا جو کام کئی سو انسان کئی دنوں میں کر سکتے تھے وہ اب ایک آدمی مشین کی مدد سے چند گھنٹوں میں کرنے لگا اس کا اثر یہ ہوا کہ سرمایہ دار ہمیشہ اس تلاش میں رہتا کہ وہ انسانوں کی تعداد گھٹا کر اس کی بجائے مشینوں کے استعمال کو بڑھائے کیونکہ اس سے نفع میں اضافہ ہوتا ہے چنانچہ افراد کی جگہ مشینوں نے لینا شروع کی

جب ملک کے پورے طول و عرض میں اسی پالیسی پر عمل ہونا شروع ہوا تو ہزاروں نہیں لاکھوں انسان بیروزگار ہو گئے وہ کام حاصل کرنے کے لئے جس کارخانے کی طرف بھی رجوع کرتے کلوں کی گڑگڑاہٹ انہیں یہ بتا دیتی کہ بھاپ کے دیو کی تسخیر کے بعد اب انسانی محنت کی ضرورت باقی نہیں رہی لہٰذا اب اس آسمان کے نیچے ان کے لئے کوئی کام نہیں، اس لئے انہیں دنیا سے جلد سے جلد کوچ کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ ایشیائی ممالک میں اس مسئلہ نے جو صورت پیدا کر دی ہے۔ اگر ہم اس کو فی الحال نظر انداز بھی کر دیں تو یورپ کے صنعتی ممالک میں بے روزگاری کا جو حال ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاستہائے متحدہ امریکہ	۲۶۹۰۰۰	افراد
اٹلی	۳۰۹،۰۰۰	"
آسٹریلیا	۲۲۵،۰۰۰	"
پولینڈ	۱۶۰،۰۰۰	"
برطانیہ	۱۲۱،۰۴۰۰۰	"
جرمنی	۲۴۸۴،۰۰۰	"

اس بیروزگاری نے نہ صرف سماج میں بے شمار کاروباری پیچیدگیاں پیدا کی ہیں بلکہ اَن گنت اخلاقی اور ذہنی بیماریوں کو بھی جنم دیا ہے۔

اس عہد میں جن خوش نصیبوں کو روزگار ملتا بھی ہے وہ بھی نہ ہونے کے برابر۔ اپنی درماندگی کی وجہ سے مزدور اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے جائز حقوق حاصل کر سکیں۔ اُن پر جس قدر کرم فرمائی کی جاتی ہے اس سے وہ عقل جسم اور روح کا رشتہ قائم رکھ سکتے ہیں۔ دوسری طرف سرمایہ دار ہر آن اشیاء کی پیدائش میں مصروف رہتا ہے اور پھر ان کے نکاس کی تدبیریں بھی سوچتا ہے مگر لوگوں کی اکثریت بے روزگار یا نیم بے روزگار ہونے کی وجہ سے اپنے اندر یہ طاقت نہیں رکھتی کہ کارخانے کے تیار شدہ مال کو خریدے سرمایہ دار اپنے مال کی کھپت کے لئے سب سے پہلے انہیں بے بس عوام کی طرف دیکھتا ہے جنہیں اس نے دھکے دے کر نہایت ہی کس مپرسی کی حالت میں اپنے کارخانے سے نکال دیا تھا۔ سرمایہ داری نظام میں یہ ایک ایسا تضاد ہے جس کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ مزدور جب روزگار مانگتا ہے تو وہ سرمایہ دار کا دشمن ہے اُسے اس "مٹی کی مشین" کے مقابلہ میں "لوہے کی مشین" زیادہ عزیز ہے مگر جب اسے اس مشین کے تیار شدہ مال کو فروخت کرنے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اسی طبقہ کا محتاج پاتا ہے مختلف حیلوں اور بہانوں سے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ لوگ کسی نہ کسی طرح اس کے مال کو خریدیں سرمایہ داری نظام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہ ایک ایسا سقم ہے جس کو دور کرنے کے لئے انسان کو اشتراکیت اور فسطائیت ایسی خوفناک راہیں تلاش کرنا پڑیں۔ مشہور مصنف ایرک گل، (Eric Gill) اسی چیز کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ہمیں کارخانوں میں انسانوں کی ضرورت نہیں، مشینیں ان سے بہتر ہیں ان کی ایجاد اور استعمال کا سب سے بڑا مقصد انسانی محنت کی بچت ہے لہٰذا ہمیں مشین کو نہیں انسانوں کو ختم کرنا ہے۔ مگر وہ انسان جسے ہم دنیا سے مٹا دینے کے آرزومند ہیں وہ انسان ہے جو کارخانہ میں کام کرتا ہے نہ کہ گلی میں بسنے والا انسان محلوں میں رہنے والے انسان ہمارے ساتھی ہیں وہ دوست ہیں کیونکہ وہ ہمارا مال خریدتے ہیں۔ آج کل سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ کس طرح پیدائش دولت میں انسانی محنت کے دخل کو ختم بھی کیا جائے اور دوسری طرف صارفین (Consumers) کی تعداد اور ان کی قوتِ خرید کو بڑھایا جائے۔ یہی ہمارا بنیادی مسئلہ ہے۔ جڑ بھی یہی ہے اور شاخ بھی یہی ہے۔"[1]

۵۔ نوآبادیاتی نظام: عہد حاضر کی استعماریت (Imperialism) اسی طرزِ فکر کا شاخسانہ ہے جب کسی ملک کا سرمایہ دار طبقہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی اپنی غلط روش اور ناعاقبت اندیشانہ بلکہ ظالمانہ طرزِ عمل سے اسکی اپنی قوم کے افراد اس قدر غریب اور مفلس ہوگئے ہیں کہ ان میں اس کے تیار کردہ مال کو حاصل کرنے کی ہمت نہیں رہی تو وہ پھر ملک سے باہر منڈیوں کی تلاش کرتا ہے چنانچہ اس عہد کا مغربی استعمار محض ایک قسم کی منظم تجارت اور مسلسل و مستقل مادی انتفاع ہے جس کی کوئی بلند اخلاقی یا دینی غرض اور کوئی اصلاحی تہذیبی

---

[1] Money and Morals

17473

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور شریفانہ مقصد نہیں۔ سر ولیم جانسن ہاک نے جو ۱۹۲۵ء میں برطانوی وزارت کے رکن تھے۔ پارلیمنٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کیا۔

"ہم نے ہندوستان اس لئے فتح نہیں کیا کہ ہم ہندوستانیوں کو نفع پہنچاتے رہیں گے مجھے علم ہے کہ ہمارے مسیحی اپنے جلسوں میں کہا کرتے ہیں کہ ہم نے ہندوستان اس لئے فتح کیا کہ ہندوستان کے مرتبہ میں ترقی ہو۔ یہ دعویٰ محض دھوکا ہے ہم نے ہندوستان اس لئے فتح کیا ہے کہ برطانیہ کے مال و اسباب کی فروخت کیلئے ایک منڈی ہاتھ آئے ..... میں منافق نہیں جو یہ کہنے لگ جاؤں کہ ہم ہندوستانیوں کے نفع کیلئے ہندوستان پر قبضہ رکھے ہوئے ہیں ہندوستان پر ہمارا قبضہ انگریزی تجارت خصوصاً لنکا شائر کے سوتی کپڑے کی منڈی کی حیثیت سے ہے۔"

اسی طرح سر رجنالڈ کریڈک، سر مائیکل اڈوائر، لارڈ لڈ ہم، جنرل سر کلاڈ جیکب، اور مشہور مورخ سر چارلس ادمین کی ایک متحدہ تاریخ کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"ہندوستان ہماری مصنوعات کا دنیا میں سب سے بڑا گاہک ہے برطانیہ جیسی تجارتی قوم ایسے گاہک کو بغیر اپنے آپ کو نقصانِ عظیم پہنچائے ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتی اور یہ نقصان برداشت کرنے والے کون ہیں، ہمارے بینک، ہماری جہاز رانی کمپنیاں ہماری صنعتیں، ہمارے تنخواہ دار ملازمین اور ہمارے مزدوری پیشہ طبقے[۲]"

www.KitaboSunnat.com

---

[۲] مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟ از مولانا ابوالحسن علی ندوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِن منڈیوں کی ضرورت صرف ایک قوم کو ہی نہیں بلکہ ساری مغربی اقوام کو ہے۔ اِن میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے لئے وسیع سے وسیع تر منڈی تلاش کرے جہاں اس کے مال کی کھپت ہو سکے اس ایک شکار کی تلاش میں جب بہت سے شکاری نکلیں تو اِن کے اندر باہمی رقابت کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے چنانچہ عہدِ حاضر کی ساری جنگیں اِسی خود غرضی کا نتیجہ ہیں۔ دورِ حاضر کا ایک مبصر اسی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"یہ جنگ تو محض حریف جماعتوں کی ایسی کشمکش ہے جن میں سے ایک دنیا کی دولت اور آمدنی کے وسائل کے بڑے حصہ پر قابض رہنا چاہتی ہے اور دوسری اس کے حصہ کے لئے اپنی جان کی بازی لگاتی ہے"

یہ عالمگیر لڑائیاں جنہوں نے اس صدی میں پوری دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے نظامِ سرمایہ داری کا ضروری حصہ ہیں۔ استعماری ممالک جب ہوا کے رُخ کو دیکھ کر یہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کے مال کی نکاسی مشکل ہو گئی ہے تو وہ پھر ایک سوچی سمجھی تجویز کے مطابق اس قسم کی چالیں چلنا شروع کرتے ہیں جس سے جنگ کے خطرات بڑھ جائیں۔ اِس وجہ سے اُن کے مال کی طلب کچھ دیر کے لئے بڑھ جاتی ہے۔

۶۔ **اخلاق سوز حرکات:** منڈیوں پر قبضہ صرف قوت کے بل پر ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے بسا اوقات ایسے انسانیت سوز حربے اختیار کئے جاتے ہیں کہ ان کے تصور سے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ ان میں ایک طریقہ مصنوعی ارزانی (Dumping) ہے۔ اِس میں صرف منڈی پر تسلط قائم کرنے کے لئے وہاں کثیر تعداد میں اشیاء نہایت ارزاں بیچ دی جاتی ہیں اور جب مخالفین اِس ارزانی کی تاب نہ لا کر مقابلہ اور مسابقت کو ترک کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اشیاء برآمد کرنے والوں کا یہ گروہ نہایت آسانی سے من مانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارروائیاں کرتا ہے۔ اس طریقہ سے سب سے زیادہ نقصان جس طبقہ کو پہنچتا ہے وہ مزدور ہے۔

یہی نہیں بلکہ دنیا کے دولت مند طبقے اپنے منافع کو ہر قسم کی دست بُرد سے بچانے کے لئے اکثر اوقات نہایت ناپاک ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لئے گندم کی کھڑی فصلیں جلا دی جاتی ہیں تاکہ اناج کی رسد بڑھ کر اُن کے منافع میں کمی نہ کر دے مشہور مصنف جان گنتھر (Gunther) انہی اخلاق سوز حرکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"۱۹۱۴ء میں برازیل کے ارباب ثروت کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا کہ پیدا شدہ کافی (Coffee) کو کس طرح کم کیا جائے پہلے انہوں نے اس کو دفن کرنے کا عزم کیا۔ مگر اب مصیبت یہ آئی کہ ۴۰ لاکھ بوریوں کو دبانے کے لئے بھی کافی رقبہ درکار تھا۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں سمندر میں پھینک دیا جائے مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے بیشمار مچھلیوں کے تباہ ہو جانے کا خطرہ تھا بالآخر بہت زیادہ سوچ بچار کے بعد یہ طے ہوا کہ اس کو جلا دیا جائے چونکہ اس پودے میں پانی کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے اس لیئے اس کو جلانا بھی آسان کام نہ تھا آخر کار مٹی کے تیل سے اس کو جلایا گیا۔ اس طرح برازیل کو ہر سال اس زائد پیداوار سے نجات حاصل کرنے کے لئے تقریباً ۲ لاکھ پونڈ کی مالیت کا تیل صرف کرنا پڑا۔"[1]

اسی طرح ایک دوسرا مصنف سرمایہ دار طبقہ کی اسی بے حسی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"۱۹۳۴ء میں لورپول کی بندرگاہ سے دس لاکھ سنگتروں کو سمندر

---

[1] Inside Latin America

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی موجوں کی نذر کر دیا گیا تاکہ رسد بڑھنے نہ پائے اور اس طرح قیمتوں
میں کوئی کمی واقع نہ ہو..... یہی وہ سنگترے تھے جن کے لئے لوورپول
کے بچے ترستے تھے اور ان کے لئے یہ ایک جنس نایاب تھی“ ؎

۷۔ **دیگر مفاد پرستانہ حربے:** وہ شخص جس نے موجودہ عہد کی تحریکات کا ایک سرسری سا جائزہ بھی لیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ نظام سرمایہ داری کی اساس الحاد ہے چنانچہ اِس نئے " دین" کے ساتھ جو نیا فلسفۂ اخلاق دنیا میں مقبول ہُوا اس کے لئے اگر کوئی لفظ موزوں ہو سکتا ہے تو وہ صرف "مفاد پرستی" ہے۔ اِس کے مطابق ہر وہ طریقہ جائز اور صحیح ہے جس سے کوئی "دنیاوی فائدہ" حاصل ہونے کی توقع ہو اور ہر وہ کام غلط ہے جس کے کرنے سے اس میں کمی واقع ہوتی ہو۔ اِس لئے اِس نظام میں اخلاقی پیمانے ہر لمحے اور ہر آن ایک ایک فرد کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں یہی وہ اصل وجہ ہے کہ بورژوا طبقہ جو وسیع المشربی اور جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار تھا اور جس نے بہت زیادہ جدوجہد کے بعد مالکانِ زمین کے مقابلہ میں اپنا حق رائے دہندگی تسلیم کرایا۔ وہ اِس بات کیلئے کسی صورت بھی آمادہ نہ ہوتا تھا کہ یہ حق ان انسانوں کو بھی حاصل ہو جن کا وہ ان داتا بنا ہوا ہے۔ یہ صنعت کار اپنا پیدائشی حق تو سمجھتے تھے کہ اپنی انجمنیں بنا کر اپنے ہاتھوں کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کریں اور اس طرح اپنے مخالف طبقوں کے مقابلہ میں نہائیت قوت کے ساتھ صف آراء ہو سکیں مگر جب یہی حق مزدور طلب کرتے تو ان کی پیشانیوں پہ تیور آجاتے اور ان کے غیظ و غضب کا طوفان کسی طرح تھمنے نہ پاتا چنانچہ مزدوروں کو اپنی یونین (Unions) بنانے کا حق بہت سی کوششوں کے بعد حاصل ہو۔ جن لوگوں نے مزدوروں کی ان انجمنوں کو کام کرتے دیکھا ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اُن کی راہ میں سرمایہ دار کس طرح رکاوٹیں

؎ (Hindranath Mukerjee) (An Introduction to Socialism)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈالتا ہے محنت کش عوام کی مفلسی سے ناجائز فائدہ اٹھاکر وہ کس طرح انہی کے اپنے طبقہ میں سے بعض ایسے منافق تلاش کر لیتا ہے جو اس کے آلۂ کار کی حیثیت سے کام کرتے ہیں اور مزدوروں کی یکجہتی اور اتحاد کو صدمہ پہنچاتے ہیں اور وہاں رسائی حاصل کر لینے کے بعد وہ حکومت کی مدد سے ان مزدوروں کی ہر قسم کی تحریکات کو قوت سے دبا دیتا ہے یہ بیچارے جب کبھی اپنی مظلومیت کا احساس کرتے ہوئے سر اٹھاتے ہیں تو حکمران طبقہ کی توپوں کے دہانے ان پہ کھول دیے جاتے ہیں پروپیگنڈہ کی پوری مشینری کو اُن کے خلاف حرکت میں لاکر انہیں اس طرح بدنام کر دیا جاتا ہے کہ وہ پھر جیتے جی بولنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اِس عہد میں دولت و سیاست جس طرح ایک دوسرے کے ہم رکاب ہیں اس کا اندازہ پچھلے چند سال کے واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔ جوزف آئی۔اے۔لیگٹن (I.A. Leighton) نے اپنی کتاب Social Philosophies میں اِس کی متعدد مثالیں دی ہیں جن میں سے یہاں چند نقل کی جاتی ہیں اِن سے صورتِ حالات کا ایک سرسری سا اندازہ ہو سکے گا۔

"۱۹۳۵ء میں رائے برن بل (Rayburn) پہ ملک میں ایک ہنگامہ بپا ہوا۔ سینیٹ کے ممبروں اور پارلیمنٹ کے ارکان کے گھروں میں بے شمار تاریں بھیجی گئیں۔ صرف ایک شہر کی تاروں کی تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ پندرہ ہزار میں سے صرف تین اشخاص نے پیسے ادا کئے۔ افراد کو اپنے دستخط دینے کے لئے معاوضہ دیا جاتا ہے افراد کے نام ڈائرکٹری (Directory) میں سے حاصل کئے جاتے۔ اکتیس ہزار تاروں میں سے جو ۲۵ شہروں سے دی گئیں۔ اِن میں سے ۱۱۲ افراد وہ تھے جنہوں نے ان کی قیمت خود ادا کی۔ باقی سارے اخراجات گیس اور بجلی کی کمپنی نے برداشت کئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس بل کو ناکام بنانے کے لئے کمپنی کو آٹھ اور نو لاکھ کے درمیان رقم خرچ کرنا پڑی اس نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض اخبارات کو یہ دھمکی دے کر رائے زنی سے روک دیا کہ اگر وہ اس بل کی حمایت کریں گے تو انہیں اشتہارات دینا بند کر دیے جائیں گے[1]

آپ خود اندازہ لگائیں کہ کیا ملک کا مزدور اپنی کسی بات کو حکومت سے منوانے کے لئے اس سے نصف رقم بھی صرف کر سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امراء حکومت کے سیاہ و سپید کے مالک ہوتے ہیں اور وہ قوانین کو جس طرح چاہتے ہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں مزدور بیچارہ بالکل ان کے رحم وکرم پر ہوتا ہے وہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ یہ بھی کہہ سکے "حضور میرے بیمار پڑنے پر مجھے بھی با تنخواہ رخصت دی جائے اور بڑھاپے کی حالت میں جب کہ بندہ نے اپنی صحت، طاقت اور جوانی سب کچھ جناب کے قدموں میں قربان کر دیا ہے مجھے اتنا تو دے دیا جائے جس سے زندگی کی ٹمٹاتی لو کچھ دیر تک قائم رہ سکے"

دنیا کا سرمایہ دار طبقہ جو آزادی کا نعرہ لگاتا ہوا، اور ذاتی مفاد کی برکات کا ذکر کرتا ہوا کبھی نہیں تھکتا۔ جب اس مقام پہ آتا ہے کہ یہی حق دوسروں کو بھی دے تو یہاں وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اُس کی نگاہیں بدل جاتی ہیں اُس کے اخلاقی معیار تبدیل ہو جاتے ہیں۔

۸۔ کساد بازاری کے دورے: سرمایہ داری نظام کے سامنے ایک اور بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو تجارتی چکر (Trade Cycle) کے شر سے کس طرح بچائے ۔ ۱۹۳۵ء کی سرد بازاری کے بعد اس سوال نے بہت زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ اب دنیا کے سارے ممالک اس مصیبت کا تدارک سوچ رہے ہیں مگر وہ اپنی کوششوں کے باوجود اس کا کوئی خاطر خواہ حل تلاش نہیں کر سکے ان کے نزدیک اگر کوئی طریقہ کارگر ہو سکتا ہے تو وہ یہی کہ حکومت عدم مداخلت کی پالیسی کو خیرباد کہہ کر ملک کی معاشی تنظیم ایک منصوبہ بندی کے تحت کرے اور اس طرح پیداوار

---

[1] Social Philosophies In Conflict

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سارے ذرائع اپنی تحویل میں لے کر خود صنعت کار بن جائے۔

جن لوگوں نے سرمایہ داری نظام کے اِس روگ کا ذرا گہری نظر سے تجزیہ کیا ہے وہ اِس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اس کے اصل اسباب معاشی نہیں بلکہ غیر معاشی ہیں جب ملک کا سرمایہ دار یہ دیکھتا ہے کہ مزید سرمایہ کاری سے اس کا منافع بڑھے گا تو پھر اپنے سرمایہ کو مختلف صنعتوں میں لگاتا ہے اِس سے کام بڑھتا ہے۔ مزدوروں کو مزدوری ملتی ہے اور اِس طرح ان کی قوتِ خرید بڑھنے سے اُن کی طلب[1] میں کسی قدر اضافہ ہو جاتا ہے اُن کی ضروریات پوری کرنے کے لئے لوگ نئے نئے کام شروع کرتے ہیں۔ وہ بغیر سوچے سمجھے سود پر روپیہ لیتے چلے جاتے ہیں۔ سرمایہ دار کو جب اپنے روپے کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنی شرح بڑھا دیتا ہے۔ جب یہ طبقہ پیدائش دولت میں سے زیادہ حصّہ لینے کی کوشش کرتا ہے تو منتظمین کا نفع کم ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف گرم بازاری کے اس دور میں مزدور کو اگرچہ کام ملتا ہے، اِس کی اجرت بڑھتی ہے مگر وہ اِس رفتار سے نہیں بڑھتی جس رفتار سے کہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اُن کی قوتِ خرید گر جاتی ہے اِس لئے بعض اشیاء کی طلب قدرتی طور پر گھٹ جاتی ہے مگر اس معاشی تنظیم میں یہ ناممکن ہے کہ سرمایہ دار اپنے سرمایہ کو جلد از جلد دوسری طرف منتقل کر دے۔

علاوہ ازیں جس طرح اہلِ صنعت کی مانگ میں اضافہ ہونے کا احساس پیدا کرنے کے لئے کچھ عرصہ درکار ہے، اسی طرح مانگ میں کمی واقع ہونے کی صورت میں بھی انہیں کچھ عرصہ کے بعد اِس کا احساس ہوتا ہے کہ اب بازار سرد پڑنے لگا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھر تو اس شئے کی مانگ گرتی چلی جاتی ہے اور ادھر اس کی پیداوار میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ پھر جب کچھ عرصہ کے

---

[1] لارڈ کینز (Lord Keynes) اِس کے لئے موثر طلب (Effective Demand) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد اہلِ صنعت بازار کی نبضوں پر ہاتھ رکھ کر یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب اس کی رفتار بہت سست ہے تب ان کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں وہ شے مطلوبہ کی جو مقدار تیار کر چکے ہیں اس کی نکاسی کے لئے کیا تدابیر اختیار کریں یہ مصیبت صرف ایک کارخانہ دار پر نازل نہیں ہوتی بلکہ سب پر ٹوٹتی ہے حتیٰ کہ پورے سماج کے لئے یہ امر دشوار بن جاتا ہے کہ اشیائے مطلوبہ کی ایک کثیر اور وافر مقدار کو بازار میں کس طرح فروخت کیا جائے۔ منافع کے امکانات ذرا تاریک ہونے کے ساتھ ہی سرمایہ دار پر ایک جنون کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اس قسم کی حرکات کرنے لگتا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اُس کے ذہن پر ایک زبردست خوف طاری ہے۔ وہ ایک طرف مال کی پیداوار کم کر دیتا ہے اور دوسری طرف مال کی نکاسی کی فکر کرتا ہے۔ اُس کی ان حرکات سے اشیا کی قیمتیں گر جاتی ہیں۔ جب یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو بڑی تعداد میں کارخانے بند ہونے لگتے ہیں مزدوروں کی اکثریت بیکار ہو جاتی ہے۔ یہ آفت جو سرمایہ دار ممالک پر آٹھویں دسویں سال نازل ہوتی ہے اِس نظام کی سب سے بڑی کمزوری ہے جسے دور کرنے کا کوئی طریقہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔

اگر آپ اس کو ذرا غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ "دولت پرستی" کا کرشمہ ہے اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ "ذاتی مفاد" ہماری زندگی کا رہنما اصول بن گیا ہے۔ اس لیئے جب اہلِ ثروت یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے منافع کم ہو گئے ہیں تو وہ بڑے ہی مضطرب ہو جاتے ہیں اور سرمایہ کاری سے اِس طرح ہاتھ کھینچتے ہیں کہ پورا ملک تباہی کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اگر لوگوں پر روپیہ کی محبت غالب نہ ہو تو وہ معاشی تنظیم کرتے وقت یہ سوچ لیں کہ اُن کی کسی پالیسی سے کتنے غریب تباہ ہوں گے مگر سرمایہ دار کے دل میں انسانیت کی محبت سے زیادہ منافع کی محبت ہے اور اِسی وجہ سے انسانی معاشرہ بار بار تجارتی چکر میں گرفتار ہوتا رہتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ **سود کی لعنت:** سرمایہ دارانہ نظام کو جو چیز غذا بہم پہنچا رہی ہے وہ "سود" ہے اس نظام کے اندر افراد کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کو جمع کریں اور پھر اسے سود پر حاجت مندوں کو دیں۔ سود ایک قابلِ نفرت برائی کی حیثیت سے تو پہلے بھی سوسائٹی میں چلا آتا تھا مگر جدید نظام کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس برائی کو عین بھلائی میں، اور اس ظلم کو عین خدمت میں تبدیل کر دیا ہے اس وجہ سے اب معاشی نظام اس طرز پر ڈھالا گیا ہے کہ سوسائٹی بجائے پوری انسانیت کی پاسبان بننے کے صرف سود خواروں اور اس کے ساتھیوں کی محافظ بن کر رہ گئی ہے اس وجہ سے سماج میں ایک ایسے طاقتور طبقے نے جنم لیا جو عوام سے ہر طرح کا فائدہ تو اٹھاتا ہے مگر ان کی مصیبتوں میں کسی طرح بھی شریک نہیں ہوتا۔ اُسے اگر کوئی غرض ہے تو اپنے "معین معاوضہ" سے۔ وہ جب یہ دیکھتا ہے کہ کاروبار ترقی کر رہا ہے تو پھر بے دریغ اپنا روپیہ لگاتا ہے۔ اس طرح سود کی شرح بڑھتی ہے اور پھر نفع کے امکانات مخدوش ہو جاتے ہیں۔ اُس کی اپنی ہی "کرم فرمائیوں" سے جب کاروبار سرد پڑنے لگتا ہے تو پھر یہ ظالم بجائے سماج کی امداد کرنے کے ان پُر آشوب حالات میں اپنا لگا ہوا سرمایہ واپس لینا شروع کر دیتا ہے۔ سرمایہ کاری میں کمی ہو جانے کی وجہ سے سوسائٹی میں کام کا دائرہ اور بھی سکڑ جاتا ہے یہاں تک کہ ساری دنیا پر سخت کساد بازاری کی آفت آپڑتی ہے۔ مگر ان حالات میں بھی نقصان زحمت اور خطرے سب دوسروں کے لئے ہیں وہ خود ان آفتوں سے بالکل محفوظ ہوتا ہے۔ مشہور مفکر لارڈ کینز (Keynes) نظام سرمایہ داری کی بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے سود کو اس کا سب سے بڑا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اس کا تجزیہ یہ ہے کہ سود کے بڑھنے سے منافع کے امکانات گھٹ جاتے ہیں اور جب سوسائٹی پر یہ کیفیت طاری ہو جائے تو کاروبار سرد ہو جاتا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"یہ بحران اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ شرح سود معاشی مشین کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہیوں کو روک لگاتا ہے"

سرمایہ دار طبقہ کا یہ سنگدلانہ اور ظالمانہ رویہ صرف افراد ہی سے نہیں ہوتا بلکہ قوم و ملت کے ساتھ بھی وہ یہی سلوک روا رکھتا ہے۔ وہ اگر قوم اور ملک کو بھی اپنا روپیہ مستعار دیتا ہے تو اس شرط پر کہ اُسے بہر حال اپنا "منافع" ملنا چاہیئے۔ حد یہ ہے کہ اگر ان پر کوئی آفت بھی آئے اور افراد کو اپنی جانوں تک کی قربانی دینی پڑے تو ان حالات میں بھی اس ذلیل طبقے کا مطالبہ بہر حال اپنی جگہ اٹل رہتا ہے کہ اُن کے سرمائے پر اتنے فی صدی سود سالہا سال تک ضرور ادا ہوتے رہنا چاہیئے سود کے اصول پر منافع کے یک طرفہ بہاؤ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پوری دنیا کا معاشی توازن بگڑ گیا ہے۔

یہ ہیں وہ مفاسد جو اس نظام کے تن بدن سے پیپ بن کر نکل رہے ہیں ان مفاسد کو خود سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے کارپرداز محسوس بھی کرتے ہیں، اور اصلاح حال کی تدابیر بھی سوچتے ہیں۔ کہیں مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے، کہیں انہیں منافع میں شریک کرنے کی فکر کی جاتی ہے۔ کہیں انہیں علاج کی سہولتیں دی جاتی ہیں مگر جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔ کارلائل (Carlyle) نے جو بات کئی سال پیشتر کہی تھی وہ آج بھی اسی طرح صحیح ہے ترقی کے اس زمانہ میں اگر ایک طبقہ اس وجہ سے چیخ رہا ہے کہ اُس کی ۲۰ لاکھ قمیصیں بیکار پڑی پڑی ہیں اور اُن کا کوئی گاہک نہیں ملتا تو دوسری طرف بیس لاکھ انسان اس لئے چلا رہے ہیں کہ ان کے پاس تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہیں ان ساری تدابیر میں سے کوئی بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ اگر آپ پچھلے پچاس سال کے حالات کا ایک سرسری سا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ معاشی ارتقاء کے لئے جس دست غیب (Invisible Hand) کا سہارا لیا گیا تھا وہ بالکل فضول ثابت ہوا ہے۔ سرمایہ داری کے اندھے مقلدین جو چاہیں کہتے رہیں مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ یہ نظام انسانیت کی فلاح کے نقطۂ نظر سے سخت ناکام رہا ہے۔ اس میں جو مفاسد ابھر کر سامنے آئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں ان کی روک تھام کی ساری کوششیں بالکل عبث اور بیکار ثابت ہو رہی ہیں اور اُن کا حاصل صرف یہی ہے۔

؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب پنجم

اشتراکیت کے اساسی تصورات

افزائش دولت کے اِس بحرانی دَور میں جب چند نفع اندوزوں نے حکومت اور سرمایہ کے نشے میں بدمست ہوکر غریب اور مفلس انسانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنا شروع کئے تو اِس جور و جفا کے خلاف ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند ہونے لگی تو اس اندوہناک صورتِ حال کو بدلنے کی مختلف تجاویز سوچی گئیں۔ اِن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب تک سرمایہ اور حکومت کے اِن اجارہ داروں سے وہ قوت نہ چھین لی جائے جس کے بل بوتے پر یہ مفلوک الحال انسانوں پر دستِ ظلم دراز کرتے ہیں، دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ معاشرتی انصاف کے اِن علمبرداروں نے اپنی جدوجہد کا یہ مقصد قرار دیا کہ کسی طرح سرمایہ کو شخصی تصرف سے نکال کر اسے حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے۔

اشتراکی فکر کا آغاز وہ شخص جس نے انسانی افکار کے ارتقاء کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ یہ تدبیر کوئی بالکل انوکھی تدبیر نہیں۔ تاریخ انسانی کے ہر دور میں چند انسان ایسے ضرور موجود رہے ہیں جنہوں نے زیر دستوں پر زبردستوں کی چیرہ دستیوں کو روکنے کے لیئے اِسی طریقۂ کار کو مؤثر کیا۔ چنانچہ فلاسفہ کے ابوالآبا، افلاطونِ یونانی کی جمہوریہ REPUBLIC کا محرک بھی یہی جذبہ تھا وہ اپنی مشہور تصنیف میں اِس تصور کو یُوں پیش کرتا ہے۔ "ریاست، حکومت، یا قانون کی بہترین شکل وہی ہے جس سے ہر شخص پوری آزادی سے سماج کی ہر چیز میں شریک ہو سکے"[1] اس کے بعد مسیحیت کے بڑے بڑے علمبرداروں نے بھی مختلف

---

[1] PLATO , REPUBLIC BOOK V.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقتوں میں اسی خیال کو پیش کیا۔ مثال کے طور پر ایمبورس (AMBORSE) اپنی کتاب پادری کے فرائض (DUTIES OF THE CLERGY) میں معاشی استحصال (EXPLOITATION) کی مذمت کرتے ہوئے لکھتا ہے ۔

فطرت نے سارے انسانوں کیلئے اپنی آغوش کھول رکھی ہے اس لئے سب افراد پوری آزادی کے ساتھ اس سے ممتع ہو سکتے ہیں مگر برا ہو حرص کا کہ اس نے اسے چند لوگوں کی میراث بنا یا ہے ؎

اسی طرح ایک دوسرا مصنف ؏ سی۔ این کاگ بریین" (COCBRANE) اپنی مشہور تصنیف مسیحت اور کلاسیکی تمدن ؏ (CHRISTIANITY AND CLASSICAL CULTURE) میں اسی نظریہ کا یوں اظہار کرتا ہے

- خداوند تعالیٰ نے نوع انسانی کو تمام وہ چیزیں عطا کی ہیں جو اس کے لئے اس چند روزہ زندگی میں ضروری ہیں مگر لالچ اور خود غرضی نے لوگوں کو ذاتی ملکیت کے دام میں پھنسا دیا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ چیز میری ہے دراصل اس دعویٰ کی تمہید ہے کہ اسے صرف میں ہی اپنے فائدے کے لئے استعمال کر سکتا ہوں۔ اسی تصور نے انسانی شخصیت کو مسخ اور خاندانوں کو برباد کیا ہے ؎

یہی نہیں بلکہ ازمنۂ وسطیٰ میں وائی کلف (WYCLIFF) اور اس کے بعد سر تھامس مور (SIR THOMES MORE) نے زرداروں کے اس تشدد کے خلاف خون کے آنسو بہائے اور اس بے انصافی اور ظلم کو دور کرنے کے لئے مختلف نظریات پیش کئے گئے۔ ہمارے قریب کے دور میں سینٹ سائمن (S.T. SIMON) نے صنعتی انقلاب کی تباہ کاریوں کو ختم کرنے کیلئے اس بات پر زور دیا کہ دولت کی پیداوار کے تمام ذرائع حکومت کے قبضہ میں دیئے جائیں اسی طرح اٹھارھویں صدی کے اواخر میں فوریر (FOURIER) نے انسانوں کی ایک عظیم اکثریت کی انتہائی بدحالی اور مزدوروں اور سرمایہ داروں کے باہمی مقابلہ و پیکار سے متاثر ہو کر امداد باہمی کا اصول وضع کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ چار پانچ سو خاندانوں کی بستیاں بسائی جائیں جو معاشی اور سیاسی اعتبار سے بالکل خود مختار ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ اصلاح حال کی یہی صورت مفید ہو سکتی ہے۔ مصلحین کی اس جماعت کا ایک گل سرسبد (ROBERT OWEN)

رابرٹ اوین تھا۔ یہ شخص اگرچہ خود سرمایہ داروں کے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن اسے مزدوروں کے ساتھ بڑی ہمدردی تھی اس نے چند

؎ DUTIES OF THE CLERGY ؏ CHRISTIANITY AND CLASSICAL CULTURE.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر گلاسکو شہر کے قریب نیولینارک NAWLANARK کی بستی میں ایک کارخانہ خریدا اور اس میں مزدوروں کی حالت درست کرنے کا کام شروع کیا۔ اُس نے تمام مزدوروں کو ایک جگہ آباد کیا اور امدادِ باہمی کے اصول پہ دوکانیں کھولیں جن میں وہ اپنی ضرورتیات کے لئے سامان خرید سکتے تھے۔ اس نے مزدوروں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا اور ان کے کام کے اوقات کو دوسرے کارخانوں کے مقابلہ میں بہت کم کر دیا۔ مزدوروں کی بہتری کے لئے یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا مگر اس کو پھیلایا نہ جا سکا۔ اِس طرزِ خیال کا ایک اور "مصلح" لوئی بلانس LIOUSBLANCE فرانس کا ایک انقلابی تھا اس کا نظریہ تھا کہ مزدوروں کے لئے کام فراہم کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ لہٰذا ریاست کو چاہیئے کہ وہ اپنے سرمایہ سے قومی کارخانے کھولے اُن کا کل سامان فراہم کرے اور دستور بنائے، کچھ دنوں بعد یہ کارخانے خود مختار کر دیئے جائیں۔

اشتراکیت کے انہی پیشرووں میں ایک شخص SAINT AMOND BAZARD سینٹ ایمنڈ بیزرڈ (۱۷۹۱ء۔ ۱۸۳۲ء) بھی ہے۔ اس شخص نے طبقاتی کشمکش کا تصور پیش کیا اور اس کے بعد بتایا کہ دنیا کا دولت مند طبقہ کس طرح غریبوں کو لوٹ رہا ہے اور سب سے آخر میں پورے زور کے ساتھ قومی ملکیت کی حمایت کی۔ اگر اشتراکیت کو صرف قومی ملکیت کے ہم معنی سمجھا جائے تو ہم یہ بات بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اِس کا فکر مارکس کے مقابلہ میں زیادہ سلجھا ہوا تھا۔

اِن لاتعداد افراد کی شب و روز کی مخلصانہ کوششوں کو دیکھ کر ذہن انسانی میں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ تھی کہ اِن لوگوں کی ان تھک محنت کسی جامع تحریک کا رنگ اختیار نہ کر سکی اِس کی وجہ یہ ہے کہ "مسیحی مصلحین" اور منکرین معاشیات دونوں حیاتِ انسانی کی اس بڑی حقیقت کو نظر انداز کرتے رہے کہ زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے اور اس کو الگ الگ خانوں میں بانٹا نہیں جا سکتا۔ مذہب کے علمبرداروں نے لوگوں کو صرف فکرِ آخرت سے ڈرا کر معاشی استحصال کو ختم کرنے کی کوشش کی ان کی تعلیم کا دائرہ اثر صرف کلیسا اور خانقاہ کی چار دیواری تک ہی محدود رہا۔ باقی رہی انسان کی معاشی اور سیاسی زندگی تو وہ اس کے اثر سے یکسر آزاد رہی۔ دوسرے گروہ نے بھی یہی لغزش کی، وہ غلطی سے یہ سمجھتا رہا کہ معاشیات انسانی زندگی کا ایک ایسا الگ تھلگ شعبہ ہے جس کا دوسرے شعبوں سے کوئی تعلق اور رابطہ نہیں۔ فلسفۂ تاریخ کا ایک مبتدی بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ کوئی ہمہ گیر تمدنی تحریک اٹھانے کے لئے جو اپنے اندر انسانی قدروں کو بدلنے کا داعیہ رکھتی ہو یہ ضروری ہے کہ اُس کے مفکرین حیاتِ انسانی کی ایسی مخصوص توجیہہ پیش کریں جو اس کے مختلف پہلوؤں کو ایک وحدت بنا دے ۔ دینِ مادیت نے اگرچہ اشتراکیت کے آغاز سے بہت پہلے زندگی کے بہت سے شعبوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا مگر اس کے باوجود انسانی افکار و اعمال کی کوئی جامع و مانع مادی تعبیر پیش نہ کی جا سکی اشتراکی فلسفہ نے اس کمی کو پورا کیا اس نقطۂ نظر سے آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اشتراکیت "دینِ مادیت" کے خلاف ردِ عمل نہیں بلکہ کسی حد تک اس کی تکمیل ہے ان دونوں میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے کیونکہ دونوں کی فکری آبیاشی ایک ہی چشمہ سے ہوتی رہی ہے ۔ معاشرت و معاملات ، اخلاق و اجتماع ، سیاست و آئین علم و فلسفہ کی بنیادی قدریں ، دونوں میں مشترک ہیں ان میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف مظاہر کا ہے نوع کا نہیں اشتراکیت مادیت ہی کی زیادہ موثر ، وسیع اور ہمہ گیر تحریک ہے ۔ اس نے زندگی کے سارے شعبوں کو مادہ پرستی کی بنیادوں پہ استوار کر کے نہ صرف انہیں ہم رنگ بلکہ ہم آہنگ بھی بنا دیا ہے لہٰذا اس کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ یہ محض غریبوں اور مفلسوں کے معاشی مسائل کا حل ہی پیش نہیں کرتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اخلاق ، تمدن و تہذیب اور مابعد الطبیعی تخیلات کا ایک مستقل نظام بھی ہے اور اس لحاظ سے کوئی شخص اس پورے نظام کو قبول کئے بغیر محض اشتراکی معاشیات کو اختیار نہیں کر سکتا اور اگر کوئی ایسی ناممکن اور خلافِ عقل بات کا دعویٰ کرتا ہے تو یا تو بدنیت ہے یا اس کے دماغ میں کوئی خلل ہے نظامِ حیات میں نہ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے ۔

مارکس ۔ اشتراکی انقلاب کا داعی

وہ شخص جس نے کمیونزم کو دورِ جدید میں ایک انقلاب انگیز تحریک کی حیثیت سے شروع کیا ، رائن لینڈ کا ایک یہودی النسل باشندہ مارکس تھا یہودی ہونے کی وجہ سے مسیحیت سے نفرت اسے ورثہ میں ملی تھی ۔ یہی وہ وجہ تھی کہ اس نے شروع ہی سے مذہب سے الگ ہو کر نہیں بلکہ مذہب کے مخالف کی حیثیت سے سوچنا شروع کیا ۔ ایک خوش حال گھرانے کے چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے اسے تعلیم کے نہایت اعلیٰ مواقع میسر آئے اور اس طرح اس کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی فکر جرمن یونیورسٹیوں میں پروان چڑھا۔ اس وقت وہاں ہیگل (HEGEL) کا طوطی بول رہا تھا مارکس نے اس کے فلسفہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ رسمی تعلیم ختم کرنے کے بعد اس نے فکرِ معاش کے لئے صحافت کے خار زار میں قدم رکھا۔ اس اثنا میں اس نے رائج الوقت نظریات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا معاشیات میں ریکارڈو RECARDO اور ایڈم سمتھ ADMSMITH کے افکار سے استفادہ کیا سیاسی تصورات میں والٹیر VOLTAIRE اور روسو RUSSEAU سے راہنمائی حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات فلسفۂ معاشیات اور سیاسیات کا ایک ملغوبہ ہے۔

آیئے اب مارکسی نظامِ حیات کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں۔

وجود باری تعالیٰ اور حیات و کائنات کے بارے میں اشتراکی نقطۂ نظر

اشتراکیت کے حامی اور اس کے مخالف عام طور پر اپنی بحث کا آغاز تاریخ کی مادی تعبیر سے کرتے ہیں یہی ان کے نزدیک اشتراکی فلسفہ کی جان ہے۔ مگر ہم اس کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پیشتر اس نقطۂ نظر کا کھوج لگانا چاہتے ہیں جو اشتراکیت اس کائنات کے متعلق انسان کو عطا کرتی ہے۔ انسان خواہ کسی خیال کا حامی ہو اس امر پر غور کرنے کے لئے مجبور ہے کہ جس دنیا میں وہ زندگی گذار رہا ہے اس میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور

---

[1] اہل فکر حضرات کے لئے شاید مارکس کے سارے ماخذ کا تفصیلی بیان ذرا دلچسپی کا باعث ہو۔ اجتماعی ملکیت کا تصور اس نے میبلی (MAMBLY) اور بیزاڈ (BAZARD) سے لیا تاریخ کی مادی تعبیر پر ایک صدی پیشتر ال باش (HOLBOCH) تفصیل سے بحث کر چکا تھا اور یہ شخص سپنوزا (SPINOZA) سے متاثر تھا۔ مارکس کے اپنے عہد میں فیور باشں (FEUERBOCH) اسی خیال کو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں پیش کر چکا تھا۔ طبقاتی نزاع کا تذکرہ سینٹ سائمن (ST. SIMON) تھیری THIERRY اور مگ نٹ (MIGNET) کی کتابوں میں بکثرت ملتا ہے۔ مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ کا نعرہ اٹھاویں صدی کے آخر میں بابوف (BABEUE) نے بلند کیا اسی طرح سماج میں معاشی استحصال اور اس کو دور کرنے کی یہ تجویز کہ تمام ذرائع پیداوار کو حکومت کے ہاتھوں میں دے دیا جائے مارکس سے پہلے فوریر FOURIER برے BRAY پیش کر چکے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اس کو برتتے تو کیا سمجھ کر برتتے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ انسانی زندگی کے تمام اعمال پر اس کا نہایت گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ دوسری بات انسان یہ سوچتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ یہ ساری تگ و دو یہ ساری کشمکش، یہ سب محنت و مشقت آخر کس لئے ہے۔ یہی مقصود و مطلوب کا سوال انسان کی عملی زندگی کا رخ اور اس کی رفتار متعین کرتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کے طریقے اور کامیابی کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔

یہ وہ اولین اور بنیادی سوالات ہیں جن کو کوئی ایسا نظام ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کر سکتا جس کا تعلق زندگی کی گہرائیوں سے ہو، جس کی جڑیں انسان کے قلب و دماغ میں پیوست ہوں اور جس کی شاخیں انسانی زندگی کی وسعتوں پر محیط ہوں۔ ان سوالوں کا متعین جواب دیئے بغیر نہ ہم زندگی کا کوئی حقیقی مسئلہ طے کر سکتے ہیں، نہ نظامِ حیات کا کوئی نقشہ بنا سکتے ہیں۔ کوئی نظامِ زندگی خواہ کتنا سطحی اور مادی ہو ان سوالات کے جواب کا کوئی نہ کوئی رُخ ضرور رکھتا ہے۔

مارکسی فکر کی اساس یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے جو جواہر کے مجموعہ سے عبارت ہے جن کی تشریح طبیعیات کے اصولِ موضوعہ کے ذریعے ہی کی جا سکتی ہے۔ عالم میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ ان قوانین کا پابند ہے۔ اس طرزِ خیال کے حامیوں کے نزدیک کسی برتر ہستی کا وجود یا اس کی فرمانروائی پر یقین نہ صرف خلافِ عقل و فطرت ہے بلکہ انسانیت کے لیئے انتہائی خطرناک اور مہلک بھی ہے خدا خود کوئی قائم بالذات ہستی نہیں بلکہ انسان کی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف ہے نوعِ انسانی جب کائنات کے اسباب و اثرات کے وسیع اور پیچیدہ طلسم کو جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلا ہوا ہے اسے سمجھنے سے عاجز آجاتی ہے تو وہ مجبور ہو کر ایک بالاتر ذات کو تسلیم کر لیتی ہے۔ مگر جب انسان طبیعی قوانین کی ان پیچیدگیوں کو حل کر لے گا اور وہ خود کائنات کے اسرار و رموز جان لے گا تو پھر اس کے دل میں سے کسی بلند ذات کا خوف مٹ جائیگا۔ اس لحاظ سے خدا کا وجود دراصل قوانینِ طبیعی سے لاعلمی کا نتیجہ ہے چنانچہ لینن نے اپنے ایک خط میں اس خیال کو یوں ظاہر کیا ہے۔

"خدا کا وجود نہایت ہی پیچیدہ خیالات سے عبارت ہے جن کو قوانینِ طبیعی سے بے خبری نے جنم دیا ہے۔"

وہ فلسفہ جو انسان کو یہ تعلیم دے کہ اس دنیا میں کوئی بالاتر ہستی موجود نہیں وہ قدرتی طور پر ذہن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی میں اس خیال کو بھی راسخ کر دیتا ہے کہ اس کی اپنی حیثیت اس کارخانۂ حیات میں ایک عارضی اور اتفاقی بشے کی سی ہے جو فطرت کی اندھی قوتوں کی نہ صرف تخلیق ہے بلکہ ان کے ہاتھ میں ایک بے بس کھلونا بھی ہے آپ ذرا غور فرمائیں تو دیکھیں گے کہ جب حیاتِ انسانی کی صرف طبیعی قوتوں کے ذریعے توجیہ کی جائے تو اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت باقی نہیں رہتی۔ زندگی کا یہ میکانکی تصور جو اشتراکیت نے انسان کے سامنے پیش کیا ہے اس سے نہ صرف وجودِ باری تعالیٰ کی نفی ہوتی بلکہ خود انسان بھی انسانیت کے شرف سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ فطرت کی کرشمہ سازیوں کا محض ایک بے بس اور غیر متعلق تماشائی بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی ساری خواہشات اور تمنائیں حلقۂ دامِ خیال کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں وہ اپنی حماقت سے اپنے آپ کو کائنات کا مرکز خیال کرتا ہے مگر یہ اس کی ابلہ فریبی ہے۔

پھر جب ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ اس عالم کی ماہیت زمان و مکاں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تو ہمیں از خود اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مادہ کی یہ منظم دنیا صرف توانائی کی لہروں سے تعمیر کی گئی ہے اس لیئے اس "عالم رنگ و بو" کے پرے کوئی دوسرا عالم نہیں۔ اس استدلال کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی اور اس عالم کے بعد کسی اور عالم کے وجود کا مطلق انکار کیا جائے جس کو حواس کے علاوہ کسی اور دلیل سے ثابت کیا جاتا ہو یا جن کو ماننے کے لیئے محسوسات کے علاوہ کسی اور چیز کا وجود ماننا پڑے اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کے وجود کے انکار کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی زندگی منتہائے مقصود بن جاتی ہے۔ کسی آئندہ محاسبہ کا ڈر باقی نہیں رہتا طبیعت میں ایک قسم کی آزادی اور بے قیدی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

اشتراکی فکر کی کوتاہی

آپ اگر پچھلی گزارشات پر نگاہ ڈالیں تو محسوس کریں گے کہ استدلال کا یہ طریق اور مقدمات کی یہ ترتیب کائنات کی میکانکی توجیہہ کے عین مطابق ہے۔ اس نظریہ پر غور و فکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دوسرے مظاہر فطرت کے لیئے چاہے کتنا ہی صحیح ہو لیکن مظاہرِ حیات کو اس کی مدد سے پوری طرح کبھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کی عجیب و غریب حالتوں سے گذرتا ہے اس کی نشو و نما میں جذبات اور عقل دونوں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کو خارجی حقیقت سے زیادہ اہم سمجھتا ہے جو اس کے احساسات کو انفرادیت بخشتی ہے۔ مگر یہ محض اس کا وہم ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ خود بخود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو فلسفہ بے جان، بے حس، اور بے ارادہ مادے سے چند اصول وضع کرکے انہیں شعور، ارادہ اور خواہش رکھنے والے انسانوں پر منطبق کرنے کی کوشش کرے وہ حقیقت سے کس قدر بغاوت کرتا ہے۔ انسان جمادات کی طرح مجبور محض نہیں، اسے اپنے احوال میں ایک حد تک تصرف کرنے کی قدرت بھی دی گئی ہے۔ اب اگر اصحابِ علم کا کوئی گروہ ان دونوں کا ایک ہی حیثیت سے مطالعہ کرے تو یہ علم کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوگی۔

پھر اس کائنات کی میکانکی توجیہہ کرنے والوں کے اپنے خیالات میں بے حد تضاد پایا جاتا ہے ایک طرف تو وہ مادہ کی اس منظم دنیا اور اس کے سارے مظاہر کو لامتناہی اور غیر محدود توانائی (انرجی) کی کرشمہ سازی تصور کرتے ہیں لیکن دوسری طرف انہیں اس باشعور ہستی کے وجود کا بھی انکار ہے جس نے غیر معین توانائی کے بطن سے معین مظاہر پیدا کئے۔ معاملہ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے بعد انسان کے ذہن میں بے شمار سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ انسان پھر اس طرز پر سوچتا ہے کہ آخر یہ تنوع، کثرت اور تعدد کیا ہے؟ انسانی زندگی اور ذہن اور اس کے آگے شعور کی دوسری منزلیں جو سلسلۂ ارتقاء میں مضمر ہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟ اگر قدرت کا یہ سارا کارخانہ بے مقصد اور بے دلیل ہے تو پھر اس بے منصوبہ عمل سے نظم و ربط کیسے ظاہر ہوگئے۔ وحدت سے کثرت نے کس طرح اور کس منصوبہ کے مطابق جنم لیا۔ ارتقاء کے میکانکی اور اندھے لزوم سے شعور و ذہن کیسے وجود میں آئے۔ آخر کون سا وہ مجوز تھا جس نے بے شعوری سے شعور کو ظاہر کرنا تجویز کیا۔ آپ اس مسئلہ پر جس قدر بھی غور کریں گے آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ خود مادئین اس معاملہ میں بے حد الجھے ہوئے ہیں اور وہ شعور رکھنے والی کسی بالاتر ہستی کا انکار کرتے کرتے خود اپنے نظامِ فکر میں لاتعداد رخنے چھوڑ جاتے ہیں اگر آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ میں ایک ربط و تنظیم ہے اور اس کا ارتقاء ایک لگی بندھی تجویز کے مطابق ہو رہا ہے تو آپ کو لامحالہ یہ بھی ماننا ہوگا کہ کسی باشعور ذات نے اس سارے کارخانہ کو پیدا کیا ہے اور اس کو وجود عطا ہونے کے بعد آپ اسی کی تجویز کے مطابق یہ سارا نظام چل رہا ہے مگر اسے فکری کجی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اصحابِ "عقل و دانش" نہ صرف ان مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ انہیں پر اپنے سارے نظامِ فکر کی بنیاد بھی رکھتے ہیں مگر جب انہی مقدمات سے نتائج ان کے اپنے نظامِ فکر سے قدرے مختلف ہوتے ہیں تو وہ انہیں بلا تکلف جھٹلاتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں اس وقت اس نظریہ کی فکری لغزشوں پر کوئی سیر حاصل بحث کرنا مطلوب نہیں بلکہ جو کچھ بتانا مقصود ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے انسانیت کی ایسی مٹی پلید کی ہے کہ اس کے اظہار سے قلم عاجز ہے۔ ان حضرات نے صرف یہ دیکھ کر کہ انسان کے مادی وجود کا تانا بانا عناصر طبیعی کے مجموعہ سے عبارت ہے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ وہ کسی بلند و بالا ہستی کا خلیفہ نہیں بلکہ حیوانات کی دیگر انواع میں سے ایک نوع ہے اس میں اور دوسرے حیوانات میں بس اتنا فرق ہے کہ یہ تعقل کی زیادہ ترقی یافتہ قوتیں رکھتا ہے مگر جو ترقی یافتہ قوتیں اس کے پاس ہیں ان کا مصرف اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حیوانی مقاصد ہی کو زیادہ کمال کے ساتھ پورا کرنے میں ان سے کام لیا جائے۔ انسانیت کے "یہ محسن" انسان پر یہ کرم فرمائی کرتے ہوئے اس حقیقت کو غالباً بھول گئے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس "خلیفۃ الارض" میں عناصر طبیعی کی تاریکی کے ساتھ ذہن و شعور کی شمع بھی روشن کی ہے جو مادہ سے بالاتر ایک حقیقت ہے۔ اس لحاظ سے اصول حیات مادہ سے لینے کی وجہ سے انسان کی کچھ مادی احتیاجات ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے وہ بعض اوقات نہایت نچلی سطح پر اتر آتا ہے مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ یہی انسان بسا اوقات سیرت و کردار، ایثار اور بے لوثی کے ایسے بلند مقامات پر جا کھڑا ہوتا ہے جو پوری نوع انسانی کے لئے سرمایۂ صد افتخار ہے مگر افسوس کہ اشتراکیت نے انسان کو محض ایک نفع پرست اغراض کا غلام اور جذبات کا بندہ سمجھ کر اس کا مطالعہ کیا۔ اشتراکیت اس کی فطرت کے متعلق انتہائی مایوس ہے۔ وہ اس ترقی یافتہ "معاشی حیوان" سے یہ توقع نہیں رکھتی کہ اگر کوئی معاشی قوت اس کی امانت میں سونپی جائے تو وہ دیانت دار ثابت ہوگا۔

ان ابتدائی گزارشات کے بعد اب ہم اشتراکی فلسفہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

۱۔ تاریخ کی مادی تعبیر ایک مفکر کا قول ہے کہ اجتماعی عمل کا ہر نظریہ لازمی طور پر فلسفۂ تاریخ ہوتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے کبھی زندگی اور اس کے مسائل پر سوچا وہ ہمیشہ تاریخی ارتقار کی ایسی شاہراہ کی جستجو کرتے رہے جس سے انسان کے قدم کبھی نہ ہٹے ہوں۔ ان کے ذہن کسی ایسے سلسلہ کی تلاش میں رہتے ہیں جنہیں اگرچہ انسانوں نے خود محسوس نہ کیا مگر جو شروع سے آخر تک قائم رہا۔ ارتقار کی اسی شاہراہ کو اور نشوونما کے اسی سلسلہ کو دریافت کرنے کے لئے مارکس نے بھی دماغ سوزی کی۔ اس نے اس سلسلہ میں ہیگل کی طرح زیادہ تر منطق سے کام لیا اور زندگی کو منطقی مقدمات و نتائج کا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیچ در پیچ سلسلہ تصور کر لیا۔ ہیگل کے نزدیک اصل چیز تصور ہے اور معاشرتی مظاہر اس کے مجسمے۔ اس کے برعکس مارکس کا دعویٰ یہ ہے کہ کسی عہد کا معاشی نظام ہی تاریخ کے ہر دور میں زندگی کی بنیاد ہے۔ مذہب تہذیب، فلسفہ حیات، فنونِ لطیفہ سب اسی معاشی نظام کے لرخ زیبا کا عکس ہیں۔ یہی نہیں بلکہ تمام انسانی تخیلات و جذبات اور عزائم اسی سے مستفیض ہوتے ہیں۔ فکرِ معاش کی تگ و تاز ہی فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے۔ الغرض یہی معاشی نظام حیاتِ انسانی کے سارے مشاہدات کا اصل خالق ہے۔ بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پیٹ کے تقاضوں کے علاوہ بھی کچھ تقاضے رکھتے ہیں اور وہ ان کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں مگر وہ سب ایک شدید غلطی کا شکار ہیں انسانی زندگی کا اصل محرک صرف شکم ہے۔ مارکس نے اسی طرزِ فکر کو اپنے فلسفۂ تمدن کا سنگِ بنیاد قرار دیا ہے کیونکہ اس کے نزدیک زندگی کی تمام قدروں کی تخلیق و تکوین اسی کے توسط سے عمل میں آتی ہے۔

نشوونما کا یہ طریقہ بتانے میں بھی مارکس نے ہیگل ہی کی رہنمائی حاصل کی ہے۔ ہیگل کا خیال یہ ہے کہ انسان اپنی روحانی اور جسمانی ضرورت کو دیکھتے ہوئے کوئی معاشرتی نظام قائم کرتا ہے جو در اصل برح مطلق ایک قدم آگے بڑھتی ہے تو اس تردید کا نتیجہ ایک نئے نظام کی صورت میں رونما ہوتا ہے جو گذشتہ اور موجودہ تصورات اور نظام کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ مارکس بھی بالکل اسی طرح یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہر زمانے میں صنعتی پیداوار کے طریقے ہی اس عہد کے معاشرتی تعلقات کو متعین کرتے ہیں رفتارِ زمانہ کے ساتھ جب طریقِ پیدائش کی نئی نئی گرہیں کھلتی ہیں تو زندگی کے دوسرے شعبوں میں ترتیب نہیں رہتی اور معاشرتی تعلقات کو ایک نئی شکل دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی وہ کوششیں ہیں جنہیں ہم تاریخ عالم میں انقلابات کے نام سے تعبیر کرتے۔ چونکہ ایجادات و اکتشافات کا ایک لامتناہی سلسلہ طریقِ پیدائش میں ہر آن تبدیلی پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس لئے انسانیت کو کبھی کسی منزل پر سکون اور قرار نصیب نہیں ہوتا۔ جب ایک منزل پر اس کا قافلہ پہنچ جاتا ہے تو پھر پیداوار کے طریقوں میں ایک تغیر رونما ہوتا ہے جو انسانیت کو پھر بے چین کرکے اُسے آگے بڑھنے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی کی بدولت انسان میں عمل کی خواہش، کچھ ہونے کی تمنا اور اپنی قوتوں کو ایک راہ پر ڈالنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اگر یہ معاشی محرک ہمیں سرگرم عمل نہ کرے تو دنیا ایک قبرستان کا سا نقشہ پیش کرنے لگے۔

اس نظریہ سے نہ صرف انسانی ارتقار کی شاہراہ معلوم ہوتی ہے بلکہ اس سے اخلاقی اقدار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ایک نیا تصور بھی سامنے آتا ہے۔ اس کے مطابق دنیا کی ساری صداقتیں اضافی قرار پاتی ہیں یعنی ہر صداقت جس دور کے خارجی حالات سے وجود پذیر ہوتی ہے اسی دور کے ختم ہو جانے پر ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔ ایسی کوئی صداقت نہیں اور نہ ہو سکتی ہے جو ہر زمانہ کے لیئے یکساں طور پر صحیح اور ابدی ہونے کا دعویٰ کرے۔ لہٰذا ہر دور کا اپنا ایک الگ "قرآن" ہے یہ نیک و بد، محمود و مذموم یا حق و باطل کی تفریق سراسر فریب ہے۔ ایک چیز جو ایک دور میں حق ہے وہی دوسرے دور میں باطل ہو سکتی ہے اگر کسی چیز کا وجود کسی دور کے معاشی تقاضوں کے لیئے ناگزیر ہے تو وہ مستحق اور پسندیدہ ہے لیکن یہی چیز اگر معاشی تقاضوں کے بدل جانے سے بیکار ہو جائے تو وہ باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک فعل جو خاص ماحول میں نیکی تصور کیا جاتا ہے معاشی ماحول بدل جانے کی وجہ سے برائی نظر آنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انسانی تصورات وتخیلات اور اخلاقی اقدار خارجی احوال و واقعات اور خصوصًا معاشی نظام کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اس نظریئے کو مارکس تاریخ کی مادی تعبیر کا نام دیتا ہے اور یہی اس کا وہ علمی کارنامہ ہے جس پر اس کو بڑا ناز ہے۔

اشتراکیوں کے ہاں جس قدر اہمیت تاریخ کی اس مادی تعبیر کی ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اینجلز کی اس تقریر سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے مارکس کی موت پر کی۔ وہ کہتا ہے۔

"جس طرح ڈاروِن نے فطرت میں قانونِ ارتقاء کو دریافت کیا اسی طرح مارکس نے انسانی تاریخ میں ارتقاء کے قانون کو معلوم کیا۔ اس نے ایک ایسی بدیہی حقیقت کا کھوج لگایا جو امتدادِ زمانہ کی لپیٹ میں آکر نظری بحثوں میں گم ہو گئی تھی۔

"نسلِ انسانی کو سب سے پہلے کھانے کے لیئے خوراک پینے کے لیئے پانی، رہنے کے لیئے مکان اور تن ڈھانکنے کے لیئے کپڑا میسر آنا چاہیئے اس کے بعد ہی وہ سیاست، مذہب، سائنس اور دیگر فنون میں دلچسپی لے سکتا ہے لہٰذا طریقِ پیدا وار ہی اصل بنیاد ہے جس پر سماجی زندگی کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے یہی وہ اساس ہے جس پر ریاستی ادارے، قانونی تصورات، علوم و فنون حتیٰ کہ مذہبی معتقدات کے رفیع الشان محلات اٹھائے جاتے ہیں"[1]

---

[1] MARX SELECTED WORKS. P 166

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲- طبقاتی نزاع تاریخ کی مادی تعبیر سے ہی طبقاتی نزاع CLASS STRUGGLE کے تصور کو اخذ کیا گیا ہے مارکس کے نزدیک ہر معاشی نظام جب ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے اندر سے ہی بعض نئی پیداواری قوتیں نمودار ہو کر اپنے زمانہ کے حالاتِ پیداوار سے متصادم ہو جاتی ہیں۔ نئی قوتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ مروجہ نظام جس طبقاتی تقسیم پر مبنی ہے اسے بدل کر طبقوں کی از سرِ نو تقسیم عمل میں لائی جائے اور وہ ملکیتی نظام بھی تبدیل کیا جائے جو افرادِ معاشرہ کے ملکیتی تعلقات کو منضبط کرتا ہے۔ یہ مطالبہ ان طبقوں پر سخت شاق گزرتا ہے جنہوں نے نہایت عیاری سے مروجہ معاشی تنظیم اور طبقاتی تقسیم میں دوسرے طبقوں سے زیادہ قوت اور اقتدار حاصل کر لیا ہے اقتدار کی لذت اور مال کی محبت انہیں اپنے حقوق خواہ کتنے ہی ناجائز ہوں چھوڑنے نہیں دیتی حکومت کی مسند پر یہی لوگ براجمان ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنے مفادات کی پوری طاقت کے ساتھ حفاظت کر سکتے ہیں اسی طرح ہر معاشرہ میں ناجائز انتفاع کرنے والوں کا ایک طبقہ موجود ہوتا ہے جو دوسروں کے خون گرم سے ملپنے لئے سامانِ عیش مہیا کرتا ہے۔ اس لیے جب کسی معاشی تنظیم میں نئی پیداواری صلاحیتیں ابھر کر مروجہ طبقاتی تقسیم کی بنیادوں کو متزلزل کر دیتی ہیں تو یہ طبقے ان قوتوں کو مٹانے اور دبانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کیونکہ ان طبقوں کی فتح اور کامرانی برسرِ اقتدار گروہ کے لئے موت کا پیغام ہوتی ہے دوسری طرف وہ طبقے جنہیں قوتِ لایموت بھی میسر نہیں آتی جو صرف اس لیے جیتے ہیں کہ اپنے قوائے ذہنی اور جسمانی کو اس مخصوص جماعت کی ضرورت و حوائج پورا کرنے میں کھپا دیں وہ جب نئی پیداواری قوتوں کو آتے دیکھتے ہیں تو ان کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کرتے ہیں کیوں کہ انہیں ان قوتوں کی کامیابی کے ساتھ ایک بہتر معاشی نظام کی توقع ہوتی ہے اس طرح غالب و مغلوب، ظالم و مظلوم میں ایک مستقل کشمکش جاری رہتی ہے جسے عام طور پر طبقاتی نزاع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مارکس کے نزدیک انسانیت کے تمام اہم فیصلے جو زندگی کو بدلنے والے ہوں وہ اسی کشمکش کا نتیجہ ہیں اس جنگ میں غالب معاشی طبقہ مروجہ معاشی نظام کا حامی اور رائج الوقت ملکیتی نظام کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس نظام کو خواہ وہ کتنا ہی فرسودہ اور بیکار ہو جوں کا توں قائم رکھے۔ اس کے برعکس مظلوم طبقے مروجہ معاشی نظام کی سختیوں اور چیرہ دستیوں کی وجہ سے اسے جلد از جلد بدلنے کے متمنی ہوتے ہیں کیونکہ اس کی تبدیلی کے ساتھ ہی ان کی حالت کچھ بہتر ہو سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برسرِ اقتدار طبقہ کچھ دیر تک اپنے اقتدار کے سہارے اِن نئی قوتوں کو دبانے میں کامیاب ہو جاتا ہے مگر جوں جوں وقت گزرتا ہے بغاوت کی یہ آگ اتنی پھیل جاتی ہے کہ پھر اسے قابو میں رکھنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ ایک شدید کشمکش کے بعد ظالم اس بات پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ اقتدار کی باگیں اِن مظلوموں کو منتقل کر دیں پسے ہوئے طبقوں کی اِس کامرانی کے ساتھ معاشی نظام بھی بدلنے لگتا ہے اور سماج کی تنظیم بالکل ایک نئی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

مارکس کا دعویٰ ہے کہ تاریخ انسانی کے تمام عظیم الشان واقعات وحوادث اور بڑے بڑے سیاسی انقلابات کی تہ میں دراصل یہی طبقاتی نزاع کام کرتی ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر تصادم کے وقت دونوں طبقوں کو اس امر کا بھی احساس ہو کہ وہ کسی معاشی غرض کی خاطر آپس میں برسرِ پیکار ہیں مگر جب تہ میں جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غرض خواہ کچھ ہی ہو، مقصد چاہے کس قدر بلند و بالا ہو، اور اسے خواہ کتنے مقدس ناموں سے پکارا جاتا ہو، دونوں طبقوں کے تحت الشعور میں جو چیز کام کرتی ہے، جو جذبہ انہیں بھڑکاتا ہے وہ یہی شکم اور اس کے تعلقات ہیں چنانچہ مارکس اور اینجلز نے اشتمالی منشور کا آغاز اس دعویٰ سے کیا ہے۔

"انسان نے آج تک جتنے معاشرے قائم کئے ہیں ان سب کی تاریخ طبقاتی نزاع کی تاریخ ہے۔ غلام اور آقا، امرا اور جمہور، سرمایہ دار اور مزدور مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم ہمیشہ سے ایک دوسرے کے مخالف اور باہم برسرِ پیکار رہے ہیں۔

محنت اشیاء کی اصل قدر

مارکسیت کا ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ کسی شے کی اصل قدر محنت کی، وہ مقدار ہے جو اسے پیدا کرنے میں صرف ہوتی ہے" مارکس اسے نظریۂ قدر زائد (SURPLUS THEORY OF VALUE) کے نام سے تعبیر کرتا ہے چنانچہ محنت کش کے علاوہ جو دوسرا آدمی بھی اس سے کوئی منافع حاصل کرتا ہے "استحصال" ہے۔

اس نظریۂ قدر زائد کی صحت اگرچہ مشکوک رہی ہے مگر اس کی افادیت میں کبھی کلام نہیں ہوا اس سے ہر طرز خیال کے لوگ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں جب ایک دور میں ذاتی ملکیت کو جائز قرار دینا مقصود تھا تو اسی کا سہارا لیا گیا اور اب جبکہ اسے باطل ٹھہرایا جا رہا ہے تو اس آڑے وقت میں بھی اِسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مدلل گئی۔ اس کے اس "سیمابی کردار" کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین میں عقل و استدلال سے زیادہ جوش اور جذبات سے کام لیا گیا ہے۔

صنعتی انقلاب کے بعد جب سرمایہ پرستوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا اصول وضع کیا جائے جو انہیں کمانے اور صرف کرنے کی مکمل آزادی دے تو انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ معاشرہ میں ہر فرد کا یہ پیدائشی حق ہے کہ وہ اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی کو جس مصرف میں چاہے لے آئے اور اس کے اس فعل پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے کیونکہ اس نظام کے حامیوں کے نزدیک انسان کبھی کوئی کام پورے جوش و انہماک اور سرگرمی سے نہیں کر سکتا جب تک اسے ذاتی فائدہ اور نفع کی توقع نہ ہو اور اطمینان نہ ہو کہ اپنی محنت سے جو دولت وہ پیدا کرے گا وہ اس کی ملک ہو گی پھر اسے یہ اختیار بھی ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی دولت جس شکل میں چاہے محفوظ رکھ سکے۔ کیونکہ پیدائش کی ہر قسم خواہ وہ مکان کی صورت میں ہو یا کارخانہ کی شکل میں، مجرد محنت کی ہی کرشمہ سازی ہے چنانچہ آدم سمتھ اور ریکارڈو نے یہ اصول وضع کیا کہ اشیاء کی قدر تبادلہ کا اصل معیار مزدوروں کی محنت ہے۔ لاک نے اسی مفروضہ کی بنا پر کہ ہر شے کو محنت ہی "قدر" بخشتی ہے ذاتی ملکیت کے حق کی پورے زور کے ساتھ تائید کی۔

مارکس نے اپنا نظریۂ قدر (THEORY OF VALUE) انہی مفکرین سے مستعار لیا مگر اس نے اس سے بالکل مختلف نتائج اخذ کئے۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ دنیا کے لاچار اور بے بس مزدور سرمایہ داروں کے ظالمانہ رویہ کے خلاف سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں یہ بات سمجھائی کہ اشیاء کی پیدائش تو تنہا ان کی محنت کا ثمر ہے سرمایہ دار محض اپنی مضبوط حیثیت کی وجہ سے ان کے جائز حصہ میں سے کچھ حصہ سلب کر لیتا ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے حقوق کے لئے برسراقتدار طبقوں کے خلاف صف آراء ہونا چاہیئے اپنے اس نظریہ کی وضاحت وہ ایک مثال سے یوں کرتا ہے وہ کہتا ہے فرض کیجئے، ایک مزدور ایک روپیہ روزانہ کے معاوضہ پر روزانہ آٹھ گھنٹے کام پہ آمادہ ہو جاتا ہے اور اس طرح اپنی محنت کو ایک روپیہ روزانہ میں سرمایہ دار کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے۔ مارکس سوال کرتا ہے کہ اجرت کی یہ شرح کس طرح متعین ہوئی ہے؟ کیا واقعی آٹھ گھنٹے کی محنت ایک روپیہ قیمت رکھتی ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ یہ اجرت محنت کی حقیقی قیمت کے لحاظ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقرر نہیں ہوئی ہے۔ جو چیز اس اجرت کے تعین میں فیصلہ کن ہے وہ مزدور کی بے بسی اور فاقہ مستی کا وہ خوف ہے جو معاشرہ میں کمزور ہونے کی وجہ سے اس کے دل و دماغ پر ہر وقت چھایا رہتا ہے "آفت فردا" اُس کے حوصلوں کو بلند نہیں ہونے دیتی اور وہ کم سے کم معاوضہ قبول کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے وہ معاوضہ جو اس کے اہل و عیال کے جسم و روح کے رشتے کو قائم رکھنے کیلئے کافی ہو۔ مزدوروں کی یہ ناداری سرمایہ دار کو اِس کے استحصال کی دعوت دیتی ہے۔ ملک کا دولت مند و باختیار طبقہ اِن کمزوروں کی کمائی پر بے دریغ ڈاکا ڈالتا ہے۔ اور اس طرح دولت وقت کی رفتار کے ساتھ ایک محدود حلقہ میں مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے۔

مارکس کے نزدیک چوں کہ کسی شے کی اصل قدر صرف محنت ہے اس لئے اُس کی قیمت کا واحد اور جائز حقدار بھی صرف مزدور ہی ہے لیکن چوں کہ اس میں دورِ جدید کے بیش قیمت آلاتِ پیدائش خرید کرنے کی قوت نہیں ہوتی اس لئے وہ مجبوراً اس بات پر تیار ہو جاتا ہے کہ صرف قوتِ لایموت پر قناعت کرے اور بقیہ قدر، جسے قدرِ زائد SURPLUS VALUE کہا جاتا ہے آلات، پیسہ اور دوسرے وسائل مہیا کرنے والوں کو دے دے۔ اس لوٹ کھسوٹ اور "قانونی ڈاکہ زنی" کو ختم کرنے کی اشتراکیوں کے نزدیک صرف ایک ہی صورت ہے کہ ذرائع پیداوار پر ان ظالموں کے قبضہ کو ختم کر کے انہیں پورے طور پر حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے۔

۴۔ **اشتراکی نظریۂ ریاست** سب سے آخر میں اشتراکیت کا نظریۂ ریاست ہے، مارکس سرمایہ دارانہ ریاست کو ایک ایسا ادارہ خیال کرتا ہے جس کی غرض بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ دولت مندوں اور برسرِ اقتدار طبقوں کے مخصوص مفادات کی پاسبانی اور حفاظت کرے ہر عمرانی ادارہ کی طرح ہر سیاسی ادارہ بھی اس کے نزدیک ایک مروجہ نظامِ معیشت کا خارجی قالب ہوتا ہے جس کی قوتِ ناظرہ کے پیش نظر "مفاد کلی" کا استحکام و اثبات نہیں ہوتا بلکہ اِس کے وجود کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ جن افراد کے ہاتھوں میں دولت آجانے کی وجہ سے اقتدار کی باگیں بھی ہیں انہیں زیادہ سے زیادہ مضبوط کیا جائے۔ اس کی قوت غریبوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور اس کا نظم مظلوموں کے لئے ایک سب سے بڑی زنجیر ہے۔ یہ وہ قفس ہے جس کی بے رحم سلاخیں ہر اس شخص کا سر پھوڑ دیتی ہیں جو ظلم کے ماحول سے گھبرا کر معمولی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرکت بھی کرے اِس کے سارے کاموں پر طلسم کا ایک ایسا پردہ پڑا ہوتا ہے جو حقیقت کو بے نقاب نہیں ہونے دیتا اور عوام غلطی سے اسے عدل وانصاف کی ایک میزان خیال کرتے ہیں اس وجہ سے اس کی اطاعت کیشی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ظلم و عدوان، جبر واستبداد، بے انصافی اور معاشی استحصال کے سامنے سجدہ ریز رہے۔ مارکس اور اینجلس نے شمالی نشور میں اس ادارہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

"ریاست ایک طبقہ کو پامال کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ ایک گروہ کو مٹانے اور اس پر مظالم ڈھانے کی ایک تنظیم ہے"

لہٰذا دنیا کے مزدوروں کے لئے اصلاحِ حال کی اگر کوئی صورت ممکن العمل ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ اقتدار کو سرمایہ داروں سے چھین کر محنت کشوں کی ایک ایسی جمہوریہ قائم کی جائے جس میں پوری مملکت کا انتظام "معصوم" اور "منزہ عن الخطا" پرولتاریہ کے ہاتھوں میں ہو۔

یہ ہیں وہ بنیادی اصول جن پر اشتراکیت کی سربفلک عمارت تعمیر کی گئی ہے۔

سرمایہ داری اور سوشلزم کی مشترک اقدار سوشلزم کے علمبردار اس انقلاب کا بڑے جوش وخروش سے تذکرہ کرتے ہیں اور انسانیت کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تحریک فکر وعمل کا کوئی بہت بڑا انقلاب لانے میں کامیاب ہوئی۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ آخر سوشلزم نے سرمایہ داری کے برعکس انسانیت کو کون سی نئی اقدار دی ہیں۔ آپ اس معاملہ پر جتنا غور کریں گے آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ سوشلزم سرمایہ داری سے کسی لحاظ سے بھی مختلف نہیں۔ لوگ محض سوشلسٹوں کے پروپیگنڈے سے مسحور ہو کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ نظام سرمایہ دارانہ نظام سے مختلف ہے حالانکہ اگر دقتِ نظر سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جائیگی کہ سوشلزم سرمایہ داری سے الگ کوئی نظام نہیں اور نہ یہ اس کے خلاف کوئی ردِ عمل ہے بلکہ یہ سرمایہ داری ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ ایک مغربی مفکر شین I. SHEEN نے بڑی صحیح بات کہی ہے کہ جن اقدار کو سرمایہ داری پرچون کے بھاؤ بیچتی ہے انہیں سوشلسٹ نظام تھوک کے بھاؤ فروخت کرتا ہے[1]

---

[1] Fulton I. Sheen:
COMMUNISNI AND THE CUNSCIENCE OF THE WEST

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئیے اب ایک نظر اُن نظریات پر بھی ڈال لیجئے جو سرمایہ داری اور سوشلزم میں مشترک اقدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) سرمایہ داری کا اساسی اصول یہ ہے کہ کسی شے کی قدر یا کسی فعل کے صحیح اور غلط ہونے کا اصل مدار یہ ہے کہ وہ شے یا فعل مادی نقطۂ نظر سے کس قدر نفع بخش اور مضرت رساں ہے سرمایہ دارانہ نظام میں نجی زندگی کے ہر معاملے کو جیب اور پیٹ سے جانچا جاتا ہے اور یہی حال سوشلزم کا ہے۔

سوشلزم سرمایہ داری پر البتہ اس اعتبار سے فوقیت رکھتا ہے کہ اس نے اس منافقت کو ختم کیا ہے جو اس نظام میں پائی جاتی ہے۔ جس چیز کو سوشلزم کے علمبردار سرمایہ داری کے تناقضات کہتے ہیں وہ درحقیقت وہ منافقت یا دو رنگی ہے جو سرمایہ دار عوام کو بیوقوف بنانے اور انہیں اپنے چنگل میں گرفتار رکھ کر اُن کی محنت سے ناجائز استحصال کی غرض سے زندگی کے مختلف معاملات میں روا رکھتے ہیں مثلاً سرمایہ دار اخلاق کا اس انداز سے ذکر کرتے ہیں جیسے کہ وہ سب کچھ اس کی خاطر قربان کرنے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن عملاً انہیں اخلاق اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ زندگی کے سارے مسائل کو مادی اور دنیوی نقطۂ نظر سے حل کرتے ہیں اور ان کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ اس معیار کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ آپ سرمایہ داروں کی دنیا پرستی کا اندازہ اس ایک امر سے لگا سکتے ہیں کہ اِن کی مشنریاں بھی عیسائیت کا پرچار کرنے کی بجائے اپنی اپنی حکومتوں کے استعماری عزائم کی تکمیل کیلئے سرگرم عمل رہتی ہیں اور حکمران انہیں جن گھٹیا مقاصد کے لئے چاہتے ہیں استعمال کرتے رہتے ہیں مادی تقاضوں کے تحت ان مشنریوں نے مذہب کا اس قدر حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے کہ اب اگر کوئی شخص حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح اور اصلی تعلیم جاننے کا خواہشمند ہو تو اسے اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

سوشلزم نے بھی ہمیں یہی بتایا ہے کہ کسی شے یا فعل کی حقیقی قدر۔ اس کی مادی افادیت ہے اس نے البتہ جرأت کے ساتھ اس منافقت کا پردہ چاک کیا ہے جو سرمایہ داروں نے مذہب اور اخلاق کے بارے میں اختیار کر رکھی تھی۔ اس نے بڑے واضح الفاظ میں کہا کہ انسان کی اصل ضرورت مادی احتیاجات کی تکمیل ہے اور جن ذرائع سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے وہی معاشرے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں۔ جب انسان نے دنیوی منفعت، کام و دہن کی لذت جنسی خواہشات کی تکمیل کو اپنا گوہر مقصود بنا لیا ہے تو پھر جو چیز اس کی راہ میں حائل ہو وہ باطل اور غلط ہے وہ جتنی جلدی مٹ جائے اتنا ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرد اور معاشرے کے لئے بہتر ہے۔ اس بنا پر دنیا میں نہ تو کوئی مذہب ہے اور نہ اخلاق اور نہ کسی مافوق الطبیعی ہستی کا وجود جن کی اطاعت ہم پر فرض ہو۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سوشلسٹ مستقبل فقار کے سلسلے جذبات کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب ایک غیر طبقاتی سماج معرض وجود میں آئے گا اور پھر حکومت اور ریاست کا بھی وجود باقی نہ رہے گا۔ سطح بیں آنکھیں انہیں سوشلزم کی بہت بڑی کامیابی سمجھتی ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ حکومت و مملکت اور اس نوعیت کے دوسرے ادارے اگر اپنے فرائض ٹھیک طور پر سرانجام دیں تو یہ انسان کو حیوانات کی سطح سے اٹھا کر ایک اخلاقی اور روحانی سطح پر لا کر صحیح معنوں میں جوہر انسانیت سے ہمکنار کر سکتے ہیں اور یہی انسان کا اصلی شرف ہے۔

لیکن اس کے برعکس اگر انسان کو محض اپنے حسی تقاضوں کی تکمیل کے لئے زندہ اور سرگرم عمل رہنا ہے اور ان تقاضوں کے علاوہ اپنے سامنے کوئی ارفع و اعلیٰ مقصد نہیں رکھتا تو وہ انسان ہونے کے باوجود حیوانات کی سطح پر زندہ رہتا ہے اور ہر نوع کے تنظیمی اور تربیتی ادارے سے بے نیاز ہے۔ جس چیز کو اشتراکی اپنی بڑی فتح و کامرانی سمجھتے ہیں وہ درحقیقت انسانیت پر حیوانیت کی فتح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس دور میں داخل ہو جانے کے بعد خالص حسی محرکات سے سرگرم عمل ہو گا اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا محرک اس کے لئے اپنے اندر کوئی قوت نہ رکھے گا۔ اگر گھاس کے وسیع و عریض میدان ہوں اور جانوروں کو یہ آزادی ہو کہ وہ جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں چر چگ لیں تو انہیں کسی چرواہے کی ضرورت نہیں ہوتی جو انہیں ہانکتا پھرے ان کی بھوک اور سبزے کی دل کشی عمل کے صحیح محرکات ہیں۔ اسی طرح اگر انسان بھی صرف ان مادی احتیاجات کی تسکین کے لئے زندہ رہنے کا سبق سیکھ لے اور باقی احتیاجات یا محرکات کو ختم کر دے تو پھر وہ کسی سلطنت، مملکت اجتماعی نظم یا تربیتی ادارے کا ضرورت مند نہیں رہتا۔ اپنی احتیاجات کا وجود اور ان کی تکمیل کے ذرائع اسے سرگرم عمل کرنے اور اس کی صلاحیتوں کو ایک راہ پر لگانے کے لئے کافی ہیں۔

(۲) سرمایہ دارانہ نظام نے ایک محدود پیمانے پر انسانی آزادی کو سلب کیا۔ یہی رجحان غیر معمولی قوت کے ساتھ ہمیں سوشلسٹ نظام میں نظر آتا ہے اور اس رجحان کے تجزیہ سے یہ بات پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس کے پیچھے ایک ہی احساس، ایک ہی جذبہ اور ایک ہی طرز فکر کار فرما ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ رجحان اجتماعی شعور کا ترجمان ہے جو مذہبی رجحان کی ضد ہے۔ مذہب نے انسان کے بارے میں جو تصور دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسانیت کا ہر فرد ایک ذی روح مخلوق ہونے کی بنا پر ایک الگ شخصیت کا مالک ہے اور وہ اچھے برے جو اعمال بھی کرتا ہے اسے آخرت میں بحیثیت فرد سزا و جزا کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ اسے اگرچہ اجتماعی زندگی کے منجدھار میں اتارا گیا ہے لیکن اس معاملے میں مقصد یہی ہے کہ اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو کر اس کی انفرادیت مستحکم اور مضبوط ہو۔ اس تصور کے برعکس مادیت نے انسان کے بارے میں یہ تاثر دیا ہے کہ وہ مشین کا محض ایک بے بس پرزہ ہے۔ اس کی جو بھی افادیت ہے وہ اس قدر ہے کہ اجتماعی فوائد کے لیے اسے استعمال کیا جائے یہاں اصل مقصد اجتماعی مفادات کا حصول ہے اور انسان کا ان کی بھینٹ چڑھ جانا بھی اس کی کامیابی و کامرانی ہے آپ اگر انسان کے بارے میں ان دو متضاد تصورات کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ سرمایہ داری اور سوشلزم دونوں اس معاملے میں ایک دوسرے سے پوری طرح متفق ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام بھی فرد کو اجتماعی مفادات کے حصول کا محض ذریعہ سمجھتا ہے اور اسے اجتماعی مشین کے اندر صرف ایک کل پرزہ سمجھ کر اس سے معاملہ کرتا ہے۔ وہ نہ صرف مادی مصالح کے پیش نظر اس کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ اس کے افکار و نظریات اُس کے احساسات و جذبات اور اس کے اخلاق و اطوار کی بھی اپنے مفادات کے نقطۂ نظر سے صورت گری کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرمایہ داری کے اندر بعض مقامات پر مذہب اور انفرادیت کا نام لیا جاتا ہے لیکن عملاً ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں ملتی۔ سرمایہ دارانہ نظام میں معاشرے کا گو ہر مقصود ایک ہی ہوتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اشیاء پیدا کر کے مادی اعتبار سے لوگوں کو خوشحال بنا دے۔ اب اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک محدود سا طبقہ ذرائع پیداوار پر قابض ہونے کی وجہ سے مزدوروں کی محنت سے قدر زائد کی بہت بڑی مقدار جمع کر کے بے حد امیر ہو جاتا ہے اور پھر دولت کی اس فراوانی سے مزدوروں کو مزید ذرائع پیداوار فراہم کرتا ہے اور انہیں اس طرح محنت و مشقت کے زیادہ مواقع بہم پہنچاتے ہیں سرمایہ دارانہ نظام کے علمبرداروں کی رائے یہ ہے کہ اگر یہ طریق اختیار نہ کیا جائے تو پھر سرمایہ کی تشکیل CAPITAL FORMATION ممکن نہیں ہو سکتی اس کی صورت یہ ہے کہ معاشرے میں چھوٹے چھوٹے اجتماعی مفادات پیدا کیے جائیں اور پھر ان مفادات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خاطر لوگوں کو قربانیوں پر آمادہ کیا جائے ۔ قوم پرستی کا جنون بھی اسی تصور کا شاخسانہ ہے قوم پرستی سے مراد قوم کی محبت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے ۔ قومی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نظریہ یا فعل پر صحیح اور غلط یا محمود و مذموم کا حکم لگایا جائے جو مسلک قوم کے مادی مفاد کے لئے مفید ہو اسے جائز قرار دیا جائے اور جس کی زد اس مفاد پر پڑتی ہو اسے ناجائز سمجھتے ہوئے مسترد کر دیا جائے

آپ سرمایہ دارانہ نظام کے اس پورے طرز فکر اور طرز عمل کو دیکھیں تو یہ بات خود بخود واضح ہو جائیگی کہ سرمایہ دارانہ نظام میں مذہب کے برعکس اصل چیز انفرادی شعور کی بجائے اجتماعی شعور ہی ہوتا ہے ۔ اور پروفیسر ٹائن بی کے الفاظ میں فرد معاشرے سے اس نوعیت کا تعلق رکھتا ہے جو ایک پتے کو درخت سے ہوتا ہے ۔ ایک فرد کے نہ تو اپنے کوئی الگ مفادات ہیں اور نہ اس کی اپنی کوئی الگ مستقل حیثیت ہے وہ اینٹ اور پتھر کا ایک ٹکڑا ہے جسے اجتماعیت کا معمار جس طرح چاہتا ہے توڑ پھوڑ کر استعمال کرتا رہتا ہے ۔

سوشلزم سرمایہ داری ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے ، سرمایہ داری میں چھوٹے چھوٹے طبقوں کے مفادات اجتماعی صورت اختیار کر کے فرد کی انفرادیت سلب کرتے ہیں اور سوشلزم میں یہی کام نہایت وسیع پیمانے پر کیا جاتا ہے البتہ سوشلزم کو ایک امتیاز یہ ضرور حاصل ہے کہ وہ کھلے بندوں یہ بات کہتا ہے اجتماعی مفادات کا حصول ہی کسی معاشرے کی حقیقی غرض و غایت ہے اور کسی فرد کے الگ اور مستقل کوئی حقوق نہیں ۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ذرائع پیداوار کے مالک اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے محنت کشوں کی مشقت کے ثمرات کا بیشتر حصہ ہتھیا لیتے ہیں سوشلزم میں یہ کام خود حکومت سرانجام دیتی ہے ۔ وہ محنت کشوں سے جس طرح چاہتی ہے فائدہ اٹھاتی ہے اور وہ جو قدر زائد پیدا کرتے ہیں اسے خود حاصل کرتی ہے ۔ اگر سرمایہ دارانہ نظام میں بے بس مزدوروں کی بے بسی سے سرمایہ دار ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں تو سوشلسٹ نظام میں یہ کام بڑے وسیع پیمانے پر کیا جاتا ہے یہاں نہ صرف ان کی محنت کے مقابلے میں کم معاوضے دے کر قدر زائد کا بہت زیادہ حصہ خود حکومت حاصل کرتی ہے بلکہ عوام کی بے بسی کے پیش نظر انہیں بیگار کیمپوں میں بھیج کر ان سے جبری محنت بھی لیتی ہے ۔ ان کیمپوں میں انسانیت کے ساتھ جو انسانیت سوز مظالم ہوتے ہیں ان کے تصور سے انسان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ——— پھر سرمایہ دارانہ نظام میں چونکہ معاشرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹے چھوٹے طبقات میں منقسم ہو جاتا ہے اس لئے ان کے ناجائز استحصال کا دائرہ بھی سوشلزم کے مقابلے میں نسبتاً تنگ ہوتا ہے۔ مگر سوشلزم میں خود حکومت سرمایہ دار بن کر کمزوروں اور بے بسوں پر وہ سارے مظالم ڈھاتی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار طبقے ڈھاتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سنپولیئے لوگوں کا عرصۂ حیات تنگ کرتے ہیں اور ان کا خون چوستے ہیں مگر سوشلزم میں یہ چھوٹے چھوٹے سانپ مل کر ایک خوفناک اژدھے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو عوام کا لہو پیتا ہے اور دم مارنے کا بھی موقع نہیں دیتا سوشلسٹوں کی یہ منطق ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر ذرائع پیداوار کی ملکیت ناجائز استحصال کا ذریعہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت ان کی مالک بن کر یہی ظالمانہ روش اختیار نہ کرے۔

مسندِ اقتدار کوئی ایسا مقدس اور پاکیزہ مقام تو نہیں کہ جس پر براجمان ہونے کے ساتھ ہی انسان کے اندر سے خود غرضی اور شقاوتِ قلبی بالکل ختم ہو جاتے اور انسان ہر غرض سے پاک اور ہر خطا سے مبرا ہو کر لوگوں کے درمیان اجتماعی عدل قائم کرے۔ اگر افراد کے لئے ذرائع پیداوار کی ملکیت بے بسوں کے ناجائز استحصال کا ذریعہ ہے تو حکومت اس معاملے میں زیادہ ظالم اور سفاک ثابت ہو سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں عوام اس ظلم کے خلاف ایک محدود پیمانہ پر سہی بہرحال صدائے احتجاج بلند کر سکتے ہیں لیکن سوشلسٹ نظام میں چونکہ حکومت ہی واحد سرمایہ دار ہوتی ہے اور اس کے معاشی مفادات افراد کے ہر دوسرے مفادات پر غالب ہوتے ہیں اس لئے وہاں ناجائز استحصال استحصال نہیں رہتا بلکہ قومی خدمت بن جاتا ہے اور جو لوگ اس سے ذرہ برابر بھی گریز کریں وہ قوم اور وطن کے دشمن ہونے کی وجہ سے دار و رسن کے مستحق ہوتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ سوشلسٹ ممالک میں ہر کارکن اور محنت کش کو اس کی محنت کے برابر معاوضہ دیا جاتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے وہاں بھی ایک مختصر سا طبقہ بے کسوں کی مشقت کے ثمرات کا بیشتر حصہ خود حاصل کر لیتا ہے فرق جو کچھ ہے وہ صرف اسی قدر ہے۔ کہ سرمایہ دارانہ نظام میں قدرِ زائد کا استحصال سرمایہ دار طبقے کرتے ہیں مگر سوشلسٹ نظام میں یہ فرض حکومت براہ راست سرانجام دیتی ہے اور اسی وجہ سے اس کا پیمانہ بڑا وسیع ہوتا ہے چنانچہ دیکھئے کہ قدرِ زائد کے استحصال سے سرمایہ دارانہ ممالک میں جس رفتار اور انداز سے تشکیل سرمایہ ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں وہاں جتنی مادی ترقی ہوئی ہے سوشلسٹ ممالک اس استحصال میں غیر معمولی رفتار کی وجہ سے چند سالوں میں سرمایہ دارانہ ممالک پر سبقت لے گئے ہیں اس کی وجہ صرف یہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جس منظم طریق سے سوشلسٹ ممالک میں انسانوں کو بے بس بنا کر ان کی محنت کا استحصال ممکن ہے وہ سرمایہ دارانہ ممالک میں ممکن نہیں ہوتا کیونکہ ان ممالک میں مختلف طبقات ہونے کی وجہ سے حکومت کی گرفت عوام پر اتنی مضبوط نہیں ہوتی جتنی کہ سوشلسٹ ممالک میں ہوتی ہے۔ سوشلزم نے انسانیت کو نہ تو نئے مقاصد دیئے ہیں اور نہ نئے میدانِ عمل جن مقاصد کی تکمیل کے لئے سرمایہ دارانہ نظام قائم ہے انہیں کے حصول کے لئے سوشلزم سرگرم عمل ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جن منازل کو سرمایہ دارانہ نظام نے بڑی سست رفتاری کے ساتھ طے کیا ہے اُن منازل کو سوشلزم بستی رفتاری کے ساتھ طے کر رہی ہے۔ چونکہ اس کی گرفت سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط اور اس کا دائرہ اختیار کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے اس لئے بعدیوں کے رچے بسے معتقدات اور راسخ عادات کو بڑی تیزی کے ساتھ اکھاڑ پھینکتی ہے۔ اس کی یلغار بڑی تیز ہے اور جب یہ کسی معاشرے کا رخ کر لیتی ہے تو پھر وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ مغربی معاشرت کا ایک نمونہ بن جاتا ہے۔ اِس حقیقت کا ایک مفکر نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

"روایات کے علمبردار وہ سماج جہاں سرمایہ دارانہ انقلابات کا آغاز بے حد ضروری تھا مگر روایات کے بندھنوں نے انہیں آنے نہ دیا وہاں آج بیسویں صدی میں اس نوعیت کے انقلابات کے لئے سوشلزم سب سے مؤثر حربہ اور سب سے اچھا بدل ہے۔ یہ نظام بے شک نظامانہ کلیت پسندانہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ ان رجعت پسندانہ اور پس ماندہ معاشروں کو جو اہم تاریخی تبدیلیوں کے لیئے تیار رہی تھے، صنعتی ترقی اور جدید بنانے یا انہیں سائنسی، معاشی، تعلیمی اعتبار سے مغربی بنانے کا ایک نہایت کامیاب ہتھیار ہے چونکہ اس نظام میں نہایت گہری روایات کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی قوت موجود ہے اس بناء پر اس نے نئے صنعتی معاشرے کی تعمیر میں غیر معمولی طاقت فراہم کی ہے اس میں نہ صرف پوری قوم کو سرگرم عمل کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہے بلکہ اس نے پورے معاشرے کو زیر و زبر کر دیا ہے اور جو جماعت یا طبقہ اس کی راہ میں حائل ہوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اس کے دعوں کو سختی کے ساتھ دبا دیا ہے ۔ اور اس کے نتیجے میں انسان کو جو مصائب پیش آئے یا اسے جتنے دکھ اٹھانے پڑے ہیں انہیں وحشیوں کی سی بے حسی کے ساتھ نظر انداز کر دیا ہے ۔"

سوشلزم نے اپنے بطن سے ایک ریاستی سرمایہ داری یا ریاستی بیوروکریسی کو جنم دیا ہے جو مغربی استعداد کار اور صلاحیت کے ساتھ ایک صنعتی معیشت کا خاکہ تیار کرنے، اور پھر اسے اُس کے تقاضوں کے مطابق چلانے میں مہارت رکھتی ہے ۔ ریاستی سرمایہ داری کی تخلیق سوشلزم کی بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ اس کی مدد سے صنعتی انقلاب اور مادی قوت کی فراہمی کے خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتے ہیں یہ نیا نظام درحقیقت انیسویں صدی کے اوائل کے پرانے سرمایہ دارانہ نظام کی ایک جدید، زیادہ ظالمانہ زیادہ طاقتور اور زیادہ مجتمع صورت ہے اس نظام کو چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے اصل کام کو بڑی برق رفتاری کے ساتھ ایسے ممالک میں سرانجام دینا ہے جو اُن حیات آفریں تحریکات سے ناآشنا ہیں جنہوں نے مغرب کے تصورِ آزادی کے لئے مناسب ماحول فراہم کیا پھر چونکہ اسے تغیر و تبدل کے ایک لمبے پروگرام کو جسے سرمایہ دارانہ نظام نے صدیوں کی تگ و دو کے بعد پایۂ تکمیل تک پہنچایا مختصر سی مدت میں عملی جامہ پہنانا ہے اس لئے اسے لازمی طور پر جبر و استبداد کا رویہ اختیار کرنا ہوگا ۔

سوشلزم اپنے داخلی عمل میں ایک بڑا متضاد نظام ہے یہ ظلم و استبداد کے خلاف ظالمانہ ہتھکنڈوں سے نبرد آزما ہوتا ہے اس کا مطمعِ نظر انسانوں کو مغربی اقدار کا پرستار بنانا ہے ۔ لیکن یہ بڑی سنگدلی کے ساتھ انہیں مغرب سے علیحدہ رکھنے کی بھی کوشش کرتا ہے ۔ آغاز میں یہ لوگوں کو دولت سے محروم کر کے دولت جمع کرتا ہے اس کا سب سے بڑا مقصد پوری دنیا کو مغربی معاشرے کے ساتھ ہم رکاب کرنا یا اس کی تقلید اور نقالی پہ آمادہ کرنا ہے لیکن ظاہری طور پر وہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہے ۔

I.R . SINAI

P: 223 THE CHALENGE OF MODERNIZATION

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ششم
اشتراکیت کی فکری لغزشیں

اب ہم اختصار کے ساتھ "دینِ اشتراکیت" کے مذکورہ بنیادی ارکان کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ مارکس نے ایک ایسی فکری فضا میں پرورش پائی جس میں مادہ کے متعلق یہ نظریہ کارفرما تھا کہ دنیا کے یہ سارے حوادث جنہیں ہم محسوس کرتے ہیں ناقابلِ احساس ذرات کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں شعور اور ذہن بھی مادہ ہی کے افعال ہیں مادہ وجودِ مطلق ہے باقی جو کچھ ہے وہ اس کا مظہر۔ مارکس نے اپنے فلسفہ کی بنیاد مادہ کے اسی تصور پر رکھی اور اس طرح اس نے تاریخ انسانی کی ایک ایسی تعبیر کرنا چاہی جس میں مادیت کو اس کارخانۂ حیات کے سارے حادثات کا تنہا خالق قرار دیا جا سکے۔ اسی سے وجودِ باری تعالیٰ کی نفی کی گئی، رُوح کا انکار کیا گیا۔ لیکن خوش قسمتی سے خود سائنس نے اب اس بنیاد کو یکسر باطل قرار دیا ہے۔ فطرت کا پرانا تصور نیوٹن کے نظریہ پر مبنی تھا جس کی رو سے مکان ایک خلائے مطلق ہے جس میں اشیاء واقع ہیں مگر اب مادہ کا سکون آفرین تصور قابلِ قبول نہیں رہا فطرت اب کوئی ایسا سکونِ وجود نہیں مانی جاتی جو ایک غیر متحرک خلائے مکانی میں اپنا وجود رکھتی ہو بلکہ یہ حوادث کی ایک خاص ترکیب ہے۔ یہ ایک قسم کا مسلسل تخلیقی میلان ہے جس کو ہمارا تصور منفرد اور غیر متحرک اشیاء میں تقسیم کر دیتا ہے جن کی بدولت زمان و مکان کے تصورات پیدا ہوتے ہیں[1]۔

---

[1] "اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ جدید" از ڈاکٹر محمد اقبال ؒ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مادہ کے اس جدید تصور نے مارکسی اندازِ فکر کو بیخ وبن سے اکھیڑ دیا ہے۔ مارکس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کائنات میں اصل حقیقت مادہ ہے اور انسانی افکار و تصورات اس کے پرتو۔ مگر اب خود سائنس انسان کو اس مقام پر لے آئی ہے جہاں اصل چیز ذہن قرار پائی ہے اور عالمِ طبیعی اس کا عکس اس لحاظ سے خارجی اشیاء بجائے خود حوادث کا سبب نہیں ہو سکتیں اور نہ وہ ہمارے احساس ہی کو جنم دے سکتی ہیں۔ ذہن کے بغیر عالم کا ربط و ضبط ناممکنات میں سے ہے۔ ہم جسے فطرت کہتے ہیں اس کے بے ترتیب اور بے ربط طومار میں اس وقت ترتیب و تنظیم پیدا ہوتی ہے جب ذہن اپنے تصورات کے سانچے میں اس کو ڈھالتا ہے۔ مارکس جس انسان کا مطالعہ کرتا ہے وہ بے شعور انسان ہے جس کی حیثیت طبیعی قوانین کے ایک کھیل سے زیادہ نہیں وہ اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے کہ آگہی اور وقوف کے وجود میں آنے سے ہی انسان کی آزادی کی ابتداء ہوئی اور اُس دور کا خاتمہ ہوا جب وہ مجبورِ محض تھا۔ اب انسان زمان و مکان کے تقیدات کا پابند نہیں بلکہ دورِ آفاق اپنی رفتار کے پیچ و خم کو اس کے اشارۂ ابرو کے مطابق معین کرتا ہے ؎

بر خیز کہ آدم را ہنگامِ نمود آمد
این مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد (اقبالؒ)

اس لحاظ سے مادہ نہ تو انسانی افکار و افعال کا خالق ہے اور نہ اُن کے نشو و نما کا اصل محرک انسان شعور کی قوت سے مسلح ہو کر مادی دنیا سے متصادم ہوا اور مزاحمت کی صلاحیتیں پیدا کر کے اُس نے اپنی ایغو EGO کو مستحکم کرنا سیکھا۔ یہ مادی دنیا وہ جولاں گاہ ہے جس میں جولانیاں دکھا کر اُس نے اپنے خلوص، عظمت اور برتری کا ثبوت پیش کیا مگر یاد رہے کہ اس کی یہ گرمجوشی صرف بیابانوں کی خاک چھاننے کے لئے نہیں نہ اس کے ذروں کو تلاش کرنے کے لئے ہے بلکہ اس کی نگاہِ شوق کسی ایسے "پیکرِ خیالی" کو ڈھونڈتی ہے جس نے ان ذروں کو پامال کیا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انسانی افعال کا اصل محرک مادہ نہیں بلکہ اثباتِ خودی کا وہ جذبہ ہے جو انسان میں روزِ اول سے ودیعت کیا گیا ہے۔ یہ جذبہ ہر آن نئی خواہشات اور نئے عزائم کی تخلیق کرتا ہے اور اس طرح اپنی توسیع کے لئے نئے نئے راستے نکالتا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے وہ مادی دنیا اور اس کے وسائل کو استعمال میں لاتا ہے دنیا میں انسان نے جس قدر ترقی کی ہے وہ سب اسی جذبہ کی رہینِ منت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر مادی ماحول کو ہی ان تحقیقات کی علتِ غائی قرار دیا جائے اور ہر نئی قوت کے معلوم ہو جانے کو محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھ لیا جائے تو یہ مسئلہ خاطر خواہ حل نہیں ہوتا۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ترقی اور ارتقاء کے اسباب صرف یہی دو ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حیوان اس سعادت سے کیوں محروم رہے۔ مادی ماحول کی تنگ دامانی نے انہیں اس کام پر کیوں نہیں ابھارا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ان میں وہ قوتِ فکر ناپید ہے جو کسی کام کی تعمیر کے لئے ضروری ہے۔ معاملہ پھر یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مادی ماحول کی جکڑ بندیوں میں گرفتار سارے انسانوں کو پیداواری قوتوں کی تلاش و جستجو میں یکساں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ چند خوش نصیب جن کو فطرت نے ذہانت کے خزانوں سے وافر حصہ عطا کیا ہے وہ اس میدان میں کامیاب و کامران ہوئے اور باقی انتھک کوششوں کے باوجود ناکام و نامراد رہے۔

یہ سب واقعات جو تاریخ انسانی کی بدیہی شہادتیں ہیں مادی نظریۂ تاریخ کی تکذیب کرتی ہیں اور مذہبی تصورات کو جنم دیتی ہیں مگر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کی ذہنی استعداد قوتِ فکر اور رجحانِ طبع نے پیداواری قوتوں کا کھوج لگا کر انہیں استعمال میں لانے کے لئے ابنِ آدم کو نئے نئے طریقوں سے شناسا کیا۔

اس کارخانۂ حیات میں انسان کے معاشی تقاضوں کی نفی نہیں کی جا سکتی ہمیں اس امر میں جو کچھ اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ تہذیب و تمدن کی ہر چیز ان تقاضوں کی کرشمہ سازی نہیں بلکہ اس کی تعمیر میں دوسرے عوامل بھی اسی طرح شامل ہیں جس طرح کہ معاشی۔ انسان کو حیاتِ مستعار کی چند گھڑیاں گزارنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے، گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے لباس درکار ہے سر چھپانے کے لئے وہ مکان کا محتاج ہے۔ مگر اس کی یہ ضروریات اور ان کی فراہمی کی مختلف تدابیر اُس کی ذہنی اور شعوری کیفیات کو تخلیق نہیں کرتیں۔ ایک مصور تصویر کے بنانے میں مختلف رنگوں سے کام لیتا ہے مگر اس سے یہ نتیجہ کبھی نہیں نکالا جا سکتا کہ مصور کے مختلف رنگ ہی اُس کے آرٹ کے اصل خالق ہیں۔ پیدائشی قوتیں اور حالاتِ پیداوار ایک دوسرے پر اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جس طرح نئے اسلحہ کی ایجاد طریقِ جنگ کو متاثر کرتی ہے مگر اس سے اگر کوئی سمجھ بیٹھے کہ جنگ کے شعلوں کو بھڑکانے کا سب سے بڑا محرک اسلحہ کی ترقی اور فوجی تنظیم کی وسعت ہے اور دنیا کی عسکری تاریخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ارتقار کا یہی ایک سبب ہے تو اس کے فاتر العقل ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

مارکس نے اپنے فلسفۂ تاریخ میں جس بے راہ روی کا مظاہرہ کیا اس کو بعض بڑے بڑے مخلص اشتراکیوں تک نے محسوس کیا اور اپنے پیر و مرشد کی اس "مجذوبانہ بڑ" کی مختلف توجیہات پیش کرتے رہے۔ چنانچہ پروفیسر جی۔ ڈی۔ ایچ کول اپنی کتاب مارکسزم کے مطالب MEANING OF MARXISM میں لکھتا ہے۔

"سماج کی معاشی تنظیم میں سیاسی اداروں اور معاشرتی نظام میں ایک رابطہ اتحاد دریافت کیا جا سکتا ہے اور یہ سمجھنا بھی کسی حد تک آسان ہے کہ کس طرح عہدِ ماضی میں سیاسی اور معاشرتی نظام معاشی حالات کے مطابق بدلتے رہے مگر اس نظریہ کو اس حد سے زیادہ بڑھانا خطرناک ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ سماج جو پیدائش کے طریقوں کے لحاظ سے ایک ہی سطح پر ہوں ان کی معاشی تنظیم، خاندانی نظام، گروہی تعلقات سیاسی اور مذہبی ادارے یا اخلاقی تصورات بھی ایک سے ہوں۔

علم انسانیات کی جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس دنیا میں بعض ایسے تمدن معرض وجود میں آئے جن کی کوئی معاشی وجہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ اگر ان میں کوئی باہمی مناسبت موجود ہے تو وہ صرف اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ سماجی اداروں پر معاشی حالات اثر انداز ہوتے رہے سماج کی معاشی بنیاد کو اگر سب سے زیادہ اہم بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بے شمار عوامل میں سے صرف ایک عمل ہے۔

تاریخ انسانی میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جو اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ قوموں کی تعمیر میں معاشی محرکات سے کہیں زیادہ اہم غیر معاشی محرکات ثابت ہوئے مثال کے طور پر ہم صرف ایک واقعہ پیش کرتے ہیں مارکس نے تاریخ انسانی کو جن مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے ان کے مطابق رومی اور قرنِ اول کے مسلمان معیشت کے ایک ہی دور میں تھے یعنی دونوں اقوام میں غلامی کا رواج تھا، پیدائش دولت کے طریق بھی دونوں کے ہاں ایک جیسے تھے مارکس کے نظریہ کے مطابق ان دونوں قوموں کو اخلاق کی ایک ہی سطح پر ہونا چاہیئے تھا مگر تاریخی شواہد سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ تاریخ کا ایک مبتدی بھی اس عظیم فرق سے بخوبی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعہ ہے جو ان دونوں قوموں کے اخلاقی تصورات کے درمیان پایا جاتا ہے
رومیوں کا اپنے غلاموں سے سلوک اس قدر
ظالمانہ تھا کہ اُس کے تصور سے آج بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام
نے اس مظلوم طبقے کو ظلم و استبداد سے نجات دلائی اسے حیوانات کی سطح سے اٹھا کر انسانیت کی
معراج پر پہنچایا۔ یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک قسم کے ملکیتی تعلقات کے اندر رہتے
ہوئے بھی دونوں قوموں کے اخلاقی نظریے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں اس کی
وجہ صاف ظاہر ہے کہ قوموں اور افراد کی زندگی کی تعمیر میں فیصلہ کن قوت معاشی نہیں بلکہ وہ مقاصد
ہیں جن کی سعی و طلب کے لئے وہ زندہ ہیں انہی کی قوت سے وہ ہر قسم کے موانع پر فتح حاصل
کرتے ہیں خواہ وہ موانع معاشی ہوں یا عمرانی مقاصد کی لگن جتنی گہری اور شدید ہوگی اُسی نسبت
سے انسان اپنے اندر تسخیر فطرت کی صلاحیت پیدا کر سکیں گے۔ اور وہ مادی ماحول کو اپنی ضروریات
کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب ہوں گے اس لئے کسی قوم یا فرد کی سیرت کی تعمیر میں اصل قوت
وہ نصب العین ہے جس کے لئے کوئی قوم یا انسان زندہ ہے۔ اسی موضوع پر کارل فیڈرن
KARAL FEDERN بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی قوم کی آئیڈیالوجی IDEOLOGY صرف اس کے معاشی
ماحول کی پیداوار ہے تو اس سے یہ نتیجہ از خود برآمد ہوتا ہے کہ وہ سارے انسان جو ایک
ہی قسم کے ہونے چاہئیں مگر عملی زندگی میں ہم حالات اس سے بالکل مختلف پاتے ہیں نہ صرف
ایک جیسے معاشی حالات میں زندگی بسر کرتے ہوئے بلکہ ایک ہی خاندان کے اندر رہتے
ہوئے بھی لوگوں نے زندگی کی مختلف راہیں اختیار کیں۔"

آیئے اب اسی مسئلہ پر ایک دوسرے زاویے سے نگاہ ڈالیں۔

مارکسزم کے تناقضات

مارکس کے اس نظریہ میں جو قصرِ اشتراکیت کا سنگِ بنیاد ہے سب سے زیادہ تناقض دکھائی دیتا ہے ایک
طرف تو وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انسان کے اندرونی محرکات سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ
سراسر مادی اور خارجی ماحول کا نتیجہ ہیں، مگر دوسری طرف "وہ مٹی کی ان بے بس مشینوں" کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افکار و اقدار پر نیک و بد، محمود و مذموم کا فتویٰ بھی صادر کرتا ہے۔ جب انسان خارج کا بے بس آلۂ کار ٹھہرا جس کی حیثیت اِس کارگہِ حیات میں ایک بے بس کھلونے سے زیادہ کچھ نہیں تو پھر انسانی آزادی اور اخلاقیات کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا مگر مارکس جیسا فلسفی ان "ان میل" تصورات کو جوڑنے کی سعی کرتا ہے۔ وہ اپنے اس دعویٰ کو پوری شدت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ انسان خارجی احوال اور گرد و پیش کے اثرات کا پرتو ہے اور اس کی ذہنیت و سیرت بالکلیہ خارجی اثرات سے تشکیل پاتی ہے۔ مگر جب وہ اِس دعویٰ کے منطقی نتائج کو دیکھتا ہے کہ اس سے ہر قسم کے افعال کو جائز اور برحق ماننا پڑے گا تو فوراً ان کا انکار کرتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہر چیز خارجی حالات سے میکانکی طور پہ پیدا ہوتی ہے اور ارادہ و اختیار کے بغیر ہم سے سرزد ہوتی ہے یا ہم پر مسلط رہتی ہے۔ تو اس لحاظ سے وہ بری یا اچھی کیسے کہلائی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ہم مذہب اور اس کے معتقدات ماننے پر مجبور رہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے گرد و پیش سے وجود میں آتے ہیں۔ اُن کا وجود ہی ان کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے یا کیا جا رہا ہے سب کو مبنی بر انصاف ٹھہرایا جا سکتا ہے چنانچہ سرمایہ دار اپنی معاشی لوٹ کھسوٹ میں، سامراج کے نمائندے اپنے سیاسی ظلم و ستم اور فاسطی آمر اپنے جابرانہ افعال میں اسی طرح مجبور ہیں جس طرح اشتراکی حضرات اپنی انقلاب انگیزی میں۔ اس نظریہ کے تحت انسان کے کسی فعل اور اسکی کسی تدبیر کو باطل قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ دنیا آزاد، ذمہ دار اور اخلاقی انسانوں کی دنیا نہیں بلکہ وہ ایسی کٹھ پتلیوں کی تماشا گاہ ہے جن کی ڈور کو مادی ماحول کا ہیبت ناک ہاتھ ہلا رہا ہے۔ کیا اشتراکیت کے حامی جن کے حلق اپنے مخالفین کو کوستے کوستے سوکھ رہے ہیں اپنے "شیخِ طریقت" کے فرمان کے اس طبعی نتیجہ کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ۲۔ مارکس کا دوسرا نظریہ بھی انسانی فطرت کیمتعلق نہایت ہی گھناؤنے تصور پر مبنی ہے۔ اسکے نزدیک کبھی انسان میں صداقت انصاف پسندی جیسی صفاتِ عالیہ پرورش نہیں پا سکیں وہ کبھی از خود اپنے حقوق سے زائد کسی چیز سے دستبردار ہونے پر رضامند نہیں ہوا اس کے دل میں کبھی یہ جذبہ موجزن نہیں ہوا کہ وہ صلح و آشتی اور اپنے ضمیر کی پکار پر دوسرے کے جائز حقوق ان کو لوٹا دے۔ مادی زندگی اور اس کی لذتوں سے برملا سے آجتک کسی چیز کا خیال نہیں آیا۔ اسے جب بھی خیال آیا تو نہ ہی دوسروں کے حقوق پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ڈالا ڈالے، اس نے جب کبھی سوچا تو یہی کہ اس دنیا کے سازو سامان کو زیادہ سے زیادہ سمیٹے، وہ ہمیشہ سے منافق، دھوکا باز، چالاک اور عیار رہا ہے۔ وہ مذہب، اخلاق، خدا ترسی، حق و صداقت کے نام پر کمزوروں کو لوٹتا رہا اور اپنے افعال کو پسندیدہ دکھانے کے لئے یہ نام استعمال کرتا رہا انسان نے آج تک جتنے معاشرے قائم کئے ہیں ان سب کی تاریخ طبقاتی نزاع کی تاریخ ہے مختلف انسان ہر دور میں اور ہر ملک میں صرف روٹیوں کی تقسیم پر باہم برسرپیکار رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بسا اوقات مظلوم طبقے اپنے جائز حقوق کے حصول کے لئے ظالموں کے مقابلے میں صف آراء ہوئے مگر یہ کہنا تو یقیناً غلط ہے کہ ساری تاریخ محض اس نزاع و کشمکش کی داستان ہے یا یہ کہ انسانی معاشرے کی تمام تبدیلیوں کا واحد سبب صرف یہی طبقاتی تقسیم ہے۔ تاریخ کے اوراق سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قومی لڑائیوں کے اثرات طبقہ داری لڑائیوں سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ یہ کہنا بھی حقیقت سے دور نہ ہوگا کہ قومی لڑائیاں طبقہ داری لڑائیوں سے زیادہ کثیر الوقوع، زیادہ تعدد تیز، زیادہ خونریز اور انسانی مستقبل کے لئے زیادہ فیصلہ کن تھیں۔ آپ تاریخ انسانی پر جس قدر گہری نگاہ ڈال لیتے اسی قدر اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ انسان زیادہ تر قوموں، نسلوں کے پرچم تلے لڑتے رہے خود ہمارے زمانے میں جب کہ دنیا کے سارے انسان مارکسیوں کے بقول دو طبقوں میں بٹ گئے ہیں جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں قومی احساس اور ہم وطنی کے جذبات طبقاتی شعور سے زیادہ مؤثر اور طاقت ور ثابت ہوئے ہیں کیا جرمنی کے مزدور روس کے مزدوروں سے برسرپیکار نہیں ہوئے کیا انگلستان کے غریب طبقوں نے اس جنگ میں غیر ملکی پرولتاریہ برادری کے مقابلہ میں اپنے ہی وطن کے ظالم بورژوا کے دوش بدوش کھڑے ہو کر اپنی قوم کی حفاظت نہیں کی کیا ہندوستان کی تقسیم طبقاتی کشمکش کا نتیجہ تھی یا اس کے اسباب کچھ اور تھے یہ سب واقعات اپنی جگہ پر اس قدر ٹھوس حقائق ہیں کہ انہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا انسان کے اندر اثبات خودی کا جذبہ موجود ہے۔ وہ جب کبھی اپنی خواہشات یا اپنے عقائد و مسلمات کی راہ میں کوئی سنگ گراں پاتا ہے تو فوراً آمادہ پیکار ہو جاتا ہے محض معاشی ضرورت اور مادی تقاضے یا طبقاتی کشمکش سے تاریخ کی لڑائیوں کی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔

۲۔ پھر جس اصول کی بناء پر مارکس نے انسانیت کو دو طبقوں میں تقسیم کیا اس اصول کو اس دور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بالکل غلط ثابت کر دیا ہے۔ مارکس کا خیال ہے کہ وہ لوگ جو پیداواری قوتوں پر قابض ہوتے ہیں وہ ایک طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو ان ذرائع سے کام لے کر "قدرِ زائد" پیدا کر کے اپنے آقاؤں کے لئے سامانِ راحت فراہم کرتے ہیں اُن کا رشتۂ اتحاد مظلوم پرولتاریہ سے ہوتا ہے۔ پھر یہ پرولتاریہ اور بورژوا اپنے اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے دوسرے سے جنگ آزما ہوتے ہیں۔ مارکس نے جن حالات میں اپنا یہ نظریہ تصنیف کیا اس وقت صرف یہی دو گروہ تھے مگر رفتارِ زمانہ نے ایک تیسرے گروہ کو جنم دیا ہے جنہیں نہ تو بورژوا میں شامل کیا جا سکتا ہے اور نہ پرولتاریہ میں یہ طبقہ اُن مزدوروں پر مشتمل ہے جنہیں کارخانوں کے نظم ونسق میں اور اُن کے منافع میں شریک کیا جاتا ہے۔ ان کی ایک حیثیت مظلوم محنت کش کی سی ہے اور دوسری حیثیت سے وہ ظالم اور جابر بورژوا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مزدوروں کی یہ نئی جماعت بڑی تیزی کے ساتھ دنیا کے معاشی نظام میں اہمیت حاصل کر رہی ہے اور حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ مستقبل کی تعمیر میں اس طبقہ کو ایک فیصلہ کن مقام حاصل ہونے والا ہے۔ مارکس نے اپنے نظامِ فکر میں اس گروہ کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

مزدوروں کے اس نئے طبقے نے مارکس کے نظریۂ ارتکازِ مال (Concentration of CAPITAL) کو بھی یکسر غلط ثابت کیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ سرمایہ اور محنت کی تفریق بڑھنے سے سرمایہ کی مقداروں میں تو یقیناً اضافہ ہوگا۔ مگر اس کی ملکیت محدود ہوتی جائیگی۔ یہاں تک کہ بالآخر قوم کا سرمایہ صرف چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے گا اور اس طرح متوسط طبقہ میں جو تھوڑی بہت خوشحالی نظر آ رہی ہے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

مگر آپ صنعتی ممالک کی تیس سالہ تاریخ پر ایک نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کیا واقعی یہی کچھ ہوا ہے جس کی مارکس نے پیش گوئی کی تھی۔ کیا دنیا کے مزدور پہلے سے غریب تر ہو رہے ہیں یا اُن کا معیارِ زندگی بڑھ رہا ہے؟ کیا متوسط طبقہ بالکل ختم ہو رہا ہے یا وہ آہستہ آہستہ دنیا کے نظام ہائے معیشت میں اہمیت حاصل کر رہا ہے۔ یہ تیسرا طبقہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس نے اس مفکر کے سارے خیالات کو ایک خوابِ پریشاں ثابت کیا ہے۔

"طبقاتی تقسیم" جس پر مارکس اپنے اس نظریہ کی بنیاد رکھتا ہے بہت کچھ مبہم اور غیر واضح اصطلاح ہے۔ وہ اپنی قابلیت اور ذہانت کے باوجود طبقے کی کوئی جامع اور مانع تعریف پیش نہ کر سکا۔ اُس نے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ کو اپنی کتاب "سرمایہ" کی تیسری جلد میں چھیڑا مگر اس کا کوئی معقول حل نہ پاکر اسے ادھورا چھوڑ دیا
انسانی سماج اس قدر پیچیدہ عناصر سے مرکب ہے کہ علم کیمیا کی طرح انہیں الگ الگ اجزا میں
منقسم نہیں کیا جاسکتا۔ ایک خاص گروہ پر بڑی آسانی کے ساتھ پرولتاریہ یا بورژوا" کا ٹھپہ نہیں
لگایا جاسکتا۔ مارکس کے اپنے کلیہ کے مطابق سماج کو لاتعداد طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے چند
ایک کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور بعض کے ہم آہنگ ہیں۔ یہ گروہ بندی بالکل
اضافی ہے ہم اپنی اس پُراسرار زندگی میں کسی نقطہ پر پہنچ کر یہ کہنے کا حق نہیں رکھتے کہ یہ ہے اصل مقام جہاں
ایک طبقہ کی حدود ختم ہوتی ہیں اور دوسرے کی حد شروع ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے
کہ حالات زمان و مکان کے فرق سے یہ حد بندیاں بھی بدل جاتی ہیں۔ تاریخ انسانی اس حقیقت پر گواہ
ہے کہ بسا اوقات تاریخ کی ایک معمولی کروٹ نے، چاہے وہ ذرائع پیداوار کے لحاظ سے کس قدر غیر اہم
اور غیر موثر تھی۔ طبقاتی تقسیم کے اس سارے نقشہ کو الٹ کر رکھ دیا۔

۴۔ اسی طرح اس مفکر نے ریاست کے متعلق غور و فکر کرنے میں بھی انتہائی جانبداری سے کام
لیا ہے۔ اس کے نزدیک ریاست جبر و استبداد کا ایک ایسا طاقتور ادارہ ہے جس کی مدد سے
سرمایہ دار غریب، بے کس اور مفلوک الحال پرولتاریہ کو لوٹتے ہیں۔ اس ادارہ کا مقصد کمزوروں کے
حقوق کی پاسبانی کرنا نہیں بلکہ اس کی غرض و غایت صرف حکمران طبقہ کے ناجائز مفادات کی حفاظت
اور نگرانی کرنا ہے۔ اس کے اندر رہتے ہوئے اگر کوئی فرد یا گروہ عدل و انصاف کی توقع رکھتا ہے
تو وہ جنت الحمقا میں بستا ہے کیونکہ اس کے قوانین کی تدوین اس انداز سے کی جاتی ہے جس سے بے بسوں
کو امراء کے پنجۂ استبداد میں جکڑا جاسکے تاکہ وہ ان سے جس طرح چاہیں اپنی "بہتری" کے لئے کام
لیں۔ اب اگر انسانیت ظلم سے نجات چاہتی ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ اقتدار کو سرمایہ
داروں سے چھین کر محنت کشوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ یہ "پاکباز" اور "بے غرض" لوگ
اقتدار کے تخت پر متمکن ہوتے ہی انفرادی ملکیت کا خاتمہ کرکے طبقاتی تقسیم کو یکسر مٹا دیں گے
اور اس طرح فساد کی وہ اصل جڑ کٹ جائیگی جس سے ریاست کا یہ شجر خبیث اپنی خوراک حاصل
کرتا ہے۔ کچھ دیر زندہ رہنے کے بعد یہ درخت خود بخود سوکھ کر پیوند زمین ہو جائیگا اور اس کا نتیجہ
یہ ہوگا کہ اس کے سائے میں رہنے والے بورژوا اس کا سایہ عاطفت اٹھ جانے کے بعد خود بخود مٹ جائیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے جس پر گامزن ہو کر "مسکین پرولتاریہ" ان بیڑیوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ تجزیہ بظاہر بڑی جاذب نظر ہے۔ بلاشبہ ہمارا ہر روز کا مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب کبھی ایک سماج کے مختلف طبقوں میں کوئی کشمکش نمودار ہوئی تو ریاست کی مشینری، اس کی بندوقوں اور توپوں نے غریبوں کو نہایت بے دردی سے کچل کر رکھ دیا اور ہمیشہ حکمران طبقوں کی حفاظت کی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ادارہ ہمیشہ سے ظالموں کا پشت پناہ رہا ہے اور اس کے ذریعہ کبھی سماج میں عدل و انصاف قائم نہیں ہوا۔ اسی تاریخ میں ہمیں کئی ایسے روشن ادوار ملتے ہیں جن میں اس ریاست نے امراء کا آلہ کار بننے کے بجائے غریبوں اور کمزوروں کے حقوق کی نگہداشت کی۔ قریش مکہ اسی لئے آخری دم تک مسلمانوں سے برسر پیکار رہے کہ اسلامی ریاست اس معاشرتی اور سیاسی تفوق کو مٹا رہی تھی جو ان لوگوں کو اسلام کے آنے سے پہلے معاشرے میں حاصل تھا۔ اسلامی ریاست کا وجود برسر اقتدار لوگوں کے مفادات کی حفاظت کے لیے نہ تھا بلکہ اس کی غایت سماج کے مختلف طبقوں میں مساوات کو قائم کرنا تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اپنی حکومت کا بنیادی مقصد بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

والضعیف فیکم قوی عندی حتی ارجع علیہ حقہ ان شاء اللہ والقوی فیکم ضعیف عندی حتی آخذ الحق منہ ان شاء اللہ	جو با اثر ہیں وہ میرے نزدیک بے اثر ہیں یہاں تک کہ میں ان سے دوسروں کا حق وصول کر لوں۔ انشاء اللہ

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

واللہ ما منکم اقوی عندی من الضعیف حتی آخذ لہ الحق ولا اضعف عندی من القوی حتی اخذ الحق منہ۔	خدا کی قسم تم میں سے کمزور میرے نزدیک سب سے زیادہ طاقتور ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے طاقتور میرے لئے ضعیف تر ہے جب تک اس سے میں حق وصول نہ کر لوں۔

اس ضمن میں یہ بھی یاد رہے کہ یہ اصول صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں تھے بلکہ ان کا اطلاق ہر اس فرد پر ہوتا ہے جو اسلامی ریاست کے اندر رہتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِن اقوال کا بار بار مطالعہ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کیا ریاست کا مقصد ظالموں اور جفا کاروں کے حقوق کی نگہبانی کرنا تھا یا اس کا نصب العین اِن طبقوں کی طاقت کو کمزور کرکے بے سہارا افراد کو اُن کے چنگل سے آزاد کرنا تھا۔ یہ دو اقوال میں نے بطور مثال پیش کئے ہیں اگر آپ تاریخ کی ورق گردانی کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کس محنت و جانفشانی سے اِن بزرگوں نے سماج میں ناجائز انتفاع کو رد کا اور ہر مستحق کو اس کا حق دلوا کر چھین لیا۔ تاریخ کے صفحات میں جب تک اِس دور کے نشانات باقی ہیں اس وقت تک مارکس کے نظریۂ ریاست کی صداقت مشکوک رہے گی۔

اِس نظریہ کی صحت کا ایک اور بنا پر بھی اقرار نہیں کیا جا سکتا ہم چند لمحوں کے لئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پرولتاریہ ذاتی ملکیت کو بالکلیہ ختم کرکے اپنی ایک ریاست کی بنیاد رکھتا ہے اس کے انتظام و انصرام میں کوئی بورژوا شریک نہیں کیا جا سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مزدور طبقہ جو اب حکمران بھی ہے کن اخلاقی صفات سے متصف ہو کر سلطنت کا نظم چلائیگا۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مادی آسائش حاصل کی جائے کیونکہ اشترا کی تحریک ابتدا ہی سے انسان کے انہی جذبات کو ابھارتی ہے اور دوسرے تمام تصورات و محرکات کو یہ کہہ کر مٹا دیتی ہے کہ یہ سب بورژوا کے خود ساختہ تصورات ہیں جو اس کے طبقاتی مفاد کی حفاظت کے لئے گھڑے گئے ہیں۔ اِس بنا پر کیا یہ ناممکن ہے کہ پرولتاریہ کے یہ حکمران افراد عام لوگوں سے کہیں زیادہ معاشی اغراض کے بندے اور مادی خوشحالی کے پرستار ہوں اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ سامانِ عیش سمیٹنے کی فکر کریں اِس لحاظ سے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس حکومت میں فائدہ اٹھانے والے اور استحصال (Exploitation) کرنے والے افراد خود "مظلوم پرولتاریہ" کے ایک خاص طبقہ پر مشتمل ہوں گے اور اپنے ہی بھائی بندوں کو اپنی اغراض کا آلۂ کار بنائیں گے حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہماری خواہشات پر اخلاق کی گرفت مضبوط نہیں ہوتی اس وقت تک زندگی میں لوٹ کھسوٹ ختم نہیں کی جا سکتی۔ زمام کار خواہ "پرویز" کے ہاتھ میں ہو یا کوہکن کے ہاتھ میں۔ اگر وہ اخلاق سے عاری ہیں تو دونوں سے ایک جیسے اعمال سرزد ہوں گے

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلہ میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ انسان کے سینے میں پلنے والے جذبات میں ایک زبردست جذبہ "نمائش" کا بھی ہے۔ انسان اپنے ابنائے جنس میں اپنی فوقیت اور برتری کے اظہار کا خواہش مند ہوتا ہے اور اسی کے لئے وہ دولت، ثروت اور اقتدار کو حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے اس جذبہ کی سب سے بہتر طور پر تسکین اقتدار کے نشہ سے ہوتی ہے دورِ جدید میں افراد اور مختلف گروہ اگر دولت اور ذرائع پیداوار پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے سے زیادہ کرمند نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ سرمایۂ اقتدار کے حصول کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ یہ مقصد اگر کسی اور طریق سے حاصل ہو سکتا تو انسان اسی کو اختیار کر لیتا۔ ان حالات میں جب کہ اشتراکی حضرات مادی زندگی اور اس کے فوائد و لذائذ سے بلند تر کسی چیز کا تصور تک نہیں کر سکتے، یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ از خود تخت و تاج سے دستبردار ہو جائیں گے۔

مارکس کا خیال تھا کہ ریاست آہستہ آہستہ مٹ جائیگی مگر حالات کی رفتار صاف بتا رہی ہے کہ یہ ادارہ مزدوروں کے اپنے ہاتھوں سے مستقبل میں آج کی نسبت زیادہ مستحکم اور مضبوط صورت اختیار کرے گا۔ سٹالن کے ہاتھوں ٹراٹسکی کی بربادی اور مالنکوف کے ہاتھوں بیریا کا قتل اسی ہوسِ اقتدار کا نتیجہ ہے روس کی چند سالہ تاریخ اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ سٹیٹ کا دائرۂ اختیار دن بدن بڑھ رہا ہے اور اسی طرح حکمران طبقہ کو بے بسوں پر دستِ ظلم دراز کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ قوت فراہم ہو رہی ہے۔

۵۔ مارکس کا یہ اصول بھی غلط ہے کہ کسی شے کی اصل قدر محنت کی وہ مقدار ہے جو اسے پیدا ہونے میں صرف ہوتی ہے۔ محنت کسی چیز کی پیدائش میں ایک اہم جزو کی حیثیت سے تو ضرور شامل ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ دولت کی ساری پیداوار بلا شرکت غیرے اسی کی کرشمہ سازی ہے تو یہ مبالغہ ہوگا مارکس کے پیش کردہ اصول کے مطابق مختلف اشیاء کی قیمتوں میں تفاوت کی اصل وجہ ان کی پیداوار میں محنت کی کمی بیشی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ایک ہی شے کی پیدائش میں بہت کم محنت صرف ہوتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں اس کی قیمت بہت زیادہ وصول ہوتی ہے اسی طرح بعض اشیا غیر معمولی محنت کے صرف ہونے کے بعد پیدا کی جاتی ہیں۔ مگر زمانہ کی ایک ہی گردش ان کی قدر کم کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدر کا انحصار صرف محنت پر ہی نہیں بلکہ طلب کی کشش پر بھی ہے۔ مارکس اسے بکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔

اسی طرح اس کا نظریہ قدر زائد بھی بالکل ڈھکوسلہ ثابت ہوا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قدر یہ زائد حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ غریب مزدور کی محنت سے ناجائز انتفاع ہے تو پھر سرمایہ داروں کا فائدہ اس میں ہے کہ وہ مشینری کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ مزدور بھرتی کریں کیونکہ ان کی محنت سے ہی انہیں زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر عمل کی دنیا میں دیکھئے کیا مشینری کے مقابلے میں محنت کا حصہ بڑھایا جا رہا ہے کیا اس کے برعکس اپنا منافع بڑھانے کی غرض سے انسانوں کو کارخانوں سے نکال نکال کر وہاں مشینیں نصب نہیں کر رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ہفتم

اشتراکیت میدانِ عمل میں

کسی نظامِ حیات کی صحت یا عدمِ صحت کا بالعموم دو طریقوں سے اندازہ کیا جاتا ہے، ایک نظریاتی اور دوسرا عملی۔

نظریاتی اعتبار سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ نظام جن بنیادی افکار پہ قائم ہے ان میں کہاں تک صداقت ہے، ان میں کس درجہ کا باہمی ربط و انطباق پایا جاتا ہے اور یہ افکار کس حد تک حقیقت کے سانچوں میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

عملی نقطۂ نظر سے اس امر کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی نظریہ آشنائے تعبیر ہو کر کس طرح نوعِ انسانی کے لئے مفید اور کارگر ہو سکتا ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم نے اشتراکی افکار کا ایک سرسری سا جائزہ لے کر یہ بتایا ہے کہ:

اشتراکیت نے زندگی کی میکانکی توجیہہ پیش کر کے انسان کو انسانیت کے درجہ سے گرا دیا ہے اس نے اپنے سارے فکری ڈھانچہ کی بنیاد اس مفروضہ پر اٹھائی ہے کہ انسان فطرتاً شرارت پسند ہے، اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی لہٰذا اس پر جب کبھی بھی اعتماد کیا گیا اس نے اس اعتماد کو ٹھیس ہی پہنچائی۔

یہ دنیا مع اسباب و وسائل ایک لاوارث مال ہے جس کا کوئی مالک اور خالق نہیں انسان اپنے اعمال کے لئے کسی بالاتر ہستی کے سامنے جواب دہ نہیں۔

مذہب، اخلاق، حشر و نشر سب ڈھکوسلے ہیں جن کو سرمایہ داروں نے محض اپنے ناجائز مفادات کی حفاظت کے لئے گھڑ لیا ہے۔ "جائز و ناجائز اور خوب و ناخوب" کے معیار سراسر اضافی ہیں جو زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا کے سارے افکار و اعمال کا اصل خالق اس عہد کا معاشی ماحول ہے۔

اِن بنیادی تصورات پر اشتراکی تحریک کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی اور لوگوں کو بتایا گیا کہ دنیا کی ساری برکتیں اسی کو اپنانے سے حاصل ہو سکتی ہیں جو قوم بھی اسے قبول کریگی اسے دنیا میں جنت کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ خصوصاً:

اس کے اندر طبقاتی تقسیم ناپید ہوگی

ملک کا دولت مند طبقہ کسی دوسرے گروہ پر مظالم نہیں ڈھائے گا۔

مُساواتِ شکم، کے اصول پر کاربند رہنے سے معاشرتی عدل حاصل ہوگا۔

اشتراکی معاشرے کے سارے کام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سرانجام پائیں گے لہٰذا جو فرد بھی جس شعبۂ زندگی کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوگا اسے وہاں لگایا جائیگا اور اس طرح قوم کا زیاں نہیں ہوگا۔

ریاست جو جبر و استبداد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے خود بخود ختم ہو جائیگی۔

اشتراکیت جس ذرائع سے اِن مقاصد کو حاصل کرنا چاہتی ہے اُس کے بنیادی اصول یہ ہیں۔

(الف) شخصی ملکیت کا خاتمہ۔

(ب) دولت اور دولت آفریں وسائل پر ریاست کا تسلط۔

(ج) دولت آفرینی اور تقسیم دولت کا پورا انتظام ہیئتِ انتظامی کے سپرد۔

مارکس اور اس کے رفقائے کار نے اِن عزائم کا مختلف طریقوں سے اظہار کیا ہے چنانچہ اشتراکی منشور کے شروع ہی میں اِن کی یوں صراحت کی گئی ہے۔

"سرمایہ داروں نے جو ظلم و تشدد برپا کر رکھا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ دنیا سے جماعتی تفریق کو مٹا دیا جائے۔ عمرانی زندگی کے مصائب و آلام مزدوروں کی حکومت کے قیام ہی سے دور ہو سکتے ہیں"

"اِس تحریک کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ دنیا سے ذاتی ملکیت اور شخصی و انفرادی حقوق کے خیال کو یکسر مٹا دیا جائے اور اِس طرح جب مزدوروں کی جماعت کو تسلط حاصل ہو جائے تو تدریجاً سرمایہ داروں کے تمام املاک و خزائن پر قبضہ کر لیا جائے اور یوں ملکی پیداوار کے تمام ذرائع و وسائل محنت کشوں کی تحویل میں دے دیئے جائیں"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مدیر مارکس ولینن کی اسناد سے اشتراکیت کا حاصل یہ بیان کرتا ہے
"مشترکہ ملکیت وسائل پیداوار کا اجتماعی نظم ونسق اور انفرادی و شخصی حقوق و املاک کا مکمل انقطاع سوشلسٹوں کا نصب العین رہا ہے۔"

۱۔ **دہشتناک مظالم:** اس "مشترکہ ملکیت" کے نصب العین کا حصول بہرحال کوئی کھیل نہ تھا کہ بس ہنسی خوشی انجام پا جاتا ہے یہ ایک بڑا ہی سخت کام تھا جو برسوں تک مسلسل جبر و استبداد اور نہایت ہولناک قسم کے ظلم و ستم کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچا اور ایسا ہونا فطری عمل تھا کیونکہ اس انقلاب کا مقصد لوگوں کے ہزاروں سالوں کے تصورات کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ان کی جگہ بالکل نئے تصورات اور اعتقادات کو رواج دینا تھا۔ یہ چیز انسان کی سرشت میں ہے کہ وہ اپنی محنت کے حاصل کا خود مالک و مختار ہونا چاہتا ہے کارگہ حیات میں جس قدر محنت اور جدوجہد بھی کی گئی ہے اس کا بہت سا حصہ اسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے صرف ہوا ہے اب اگر انسانوں کا کوئی گروہ لاکھوں انسانوں کو ان کی جائز املاک سے زبردستی بے دخل کرنے کا عزم کر لے تو اسے لامحالہ بے شمار انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے ہوں گے چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جس قدر ظلم و تشدد ہوا اور قتل و غارت گری کی گئی اس کی پوری تفصیل مہیا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہم ان مظالم کا سرسری سا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جبر و استبداد کے یہ سارے کارنامے خود حکومت کی زیر نگرانی انجام دیئے جاتے ہیں یہ بات دراصل اشتراکیت کے مزاج میں داخل ہے کہ آمریت اور جبر و تشدد کے بغیر یہ کارنامے انجام پا ہی نہیں سکتے اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ اشتراکیت کا خمیر ہی سازش، آمریت، استبداد اور دہشت گردی سے اٹھایا گیا ہے تو یہ زیادہ صحیح ہوگا۔ وجہ صاف ظاہر ہے جو نظام فطرت انسانی سے جس قدر دور ہوگا اسی نسبت سے اسے عوام پر اپنے آپ کو مسلط کرنے کے لئے اندھی، بہری قوت کا بے محابا استعمال کرنا پڑے گا چنانچہ اشتراکیت کی پوری تاریخ میں مندرجہ ذیل واضح رجحانات ملتے ہیں۔

- ملک کی اجتماعی قوت کا ایک مرکزی طاقت کے ہاتھ میں ارتکاز تاکہ وہ بلا روک عوام کو جس طرف چاہے لے جائے۔
- سازش کی مدد سے عوام کی گردنوں پر تسلط اور پھر سازش کے ذریعے ہی اس تسلط کو تادیر قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھنے کا ناپاک جذبہ۔

- اشتراکیت کو دلیل کی مدد سے مقبول بنانے کے بجائے جبر و تشدد کے ذریعے نافذ کرنے کا عزم
- معمولی معمولی اختلاف پر غیر معمولی برہمی کا اظہار اور اختلاف کرنے والوں یا جن پر اختلاف کا شبہ بھی ہوا انہیں ختم کرنے کے لئے ہر قسم کے ناجائز ہتھکنڈوں کا استعمال۔
- دہشت پھیلا کر عوام کو خاموش کرنے کا حربہ۔
- اختلاف کرنے والوں پر چند لگے بندھے الزامات

منظم استبداد: رُوس میں اشتراکی انقلاب کے سب سے بڑے علمبردار لینن جس کی قیادت میں عملاً اشتراکی نظام قائم ہوا۔ اس نے خود ان غیر معمولی حربوں کا استعمال کیا ہے اور اس بات کو پورے زور سے بیان کیا ہے کہ تشدد اس انقلاب کا ضروری جزو ہے اور اس کے بغیر اس نظام کو نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے ایک خطاب میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اشتراکی آمریت غیر محدود قوت ہے جس پر قوانین کوئی پابندی نہیں لگا سکتے۔ اس کا سارا دارومدار تشدد پر ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر وہ اشتراکی ریاست کی غایت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ریاست تو ایک ایسا ادارہ ہے جو ظلم و تشدد کے لئے معرضِ وجود میں آتا ہے۔ انقلاب سے پہلے روپے پیسے کے چند تھیلے عوام پر ظلم کرتے تھے مگر اب ہم عوام کے مفاد کے لئے اس استبداد کو منظم کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔"[1]

روس میں جب اشتراکی انقلاب آیا تو نہ صرف باغیوں کی زندگیوں کا خاتمہ کیا گیا بلکہ معمولی معمولی باتوں پر لوگوں کو گولی مار دی گئی رائی بنسک Rybinsk کے علاقے میں جو لوگ بھی گلی کوچوں میں جمع ہونے کی جسارت کرتے تھے، انہیں بغیر انتباہ کے گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا تھا کالوگا کے صوبے میں جو لوگ فوجی ٹیکس ادا نہ کر سکے وہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ایک

---

[1] Lenin by David Shub p. 312

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے صوبے ژمیرٹ میں جن لوگوں سے اس معاملہ میں کوتاہی ہوئی ان کی گردنوں سے ساتھ پتھر باندھ کر دریا میں ڈبو دیا گیا[1]

روسی اکابر پہ کیا گذری: روس میں تطہیر کے اس عمل سے اشتراکیت کے عظیم راہنما بھی محفوظ نہ رہ سکے اور غداری کے الزامات لگا کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک دس سال کی مدت کے اندر گیارہ میں سے نو وزرا کا خاتمہ ہوا۔ اشتراکی پارٹی کی مرکزی تنظیم کے ۱۵۲ ارکان میں سے ۱۴۳ ارکان گولی کا نشانہ بنائے گئے۔ ۲۷ میں سے ۱۵ وہ اشتراکی جنہوں نے سوویت روس کے دستور کا مسودہ تیار کیا تھا، روس کی جنگی کونسل کے (۸۰) میں سے ستر ارکان روسی فوج کے پانچ میں سے تین مارشل، ساٹھ فیصد جرنیل اور تیس ہزار افسر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اشتراکیت انسانوں کے مابین جس نوعیت کی بداعتمادی اور جس قسم کے سازشی ذہن کی پرورش کرتی ہے اس کی اس سے بڑی المناک مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد لینن نے انتہائی ذمہ دار افراد پر مشتمل جو کابینہ بنائی تھی اس میں اسٹالن کے سوا اور کوئی نہ بچا۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں سٹالن کی موت کے بعد ملک کی زمام کار مالنکوف، بیریا اور مولوتوف کے ہاتھ میں آئی اور چار ماہ بعد بیریا پہ غداری کا الزام لگا کر اسے ٹھکانے لگا دیا گیا۔

مسٹر جان وائن ہرڈ John Wynne Herd نے اپنے تیس سالہ قیام روس کے دوران جو اعداد و شمار فراہم کئے تھے وہ ڈیلی گزٹ کراچی کی اشاعت مورخہ ۵-۶ جون ۱۹۳۲ء میں بھی شائع ہوئے تھے ہم انہیں یہاں درج کرتے ہیں اس سے اس ظلم و ستم کا اندازہ ہو سکے گا جو آغاز کار ہی میں حصولِ مقصد کے لئے روا رکھا گیا۔

---

[1] Lenin by David Shub p. 348)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشہ	مقتولین	پیشہ	مقتولین
اساقیف (لاٹ پادری)	۳۱	امراء و رؤسا	۶۵۸۹۰
اہل خدمات کلیسا	۱۵۶۰	فوجی افسر	۵۶۳۴۰
جج وکلاء اور مجسٹریٹ	۲۴۵۸۵	مزدور اور محنت کش	۱۹۶۰۰۰
اساتذہ اور طلبا	۱۶۳۶۷	سپاہی اور ملاح	۳۶۰۰۰
سول حکام	۷۹۹۰۰	کسان اور کاشتکار	۸۹۰۰۰۰

سامراجیوں کی من گھڑت باتیں : اس نوعیت کے تلخ حقائق اشتراکیت کے بارے میں جب سامنے آتے ہیں تو اشتراکی کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ سامراجیوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات ہم نے "اشتراکیوں کے ساتھ کیا بیتتی ہے؟" What Happens to Communists سے لئے ہیں۔ اس کتابچے کا مصنف Michael Padve ہے اور یہ معلومات افزا خاکہ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا اس کے تتمے میں مصنف نے ان معروف اشتراکی شخصیتوں کا تعارف مع ان کی مظلومیت کی نوعیت کے درج کیا ہے جنہیں تطہیر کی بھٹی میں گزارا گیا۔ اتنے واضح ثبوت کے بعد آخر حقائق کو کس طرح جھٹلایا جا سکتا ہے؟ اشتراکیوں کی جسارت کا تو یہ عالم ہے کہ ان واقعات کو جھٹلانے میں قطعاً متامل نہیں ہوتے جو خود ان کی اپنی تصنیف کردہ کتب میں درج ہیں مثلاً یہاں ہم نے تطہیر کی جس المناک داستان کو بیان کیا ہے اس کی تائید خود ماسکو کی چھپی ہوئی سرکاری کتب یو۔ ایس۔ ایس۔ آر کی مختصر تاریخ A Short History of the U.S.S.R. سے ہوتی ہے۔ اس کتاب کے مرتب نے اس امر کا واضح اعتراف کیا ہے کہ سویٹ یونین میں ایک سازش کے تحت عوام کو شخصیت پرستی کا مسلک اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا اور خاص طور پر سٹالن کے بارے میں ان کے دلوں پر یہ نقش بٹھانے کی کوشش کی گئی کہ وہ ہر عیب سے پاک اور ہر خطا سے مامون ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجتماعی قیادت کے تصور کو نقصان پہنچا اور سٹالن نے اپنی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ اس کے مزاج میں خشونت اور درشتگی پیدا ہو گئی تھی۔ پارٹی کے معزز ارکان سے بے وفائی کرنے میں اسے قطعاً کوئی تامل نہ تھا اور وہ کوئی معمولی تنقید بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سٹالن کے کارنامے: مشترکہ مرکزی انضباطی کمیشن جس نے ایک ہاتھ میں اتنے وسیع اختیارات مرتکز کرنے کی مخالفت کی تھی اسے توڑ دیا گیا تھا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۴ء کو سرجی کیروف (Sergei Kirov) جو لینن گراڈ کی علاقائی کمیٹی کا سیکرٹری اور پولیٹیکل بیورو کا رکن تھا، لینن گراڈ میں قتل کر دیا گیا اس قتل کے بارے میں آج تک جتنے واقعات سامنے آئے ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ عوام کو ہراساں کرنے، مخالف ارکان اور ان دیانتدار افراد کو دبانے کا بہانہ تھا۔ جو اگرچہ پارٹی کے ساتھ تو بڑے مخلص تھے مگر سٹالن کی نظر میں ناپسندیدہ تھے سٹالن نے ملک کے داخلی انتظام کی کمیٹی پر سے پارٹی کا انضباط ختم کر کے اسے براہ راست اپنی تحویل میں لے لیا اور اپنے منشا کے مطابق ایثر ہوف کو کمیٹی کا ناظم مقرر کیا۔ اس شخص نے اشتراکی پارٹی کے بہت سے جانثاروں کو تباہ و برباد کیا۔ اس کے بعد یہ عہدہ بیریا کے سپرد کیا گیا جس نے پارٹی کے ارکان پر نہایت بھیانک مظالم ڈھائے بہت سے ایسے افراد جنہوں نے سٹالن کی من مانی کاروائیوں پر احتجاج کیا یا جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے یا موت کی آغوش میں سلا دیئے گئے بعض نے مایوسی کے عالم میں خودکشی کر کے اس عذاب سے نجات پائی۔ شخصیت پرستی کے اس مسلک نے ملک کے اندر عدم اعتماد اور شکوک و شبہات کی عام فضا پیدا کر دی۔" صفحہ ۱۸۳-۱۸۱

یہ وہ اعتراف ہے جو خود اشتراکی حکومت نے اشتراکیت کے مزاج حکمرانی کے بارے میں کیا ہے اور یہ اس سٹالن کا کارنامہ ہے جسے سالہا سال تک اشتراکی "عظیم باپ" کہہ کر اپنا ہیرو بنائے رہے۔ اسے پڑھنے کے بعد یہ بات بڑی آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ دنیائے اشتراکیت میں سازشوں کا کیوں اس قدر عمل دخل ہے اور یہاں انسانی خون کیوں اس قدر ارزاں ہے۔

چیکوسلواکیہ میں تطہیر: جو ممالک روس کے زیر اثر ہیں وہ بھی بڑے وسیع پیمانے پر تطہیر کا عمل کرنے پر مجبور ہیں اور ماسکو سے اس سلسلے میں ہر وقت ہدایات جاری ہوتی رہتی ہیں۔ فروری ۱۹۵۲ء میں چیکوسلواکیہ کی اشتراکی حکومت نے اشتراکی لیڈروں کے ایک بہت بڑے گروہ کو گرفتار کر کے اس پر مقدمہ چلایا۔ ان میں کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری جنرل بھی شامل تھا۔ نومبر میں مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی اور ۳ دسمبر کو ان نامور اشتراکیوں کو پھانسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر لٹکا دیا گیا۔ جن بدنصیبوں کو قید و بند میں ڈالا جاتا ہے یا موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے ان کے خلاف الزام کی نوعیت عام طور پر یہی ہوتی ہے کہ وہ سویٹ یونین کے بارے میں غیر ہمدردانہ جذبات رکھتے ہیں یا سویٹ کے تجربے کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب جو ملک بھی اشتراکیت کا دعویدار ہو یا اس نظام کو اپنانے کی کوشش کرے اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنا قبلہ ماسکو کو ٹھہرائے اور زندگی کے ہر معاملے میں وہیں سے ہدایت حاصل کرے۔ اس سلسلہ کی نہایت ہی عبرتناک مثال حکومت بلغاریہ کا سٹالن کے نام ایک تار ہے۔ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بلغاریہ کی اشتراکی پارٹی کے سیکرٹری جنرل اور نائب وزیر اعظم کو اشتراکیت سے بے وفائی کا الزام لگا کر گرفتار کیا گیا اور اسے موت کی سزا دی گئی۔ حکومت بلغاریہ نے یہ ظالمانہ کارروائی کرنے کے بعد سٹالن کی خدمت میں یہ تار ارسال کیا۔

> "بے حد قابل تعظیم کامریڈ سٹالن! آپ کی بروقت اور دانشمندانہ ہدایات کا بے حد شکریہ جن کی وجہ سے ہم اپنی جمہوریہ کے چھپے ہوئے مگر بزدل دشمن کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہوئے۔ صرف آپ ہی کی دوررس نگاہیں کاسٹوف کے جاسوسی گروہ کی مجرمانہ کارروائیوں کو بھانپ سکتی تھیں۔"

عدالت سے بالا بالا: ان اشتراکی ممالک میں جن "باغیوں" کو سزا دی جاتی ہے اول تو ان پر مقدمہ ہی نہیں چلایا جاتا، خفیہ کارروائی ہی سے انہیں اس طرح ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے کہ مظلوموں کی لاشوں تک کا پتہ نہیں چلتا۔ ان میں اگر ایک ہزار آدمی کے خون ناحق سے اشتراکی سرزمین لالہ زار بنتی ہے تو بمشکل دس افراد کے لئے عدالت کا ڈراما کھیلا جاتا ہے۔ صرف روس میں بلا مبالغہ لاکھوں افراد کو لقمۂ اجل بنایا گیا مثلاً ۱۹۳۰ء کی تطہیر میں لاتعداد افراد کے خلاف نہایت سنگین قسم کی کارروائیاں کی گئیں۔ مگر ان میں سے صرف ۴۲ کو عدالت میں پیش کیا گیا یہی صورتِ حال روس کے حاشیہ بردار ممالک میں ہے۔

عدالتی ڈرامے: پھر اس عدالتی ڈرامے کا بھی ایک دلچسپ پہلو یہ ہے جن مجرمین کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو یہاں پیش کیا جاتا ہے ان کی عظیم اکثریت اپنے جرائم کی روداد فرفر سناتی چلی جاتی ہے اور خود عدالت سے استدعا کرتی ہے کہ اسے پھانسی کی سزا دی جائے۔ مثلاً مارچ ۱۹۳۸ء میں روس کے سابق نائب وزیر خارجہ Nikolay Krestinsky پر جب مقدمہ چلایا گیا تو اس نے پہلے روز عدالت میں یہ کہا کہ وہ بالکل بے گناہ ہے۔ مگر دوسرے روز ہی اس کا ذہن تبدیل ہو گیا اور اس نے عدالت سے درخواست کی کہ وہ اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے لہٰذا اسے قبول کرکے اسے سزا دی جائے۔

سرکاری پریس میں تذلیل: پھر ان باغیوں کی پریس میں اس انداز سے تحقیر و تذلیل کی جاتی ہے کہ اس کے تصور سے انسانی روح کانپ اٹھتی ہے۔ کسی انسان کے لئے اس سے زیادہ اذیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بالکل بے گناہ ہو اور محض معمولی سے اختلاف کی پاداش میں اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ کھڑا کیا جائے، پھر پولیس اور فوج کے سربراہ اسے ناقابل بیان اذیتیں پہنچا کر اس سے ناکردہ گناہ کا اعتراف کروائیں۔ اس کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی کی جائے اور پریس اور نشر و اشاعت کے دوسرے ذریعوں سے اسے رسوا اور ذلیل کیا جائے اور رسوائی کرنے والوں میں خود اس کی اپنی اولاد کو شامل کیا جائے۔

فرزند ارجمند بخلاف والد گرامی: ۱۹۵۲ء میں Ludwig Freyka پر چیکوسلواکیہ کے صدر کے معاشی مشیر اعلیٰ پر مقدمہ چلایا گیا تو اس کے بیٹے کی طرف سے مندرجہ ذیل خط ریڈیو پر نشر کیا گیا۔

"میں اپنے باپ کے لئے سنگین سزا یعنی موت کی سزا کا طالب ہوں اب مجھے اس امر کا احساس ہو رہا ہے کہ یہ مخلوق انسان کہلانے کی بھی مستحق نہ تھی، میرا باپ میرا سب سے بڑا اور سب سے سخت دشمن ہے۔ ایک مخلص اشتراکی ہونے کی وجہ سے مجھے اس بات کا احساس ہے کہ (اشتراکیت) کے دشمنوں کے خلاف میری نفرت خصوصاً باپ کے خلاف نفرت مجھے مستقبل میں اشتراکیت کی جدوجہد میں قوت بہم پہنچائے گی[1]

[1] What Happens to Communists P. 21

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشتراکی تصورِ انصاف: اشتراکیت کے اِن عدالتی ڈراموں کا مقصد خود ایک بہت بڑے روسی قانون دان نے یہ بیان کیا ہے:

"اشتراکی عدالت کے قیام کا مقصد رحم کے سارے احساسات سے عاری ہو کر عوام دشمن عناصر کا قلع قمع کرنا ہے، خواہ وہ اشتراکیت کے خلاف اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کا کسی صورت میں اظہار کریں یہ ساری عدالتیں درحقیقت جماعتی پالیسی کی آلۂ کار ہیں۔ اشتراکی انصاف مزدور طبقوں کے ہاتھ میں ظلم کا ہتھیار ہے اشتراکی جج کو اِس بنا پر صرف قانونی منطق کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے بلکہ یہ بات ہمیشہ اِس کے ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قانون فی الحقیقت پارٹی کے مسلک کا اظہار ہے جب پارٹی کی پالیسی قانون سے متصادم ہوتی نظر آئے تو ایسے قانون کو بلا تامل رد کر دینا چاہیئے تاکہ وہ پارٹی کی دی ہوئی ہدایات کی غیر مشروط اطاعت کر سکے کیونکہ یہی اِس کی نظر میں سب سے بالا قانون ہونا چاہیئے[1]"

جب کسی ملک کے نظامِ عدل کا یہ مقصد ہو تو حق و انصاف کا جو حشر ہوگا اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں چنانچہ اشتراکی ممالک کی عدالتوں میں باغیوں کا اعترافِ جرم زندگی کا بالکل معمول بن گیا ہے۔

آسٹروی اشتراکی کا بیان: ایک آسٹروی اشتراکی نے اپنی کتاب میں اس اعترافِ جرم کے نہایت ہی عبرتناک واقعات درج کئے ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ بہت سے ایسے حکام جو اسے جیل میں اعترافِ جرم کرانے پر مامور ہوئے تھے خود ان پر غداری کا الزام لگا کر انہیں اس کے ساتھ ہی جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔ وہ خود تو ایک عرصہ تک اس اعتراف کے اذیت ناک چکر میں سے گزرتا رہا، مگر جو اس سے یہ اعتراف اگلوانے پر مامور تھے انہوں نے خود باغی اور غدار ہونے کا اعتراف کر لیا اور اس کی سزا پائی۔

---

[1] The Law of the Soviet State

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سزا بلا جرم: دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ دردناک ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر نازیوں کے جنگی قیدیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمے کے سلسلے میں شالن کے بعض قریبی ساتھیوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے نازیوں سے مل کر اپنے رہنما کو قتل کرنے اور یورپی روس کا قریب قریب نصف حصہ جرمنوں کے حوالے کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ روسیوں کو تو ان اعترافات کے تحت سنگین سزائیں دی گئیں مگر سرکاری وکیل نے نازی قیدیوں کے بارے میں اس الزام کا کہیں اشارہ نہیں کیا۔ جرمن کی شکست کے بعد اس ملک کی تمام خفیہ دستاویزات برطانیہ، امریکہ اور روس کے قبضے میں آگئی ہیں اور ان میں سے اکثر شائع بھی ہو چکی ہیں مگر ان میں سے کہیں بھی تطہیر شدہ، روسی رہنماؤں اور نازیوں کے مابین اس سازش کا ذکر نہیں ملتا۔

اِن اعداد و شمار اور مظالم پر ایک نگاہ ڈالیئے اور دیکھیئے کہ کیا یونانیوں کی ستمرانیاں، ایرانیوں کی زبردست آزاریاں، چنگیز اور ہلاکو خاں کی قیامت خیز خوں فشانیاں، اس فہرست کے مقابلے میں کوئی اہمیت رکھتی ہیں اِس ضمن میں یہ بھی یاد رہے کہ یہ ثمرات اور نتائج اِس اشتراکیت کے ہیں جس کے متعلق خود لینن کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریک حکومت اور جنگ کی دہشتوں سے نجات دلانے کی صراطِ مستقیم ہے[1] پھر یہ سارا ظلم و تشدد بھی گوارا کر لیا جاتا اگر اس سے وہ نتائج برآمد ہو جاتے جن کی اشتراکیت دعویدار تھی۔ ذرائع پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دے دینا اِس کا اصل مقصود نہ تھا بلکہ یہ اصل نصب العین کو حاصل کرنے کا ایک موثر ذریعہ تھا

---

[1] اشتراکیوں کے ہاتھوں ان مظالم کا ڈھایا جانا کوئی خلافِ توقع بات نہیں بلکہ یہ سب کچھ تعلیم کے مطابق ہوا ہے۔ مارکس کے منشور کے بعد تحریک اشتراکیت میں لینن کی کتاب "ریاست اور انقلاب" State and Revolution سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس میں درج ہے: "سرمایہ داری نظام حکومت کی جگہ اشتراکین کی حکومت کا برسرِ اقتدار آجانا تشدد آمیز انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔ مزدوروں کی جماعت کی آزادی تشدد آمیز انقلاب اور موجودہ حکومت کی مشینری کی مکمل تخریب کے بغیر ممکن نہیں" اسی طرح اینجلز کا ارشاد ہے "انقلاب ایک ایسا عمل ہے جس کی مدد سے آبادی کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر اپنا اختیار و ارادہ، قوت و استبداد، توپ، شمشیر، گولیوں کی بوچھاڑ اور آتش گروں کے دھماکوں سے زبردستی مسلط کر دیتا ہے۔ وی۔ اے۔ ایڈورسکی ز V.A.ADORUSTKY اپنی کتاب جدلی مادیت DIALECTICA MATERIALISM میں لکھتا ہے:-

"نسلِ انسانی صرف قوتِ بازو سے جو اشتراکیت کی شکل میں موجود ہے نیم وحشیانہ زندگی، افلاس استبداد اور جہالت کے پنجہ سے رہائی پا سکتی ہے نہ کہ خدا کی مدد کے بھروسہ پر جس کے متعلق ہمارا یقین ہے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تحریک کا اصل مقصد مختلف انسانوں کے درمیان اجتماعی عدل کا قیام ہے اشتراکیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب افراط کے تسلط سے ذرائع پیداوار کو نکال کر انہیں پوری قوم کے حوالے کر دیا جائے۔ کیونکہ اسی طرح مفادِ کلی کی حفاظت ممکن ہے۔ افراد کی ملکیت میں ذرائع پیداوار کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دنیا میں ظلم و جبر کا دور دورہ ہے، اور سرمایہ دار کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کا خون چوس چوس کر اپنے شبستانِ عیش کے چراغ جلا رہے ہیں۔

اشتراکیت ساری دنیا میں نہ سہی، بلکہ صرف چند ممالک میں ذرائع پیداوار کو افراد کے ہاتھوں سے چھین کر حکومت کے سپرد کرنے میں کامیاب ہوئی ہے مگر افسوس کہ اس عظیم اور بنیادی تبدیلی کے باوجود جو لاکھوں انسانوں کا خون بہا کر عمل میں لائی گئی عوام کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا پہلے اگر ملک کا سرمایہ دار طبقہ اُن کو لوٹتا تھا تو اب "یہ فرض" حکومت کے مقدس ہاتھوں سرانجام پاتا ہے اس خونی انقلاب سے پیشتر اگر غریب مزدور کی محنت سے حاصل شدہ قدرِ زائد Surplus Value زردار ہتھیا لیتا تھا تو اب اس سے حکومت اور اس سے ذاتی مفاد وابستہ رکھنے والے اصحاب مستفید ہو رہے ہیں۔ فرق جو کچھ ہوا ہے وہ یہ کہ چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کو نگل کر حکومت خود ایک بہت بڑے سرمایہ دار کی حیثیت سے معاشرے کے سیاہ و سپید کی مالک بن گئی ہے۔

طبقات کا وجود: علم معاشیات کا ایک مبتدی بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ جہاں کسی معاشرے کے وسائل پیداوار کے استعمال کی عام آزادی ہو گی، وہاں قدر Value اشیائے زر، تبادلہ، اور منڈی سب کے سب بے معنی الفاظ ہوں گے۔ کیونکہ کسی سماج میں بھی ان کا وجود اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ وہاں افراد کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل ہے۔ ایک فرد اس شے کا تبادلہ کر سکتا ہے جو اس کی ملک ہے۔ اور اسی عمل سے "قدر" معرضِ وجود میں آتی ہے۔ پھر اس قدر کو ناپنے کے لئے کوئی ایک معیار ہونا بھی ضروری ہے اور اسی کو معاشیات کی اصطلاح میں سکہ کہا جاتا ہے جس ملک اور قوم میں سکہ کا رواج ہو گا وہاں سماج کے مختلف طبقوں میں صرف معاشیات کے بل بوتے پر مساوات قائم نہیں کی جا سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روس میں اجتماعی عدل کو قائم کرنے کے لئے اوائل انقلاب میں سکہ کے استعمال کو ختم کیا گیا مگر چند سال بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ روبل کا بُت پوجے "خلوص" کے ساتھ روسی منڈیوں میں پجنے لگا۔ ایم۔ لارین (Larine) بوچرین (Buchrrine) اور کریسٹنشی (Krestnshi) نے حکومت کے اس "رجعت پسندانہ" اقدام کے خلاف آواز اٹھائی مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ انہیں اپنی صاف گوئی کے الزام میں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے

جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ معاشی لوٹ کھسوٹ اور جور واستبداد کا اصل ذمہ دار سکہ ہے بلکہ اس کا وجود تو اس بات کی شہادت ہے کہ سوسائٹی میں مختلف طبقے موجود ہیں اور ان کے معیارِ زلیست میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ایک فرانسیسی کیمونسٹ کامریڈ "یان" (Yvon) کی رائے قابلِ غور ہے۔ روس کے معاملات پر اس کی نظر سرسری اور سطحی نہیں، بلکہ اس نے روسی مشین کے کل پرزہ کی حیثیت سے اشتراکیت کی تعمیر میں ایک نمایاں حصہ لیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

> روس کے اندر طبقہ واریت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہاں امرا بھی ہیں اور غربا بھی، غالب بھی ہیں اور مغلوب بھی ان کے معیارِ زلیست میں نمایاں تفاوت ہے۔ ریل کے ڈبوں جہازوں اور ریستورانوں میں مختلف درجوں کا پایا جانا اس طبقہ واریت کی ایک کھلی اور بیّن دلیل ہے" کچھ خوش نصیب لوگ صحت افزا مقامات پر بڑے بڑے محلات میں نہایت آرام اور عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں مگر بہت سے سیاہ بخت جھونپڑیوں تک کے محتاج ہیں یہاں ذاتی ملکیت کا احاطہ نہایت محدود ہے، بلکہ سب کچھ ریاست کے بت پر نچھاور کر دیا گیا ہے ریاست عمومی مفاد کے لئے قائم نہیں کی گئی بلکہ اس کا فائدہ چند افراد کو حاصل ہوتا ہے عوام کا فرض صرف ریاست کی بقا کے لئے جد و جہد کرنا ہے اس کی بہتری کے لئے کوشاں رہنا اس کا احترام کرنا اور اس سے خائف ہونا ہے اس کو عوام کی بہتری اور خوشحالی سے کوئی سروکار نہیں سرمایہ دارانہ ممالک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پولیس سے کہیں زیادہ جلد اور تیار پولیس کروروں سے ان کی محنت کے ثمرات چھین کر اُن کو برسر اقتدار طبقہ کی خدمت میں بطورِ نذرانہ پیش کر دیتی ہے۔ سرمایہ کے ارتکاز نے بلاشبہ ایک نئی جماعت کو جنم دیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نئی جماعت صرف محنت کشوں پر مشتمل ہے، پہلے جس مقام پہ سرمایہ دار فائز تھے اب وہاں بڑے بڑے حکام اور اعلیٰ افسران متمکن ہیں۔ غریب مزدوروں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑا نہیں بلکہ بدلا ہے اور یہ نئی زنجیریں پہلی زنجیروں سے کہیں زیادہ مضبوط اور وزنی ہیں روسی عوام نے ۱۹۱۷ء میں اس انقلاب کو بڑی قربانیوں کے بعد پایۂ تکمیل تک پہنچایا مگر روس کی حالیہ تاریخ اب صرف عیاری کی داستان ہے جس کے دام میں عوام کو پھنسایا گیا ہے۔

ممکن ہے اشتراکیت کے بعض پر جوش خیر خواہ، یان (Yuon) کی ان تصریحات کو محض یہ کہہ کر مسترد کر دیں کہ یہ شخص مخلص کامریڈ نہ تھا بلکہ سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہونے کی بنا پر اس نے "جنتِ ارضی" کو بدنام کیا ہے اس لئے ہمیں ایک فرد کی رائے پر یقین کر کے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات کسی حد تک معقول اور وزنی ہے۔ ایک فرد یا چند افراد کی محض رائے سے کسی چیز کے متعلق کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے مزید غور و خوض اور چھان پھٹک درکار ہے مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ہم ہر بات کو صرف اس لئے رد کر دیں کہ یہ "محض رائے ہے"۔ یہاں اصل کو نقل سے، حق کو باطل سے بھلے کو بُرے سے نفع کو نقصان سے میز کرنے کے لئے۔ روایت و درایت کے چند متعارف اصول ہیں جن کی مدد سے یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

اشتراکی حضرات کا یہ رویہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے ایک نہیں بلکہ ہزاروں اشخاص تحریک اشتراکیت کے علمبردار کی حیثیت سے اپنی جان تک کی بازی لگاتے ہیں۔ مگر جب یہ نظام واقعات کی دنیا میں اُن کے سامنے آتا ہے تو بے اختیار ان کے منہ سے نکل جاتا ہے ——— اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِس آمد کے نکلتے ہی وہ غدار، عیار اور ملک و ملت کے دشمن قرار پاتے ہیں اور کوئی غور نہیں کرتا کہ کل تک جو شخص "جانِ جہاں" تھا وہ آج کیونکر "ننگ وطن" ہوگیا ہے۔ ان لوگوں کا درخشاں ماضی ان کے اخلاص کی پوری شہادت فراہم کرتا ہے۔ مگر روس کے صاحب اختیار طبقہ کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں۔

اختلاف خواہ ٹراٹسکی کرے یا "ریان"، اوسٹلے کرے یا "بیریا" سب کے سب جھوٹے بے ضمیر اور نفتہ کالسٹ ہیں اور ان کی کسی بات کو سننا اشتراکیت کے ساتھ بیوفائی کرنے کے مترادف ہے روس کے اربابِ بست و کشاد نے یہ الزامات اپنے مخالفین پر اس شدت سے لگائے ہیں کہ آدمی یہ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اشتراکیت کے پرستاروں میں کوئی بھی مخلص اور دیانت دار نہیں؟ کیا اس تحریک نے ایک فرد بھی ایسا پیدا نہیں کیا جس کی سیرت پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکے؟ کیا یہ سارا نظام ہی "غداروں" کے بل بوتے پر چل رہا ہے؟

چلیئے ہم ایک لمحہ کے لیے یہی فرض کر لیتے ہیں کہ حکومت سے اختلاف کرنے والے سب جھوٹے اور مکار تھے۔ ان سے اشتراکیت کو کسی بھلائی کی توقع نہ تھی، انہوں نے نصب العین کے مقابلے میں ہمیشہ اپنے شخصی مفادات کو ترجیح دی ہم اس بات کو بھی مان لیتے ہیں کہ آہنی پردے سے چھن چھن کر حالات کی جو صورت وقتاً فوقتاً باہر آتی ہے وہ بھی غلط ہے مگر ان واقعات کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے جن کو اشتراکی حکومت نے خود تسلیم کیا ہے۔

معاشی مساوات کا فریب: اشتراکیت کی تحریک، معاشی مساوات[1] کے اصول پر اٹھائی گئی اسی جذبہ نے عوام کو سرگرم عمل کیا اور انہوں نے بے پناہ قربانیاں دیں مگر جب یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا تو فوراً کہا گیا کہ ہمارے سامنے کب یہ مقصد ہے چنانچہ سٹالن نے بالکل واشگاف الفاظ میں کہا:

"یہ لوگ (معاشی عدم مساوات کی پالیسی کے خلاف آواز بلند کرنے والے بالشویک) شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اشتراکیت مساوات کی داعی ہے اور اس کا مقصد معاشرہ

---

[1] لینن کا یہ قول ہے "کسی اعلیٰ افسر کی تنخواہ کسی صورت میں ایک عام مزدور کی تنخواہ سے زیادہ نہ ہونے پائے"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اراکین کی ضروریات اور ذاتی احتیاجات کے معیار کو مساوی کر دینا ہے یہ لوگ شدید قسم کی ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اشتراکیت کے پیش نظر ذاتی ضروریات اور احتیاجات زندگی میں برابری پیدا کرنا نہیں تھا، بلکہ صرف طبقہ واری تقسیم کو ختم کرنا تھا۔[1]

اب سوال یہ ہے کہ کیا طبقہ واری تقسیم کا ختم کرنا بذات خود کوئی مقصد ہے یا کسی بلند تر مقصد کے حصول کا ذریعہ۔ ظاہر بات ہے کہ یہ از خود کوئی مقصد نہیں ہو سکتا اس کے ختم کرنے سے بھوک، افلاس، جہالت اور بیماری کا خاتمہ مقصود تھا۔ انیسویں صدی میں انگلستان کے مزدور جس فاقہ مستی کا شکار تھے جس خستہ حالی اور مظلومیت میں مبتلا تھے انہوں نے مارکس[2] اور اس کے رفیق اینجلز[3]

---

[1] Stalin's Seventeenth Congress of C.P.N.S.I.W. 1934

[2] "سرمایہ" میں وہ کہتا ہے: "اگر آگیر کے قول کے مطابق سکہ دنیا میں انسانی رخساروں پر خون لاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں سرمایہ مزدوروں کے جسم کے ہر مسام سے خون نچوڑتا ہے۔

[3] اینجلز نے ان احساسات کا اظہار یوں کیا ہے:

اگر مزدور اتنا خوش نصیب ہے کہ اسے کام مل جائے یعنی سرمایہ دار اس پر صرف نوازش کرے کہ اسے اپنے آپ کو دولت مند بنانے کا ذریعہ بنالے تو اس صورت میں اس بدنصیب کا معاوضہ صرف اسی قدر رہے کہ وہ بڑی مشکل سے جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھ سکتا ہے اگر اسے کام نہیں ملتا تو وہ مجبوراً چوری کرتا ہے وہ پھر لکھتا ہے:

"وہ آلو جو بالعموم غربا خریدتے ہیں نہایت ناقص ہوتے ہیں، وہ باسی پنیر اور نہایت گھٹیا قسم کے گوشت کو بطور غذا کے استعمال کرتے ہیں۔ غذا میں عام طور پر ملاوٹ کی جاتی ہے، مگر اس کا سب سے زیادہ نقصان غربا کو برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ امراء زیادہ قیمت ادا کر کے اچھی دکانوں سے مال خرید سکتے ہیں۔"

(انگلستان کے مزدور طبقہ کے حالات)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو غور و فکر پر ابھارا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس بربادی کا اصلی سبب ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت ہے۔ اس کے ختم کرنے سے طبقہ واریت دفن ہو گی اور اس کے "پسماندگان" خواہ قیامت تک زندہ رہیں مگر انہیں یہ ہمت نہ ہو گی کہ سماج کے کسی طبقہ کا استحصال کر سکیں۔ اب اگر طبقہ واریت کی موت سے صرف یہی مراد ہے کہ کسی ملک میں انفرادی ملکیت کا یکسر خاتمہ کر دیا جائے تو اس لحاظ سے روس میں طبقاتی تقسیم کی حیثیت کم ہو چکی ہے۔ اگر ناجائز انتفاع کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں بے سہارا مزدور اپنے آپ کو ایک صاحب جائداد انسان کے ہاں اپنی محنت کو بیچنے پر مجبور پاتا ہے تو اس نقطۂ نظر سے روس میں کوئی استحصال (Exploitation) نہیں کیونکہ وہاں کسی فرد کو بھی ایک خاص مالیت سے زیادہ جائداد رکھنے کی اجازت نہیں دی جاتی مگر یہ ناجائز انتفاع، استحصال اور لوٹ کھسوٹ کوئی ایسی روحانی اور قلبی کیفیات نہیں جس کو کسی محسوس شکل میں دیکھا نہ جا سکے۔ یہ وہ افعال ہیں جن کے نتائج اس آب و گل کی دنیا میں ٹھوس صورتوں میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتے ہیں جس طبقہ اور سوسائٹی میں ان کی گرم بازاری ہو گی وہاں انسان دو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہوں گے۔ ایک مزدوروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے اور دوسرے وہی محنت بیچنے والے۔ ان کو پہچاننے کے لئے کسی زیادہ علم اور تجسس کی ضرورت نہیں۔ ہر انسان بادی النظر میں انہیں جان سکتا ہے۔ دنیا میں جس جگہ عالیشان محلات کے پہلو میں جھونپڑے موجود ہوں، عیش و عشرت کے مقابلے میں افلاس دکھائی دے۔ آرٹ کلچر کے مقابلہ میں جہالت نظر آئے صحت اور تندرستی کے مقابلہ میں بیماری پائی جائے وہاں سمجھ لیجئے کہ طبقہ واریت کا دیو حکومت کر رہا ہے۔ سرمایہ دار اور مزدور کی زندگیوں کے معیار میں تفاوت ہی طبقاتی تقسیم کے وجود کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ ٹراٹسکی (TROTSKY) اپنی تصنیف فریب انقلاب (Revolution Betrayed) میں روس میں استحصال کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جہاں تک عوام کا تعلق ہے نہ ان کے پاس مویشی ہیں اور نہ باغات اور اکثر تو مکانوں تک سے محروم ہیں ایک مزدور کی سالانہ آمدنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارہ سو سے پندرہ سو روبل ہے۔ روس میں یہ آمدنی ضروریات زندگی کی گرانی کے مقابلے میں اس قدر کم ہے کہ اس سے سانس تک کو برقرار رکھنا محال ہے۔ لوگوں کی بود و باش (جو کسی قوم کے معیار زیست کی سب سے بڑی اور قابل اعتماد نشانی ہے) نہایت پست ہے۔ محنت کشوں کی عظیم اکثریت چھوٹے چھوٹے اور خستہ حال جھونپڑوں میں جانوروں کی طرح رہتی ہے ... یہ واقعات اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

اسی طرح فینر براک وے (Fenner Brock way) نے اپنی کتاب "محنت کشوں کا محاذ" (Workers' Front) میں اس اندوہناک صورت حالات کا تذکرہ یوں کیا ہے:

"روس میں، جہاں مزدوروں نے ۱۹۱۷ء میں عدیم المثال فتح حاصل کی تھی، آمدنی میں تفاوت روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور اشتراکی سماج جس کی زندگی کا ساز معاشی مساوات کے تاروں پر چھیڑا گیا تھا اب حق وراثت کے اجراء کے بعد اپنی تان شدید قسم کی طبقہ داریت اور معاشی ناہمواری پر توڑ رہا ہے۔"

کامریڈ یون YOUN نے روسی باشندوں کے معاوضوں کی جو تفصیلات دی ہیں وہ قابل غور ہیں۔

کم سے کم تنخواہیں		زیادہ سے زیادہ تنخواہیں	
عام مزدور پیشہ لوگ	۸۰ روبل	عام مزدور پیشہ لوگ	۴۰۰ روبل
معمولی ملازمین	۸۰ روبل	معمولی ملازمین	۳۰۰ روبل
گھریلو نوکرانیاں	۵۰ روبل مع خوراک	گھریلو نوکرانیاں	۶۰ روبل مع خوراک
ماہر صنعت	۳۰۰ روبل	ماہر صنعت	۸۰۰ روبل
ذمہ دار تنظیمین اور ماہرین	۱۵۰۰ روبل	ذمہ دار تنظیمین اور ماہرین	۱۰۰۰۰ روبل
بڑے بڑے پروفیسر آرٹسٹ اور مصنفین	۲۰۰۰۰ روبل	بڑے بڑے پروفیسر آرٹسٹ اور مصنفین	۳۰۰۰۰ روبل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ اعداد و شمار اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ روس میں آمدنی کے اعتبار سے سرایسا طبقہ[1] موجود ہے جس کو کوئی بڑے سے بڑا سرمایہ دارانہ نظام جنم دے سکتا ہے یہ وہ بدیہی شہادتیں ہیں جن کا روس کے ارباب بست وکشاد تک نے دبی زبان میں اعتراف کیا ہے چنانچہ کامریڈ سیکس (Sekims) رقم طراز ہے۔

جنگ سے پیشتر ایک عام مزدور ۲۵۰ روبل اور ماہر صنعت ۵۰۰ روبل ماہوار تنخواہ پاتا تھا۔ اب یہ فرق ۶۰۰ روبل سے ۳۰۰۰ روبل تک پہنچ گیا ہے یعنی ایک ماہر منتظم یا بڑا افسر ایک عام مزدور کے مقابلہ میں ۵ گنا زیادہ تنخواہ پاتا ہے ہم درحقیقت اپنے ماہرین کو ضرورت سے زیادہ تنخواہ دے رہے ہیں"

یہ تو ہے تنخواہوں میں تفاوت۔ پنشن میں یہ فرق اور بھی نمایاں ہے۔ ڈاکٹر بیرلی اپنی تصنیف "روس سوویٹ عہد حکومت میں (Russia Under the Soviet Rule)" میں لکھتا ہے۔

پنشن کی رقم جو روسی مزدور کو اپنی قوت کے زائل ہو جانے کے بعد دی جاتی ہے بہت قلیل ہے اور اس وجہ سے وہ اس میں کوئی جاذبیت نہیں پاتا۔ یہ عام طور پر ۲۵ اور پچاس روبلز کے درمیان ہوتی ہے اور بہت ہی کم حالتوں میں ۷۰

---

[1] پاکستان بننے کے بعد کچھ لوگ ماسکو تشریف لے گئے۔ ان میں ہر خیال کے لوگ موجود تھے انہوں نے اس ملک کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ مندرجہ بالا حقائق کی تائید کرتے ہیں مثلاً آمدنیوں کے اس تفاوت کو مسٹر مبارک ساغر نے تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے۔ روس میں جو زیادہ سے آمدنی رکھنے والا شخص ملا ہے اس کی آمدنی ۲۵۰۰۰ روبل تھی۔ اسی طرح امروز لاہور کے سابق ایڈیٹر مسٹر طفیل احمد خاں کا بیان ہے کہ وہ کپڑے کے کارخانے میں گئے جہاں انہیں معلوم ہوا کہ عام مزدور کی آمدنی ۴۰۰ روبل ماہوار ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ اگر قوت خرید کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ آمدنی اتنی زیادہ نہیں اور ان کا اندازہ ہے کہ ۱۰۰۰ روبل کی قوت خرید ۵۰۰ پاکستانی روپوں کے برابر ہو گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا ۸۷ روبل تک پہنچتی ہے۔ جو شخص روس میں ۱۵۰ سے ۲۰۰ روبلز ماہانہ کماتا ہے وہ نہایت افلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک غریب محنت کش کے لئے ملازمت کی میعاد کا ختم ہونا کس قدر روح فرسا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ روسی مزدور ستر سال کی عمر پا لینے کے بعد بھی ملازمت کو جاری رکھنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ حکومت ایک طرف نہایت ڈھٹائی سے ایک مزدور کو جس نے اپنی عمر عزیز کے ۵۰ سال مشین کے سامنے کھڑے ہو کر گذارے ہیں صرف ۲۵ روبلز ماہانہ دیتی ہے۔ مگر اس کے برعکس اپنے اہل کاروں اور عہدہ داروں کو پندرہ سو روبلز سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تا زیست ان کے رہنے کے لئے ایک آرام دہ مکان کا انتظام بھی ہوتا ہے[1]۔

پاکستانی وفد کے تاثرات: آج سے قریباً بیس برس پیشتر چند مقتدر اصحاب روسی حکومت کی دعوت پہ اس "جنتِ ارضی" کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے لئے ماسکو تشریف لے گئے۔ ان میں سوشلسٹ اور غیر سوشلسٹ سبھی قسم کے لوگ شامل تھے انہوں نے وہاں کے جو حالات مختلف اخبارات میں شائع کئے ہیں وہ روسی عوام کی زبوں حالی کا اندازہ کرنے کے لئے کسی حد تک کافی ہیں۔

ان تمام مندوبین نے یک زبان ہو کر جس حقیقت کا اعتراف کیا ہے وہ اس ملک میں اشیاء کی ہوشربا گرانی ہے جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ بھاری تنخواہوں کے باوجود بھی مفلوک الحال ہیں اس گرانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کامریڈ مبارک ساغر کو اپنی ایک قمیص کے لئے ۱۱۵ روبل[2] ادا کرنے پڑے۔ مسٹر الطاف حسین نے اپنے سفرنامہ میں متعدد چیزوں کی جو قیمتیں لکھی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

بڑا گوشت ۱۱ روبل فی کیلو (ایک کیلو ۱/۴ ۱ سیر)

---

[1] Dr. Basily (Russia Under the Soviet Rule)

[2] یہ ذہن نشین رہے کہ یہ بیس سال پہلے کی حالت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انڈے	۱۲ روبل کے دس
اوسط درجے کی قمیض	۱۵۰ روبل
جوتے	۵۰۰ روبل
ایک اوسط درجے کا سوٹ	۱۰۰۰ روبل

اسی طرح ڈاکٹر افضال حسین نائب صدر پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن نے حسب ذیل قیمتیں لکھی ہیں

سوتی کپڑا	۱۲ سے ۱۴ روبل فی گز
معمولی جوتے	۴۰۵ روبل
نک ٹائی	۵۵ روبل
دودھ	۴ روبل فی کیلو

ڈاکٹر ریاض علی شاہ صدر پنجاب میڈیکل ایسوسی ایشن نے قیمتوں کا پاکستانی سکے میں تعین کیا ہے۔

اوسط درجے کا جوتا	۴۰۰ روپے
فیتہ (ایک جوڑی جوتے کیلئے)	۴ روپے
سوتی کپڑا	۱۲ روپے گز

ان سب حضرات نے یہ بھی بتایا ہے کہ روس میں رہنے والے بعض ایسے بدبخت بھی ہیں جن کی ماہانہ آمدنی ۳۰۰ روبل یعنی ۱۵۰ روپے ہے۔

ان قیمتوں کے پیش نظر ایک مزدور کے لئے تین سو روبل میں اپنے جسم اور جان کے رشتے کو برقرار رکھنا واقعی بڑا دشوار ہے۔ پاکستان کے ایک کاریگر کی ماہانہ آمدنی ۴۰ روپے ہوتی ہے جو روس میں کم سے کم آمدنی کا پانچواں حصہ ہے، مگر روس میں اشیائے کی قیمتیں پاکستان سے دس گنا زیادہ ہیں۔ اس لئے ان سہولتوں کے باوجود جو روسی عوام کو ساتویں درجے تک مفت تعلیم، کبرسنی میں تھوڑی سی پنشن اور طبی امداد کی شکل میں حاصل ہیں انہیں محض اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے بڑی جانفشانی سے کام کرنا پڑتا ہے[۱]۔

---

[۱] ڈاکٹر افضال حسین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسٹر الطاف حسین نے اس حقیقت کا بھی واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ انہیں بارہا ماسکو میں نہایت بوسیدہ لباس پہنے ہوئے غریب افراد ملے چنانچہ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں

"کچھ راستہ پوچھنے کے بعد ڈرائیور صاحب ایک نہایت پرانی اور خراب قسم کی گلی میں مڑ گئے جس کے دونوں جانب شکستہ اور بوسیدہ مکان تھے جن کی دیواروں سے پلستر ایک عرصہ ہوا غائب ہو چکا تھا۔ ماسکو میں ایسی بستیاں بکثرت موجود ہیں"

"دیہی علاقوں میں سفر کے دوران ہم نے سڑک کے دونوں طرف لکڑی کی جھونپڑیاں اور کیبن قطار در قطار دیکھیں۔ ان میں کچھ تو بظاہر ٹھیک معلوم ہوتیں لیکن اکثر کس مپرسی کی حالت میں تھیں۔ اس قسم کے مناظر سے گذرتے ہوئے کسی شخص کے ذہن پہ عام خوشحال کا کوئی تاثر قائم نہیں ہوتا تھا"

"ایک کسان خاندان کی اوسط سالانہ آمدنی ۲۴۰۰۰ روبل ہے۔ کسی ایک مکان کو لے کر جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے اسے عموم کا رنگ دینا دشوار ہے لیکن اگر اسی گھرانے کو وہاں کے کسانوں کا اوسط گھرانہ ہی سمجھا جائے تو یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر ۲۴۰۰۰ روبل کی اتنی بڑی رقم کہاں چلی گئی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے اپنے وطن مشرقی پاکستان کے کسانوں کی یاد آتی ہے اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ کیا مشرقی پاکستان کے کسان واقعی روسی کسانوں سے کم خوش حال ہیں"

یہ سب شواہد کیا اس بات کی شہادت نہیں دیتے کہ روس کے اعلیٰ طبقہ کی ساری عیاشیاں اس ملک کے "فریب خوردہ" انسانوں کی محنت کا حاصل ہیں۔ سرمایہ دارانہ ممالک میں غریبوں کا خون سرمایہ دار اپنے ہاتھوں سے نچوڑتا ہے اور یہاں یہ کام حکومت کی وساطت سے کیا جاتا ہے۔

۵۔ **سائبیریا کے اجتماعی کیمپ**: روس کے بااختیار طبقہ کو جو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان میں ان مزدوروں کے علاوہ ان بدنصیب انسانوں کا بھی حصہ ہے جنہیں حکومت نے سائبیریا کے اجتماعی کیمپوں Concentration Camps میں قید کر رکھا ہے "یہ لوگ ایک نہ ختم ہونے والی غلامی میں گرفتار ہیں۔ انہیں سماج اور زندگی دونوں سے محروم کر دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے۔ امید کی کوئی کرن بھی ان کی زندگی کے اندر حرارت اور حرکت پیدا نہیں کر سکتی ان کے پاس سوائے غلامی کی زنجیروں کے اور کوئی چیز باقی نہیں [1]۔

پھر یہ لوگ دس بیس سو یا ہزار نہیں بلکہ ان کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ وکٹر کریوشنکو (V. Krevchenko) نے اپنی کتاب "میں آزادی منتخب کرتا ہوں" (I Chose Freedom) میں لکھا ہے۔

ہماری صنعت کا سب سے بڑا سہارا قیدیوں کی ایک بہت بڑی فوج تھی جس میں ہر آن اضافہ ہوتا جا رہا تھا سرکاری حلقوں کا کہنا ہے کہ یہ تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ تھی۔ اس تعداد میں چودہ سال سے لے کر سولہ سال تک کے بچے بھی شامل ہیں جن کو بالجبر اپنے والدین سے الگ کر کے سائبیریا بھیج دیا گیا سوویٹ روس کی جنگی صنعتوں کا انحصار زیادہ تر انہیں غلاموں پر ہے"

اسی طرح بروکس اٹکنسن (Brook Atkinson) نے ماسکو سے واپس آکر اس حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے۔

"کوئی شخص بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کتنے انسان جلا وطنی کی حالت میں ہیں یا قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں لیکن اندازہ یہی ہے کہ ان کی تعداد ایک کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کے درمیان ہے"

آدم کی یہ مظلوم اولاد جس بے کسی میں اپنی زندگی بسر کرتی ہے وہ تاریخ انسانی کی ایک المناک داستان ہے۔ یہاں ہم اس کے صرف چند پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی خوراک کے بارے میں عام پالیسی یہ ہے کہ انہیں کم سے کم کھانا دیا جائے تاکہ حکومت کو ان کی محنت کا زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو۔ فاقہ مستی کے دیو کو ان پر ہر وقت مسلط رکھا جاتا ہے اور زائد خوراک کا لالچ دے کر اُن سے اُن کی قوت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کام لینے کی کوشش کی جاتی ہے چنانچہ ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جہاں ان قیدیوں نے مچھلی کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے جان تک کی پرواہ نہ کی اور اتنی بے جگری سے کام کیا

[1] Daved. I. Dallin, Forced Labour in Russia

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جان تک جاتی رہی[1]"

ان سے جس ظلم اور تشدد کے ساتھ کام لیا جاتا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف اس بیان پر غور کیجئے۔

"قیدیوں کو صبح چار اور پانچ بجے کے درمیان معمولی خوراک دے کر کام پر بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں وہ سات بجے شام تک کام کرتے ہیں۔ دن بھر کی محنت اور بھوک سے وہ اس قدر نڈھال ہو جاتے ہیں کہ ان کے لیئے اپنی بارکوں میں واپس آنا مشکل ہو جاتا ہے[2]"

اس ضمن میں اس امر کی صراحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان کیمپوں میں جو شخص بھی لایا جاتا ہے وہ لازمی طور پر مجرم ہی نہیں ہوتا بلکہ ان میں خاصی تعداد ان بے گناہوں کی بھی ہوتی ہے جن کی آزادی کو محض کسی منصوبہ کی تکمیل کے لیئے سلب کر لیا جاتا ہے۔ حکومت اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ ان لوگوں پر وہ کم سے کم صرف کر کے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کر سکتی ہے اس لئے کسی اسکیم کے جاری کرنے سے پیشتر خفیہ پولیس کو اشارہ کر دیا جاتا ہے کہ سرکار عالی مدار کو اتنے افراد کی خدمات درکار ہیں۔ چنانچہ یہ "مقدس گروہ" ملک کے کونے کونے سے "غداروں" کو تلاش کر کے انہیں "پرولتاریہ" حکومت کے حضور میں پیش کرتا ہے تاکہ وہ ان سے اشتراکیت کی تعمیر میں مدد لے۔

"پچھلے صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی توقع کے خلاف نہیں انہیں محض یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سٹالن اور اس کے رفقاء کار کی غلط روش کے ثمرات ہیں۔ انقلاب سے لے کر آج تک روس میں جس قدر ظلم و ستم بھی ہوا ہے۔ جن جن طریقوں سے کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کو لوٹا گیا ہے۔ وہ سب اشتراکی نظام فکر کے طبعی اور لازمی تقاضے ہیں۔ اس کی فطرت اور مزاج اسی قسم کی زندگی کو چاہتا ہے۔ اگر حالات اس کے

---

[1] Forced Labour in Russia

[2] بحوالۂ مذکور

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برعکس ہوتے تو یہ چیز توقع کے خلاف ہوتی۔ اشتراکی حضرات کے طرزِ استدلال میں بنیادی خامی پائی جاتی ہے۔ اُن کے نزدیک :-

سرمایہ دار ظالم ہے

کیونکہ وہ اس کی مدد سے کمزوروں کی محنت کا ثمر خود لے لیتا ہے اِس لئے سرمایہ دار کی انفرادی ملکیت کو ختم کر دینا چاہیئے۔

انفرادی سرمایہ جب ایک جگہ مرتکز ہو کر ان لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے تو وہ اِس سے ناجائز فائدہ حاصل نہیں کرتے مگر اس کے لئے علاج کیا سوچا گیا۔

سرمایہ کو ایک جگہ جمع کر کے اسے ایک ایسے ادارے کی تحویل میں دے دیا گیا جو بذاتِ خود جبر اور ظلم کا آلہ ہے۔

پھر اِس ادارہ کا انتظام ایسے لوگوں کے سپرد کیا گیا جن کے نزدیک زندگی کا واحد مقصد مادی فوائد کا حصول ہے اِس سے زیادہ وہ کسی چیز کے قائل نہیں۔

اِن لوگوں سے آپ نے یہ توقع رکھی کہ اتنے بڑے وسائل ہاتھ میں آجانے کے بعد وہ عدل وانصاف کریں گے اور کسی شخص کو اس کی محنت کے ثمرات سے محروم نہیں رکھیں گے۔ کس قدر دلفریب ہیں آپ کی یہ توقعات اور کس قدر "مقدس" ہیں آپ کی یہ آرزوئیں مگر کس قدر حیرت انگیز ہے آپ کی یہ سادگی جس کی وجہ سے آپ ان "اشتراکی معجزات" پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

حاصلِ انقلاب : آیئے اب ہم ایک نظر میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ انسانیت نے اس انقلاب میں کیا کھویا اور کیا پایا۔ زیادہ تفصیلات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس کے تیس سالہ دور کا جو حاصل ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے۔

(i) املاک کا منافع افراد کی جیبوں میں جانے کے بجائے حکومت کے خزانے میں آنے لگا۔

(ii) نظامِ معیشت کے حکومت کی تحویل میں آجانے کی وجہ سے اس کی منصوبہ بندی ممکن ہوگئی

(iii) ہر آدمی کو کام ملنے لگا۔

(iv) مجموعی منافع کا ایک حصہ سوشل انشورنس کی مد میں صرف ہونے لگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے مقابلہ میں لوگوں کو اس کی جو قیمت ادا کرنا پڑی ہے وہ یہ ہے ۔

— انیس لاکھ جانیں اس انقلاب کی نذر ہوئیں ۔

— بیس لاکھ افراد کو نہایت وحشت ناک سزائیں برداشت کرنا پڑیں ۔

— ۵۰ لاکھ کے قریب انسانوں کو ملک بدر کیا گیا ۔

— مذہب، اخلاق کی ساری اقدار کو دلوں سے مٹانے کے لئے ظلم وتشدد کے بدترین طریقے اختیار کئے گئے ۔

— لوگوں نے روٹی کے چند نوالوں کے لئے آزادی ایسی قیمتی چیز کو قربان کر دیا ۔

— خدا سے غافل اور اخلاق سے عاری افراد کے ایک مختصر گروہ نے عوام پر ایک ایسا کلی اقتدار مسلط کر دیا جس کی نظیر اس دنیا میں نہیں ملتی ۔

— اولادِ آدم کی ایک بڑی تعداد کو اپنے خیالات، اپنے جذبات، اپنے احساسات، اپنے ذوق، اپنے قلم، اپنی زبان اور اپنی ہر چیز کو زندہ رہنے کے عوض اس گروہ کے پاس گروی رکھنا پڑا ۔

اِن حقائق کے پیشِ نظر ہر انسان خود یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ کیا انسانیت نے وہ جنتِ امن وسکون پالی ہے جس کا اشتراکیت نے اس سے وعدہ کیا تھا ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ہشتم

فسطائیت اور اس کی ستمرانیاں!

دنیائے انسانیت کو جب وہ امن و اطمینان، جس کے سنہرے خواب وہ تہذیب لمائی کے سائے میں دیکھ رہی تھی، نہ سرمایہ دارانہ جمہوریت سے ملا، نہ اشتراکی تحریک سے تو مادی تہذیب کے بطن سے ایک اور تحریک نمودار ہوئی، جسے عام طور پر فاشزم یا فسطائیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ تحریک بظاہر سرمایہ دارانہ جمہوریت اور سوشلزم کے مجموعی ردّ عمل کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے، مگر گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت از خود منکشف ہو جاتی ہے کہ اپنے مزاج اور اساسی تصورات کے اعتبار سے یہ بالکل اپنے پیشتر توأم بھائیوں سے ملتی جلتی ہے اُن کی پھیلائی ہوئی برائیاں بدلے ہوئے ناموں کے ساتھ اِس میں موجود ہیں۔

مغربی انسان کی یہ سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ الحاد اس کی فطرت میں داخل ہو چکا ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی فطرت سے باہر نہیں جا سکتا، اس کی حدود و قیود نہیں توڑ سکتا، اِسی طرح یورپ کے زرخیز دماغ الحاد کو جو کئی سو سالوں سے ان میں جاگزیں ہے، نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کے دلوں میں مختلف نظاموں کے متعلق برابر شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ نئی نئی تحقیقات سے اِن کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے بھی برابر جدّوجہد کرتے ہیں مگر نظامِ فکر کا جو ڈھانچہ بھی وہ تعمیر کرتے ہیں اِس میں الحاد ایک بنیادی عنصر کی حیثیت سے شامل ہو جاتا ہے۔ ان کی حالت ققنس کی سی ہے جو آخری عمر کو پہنچ کر اپنے گھونسلے میں آگ لگا کر جل مرتا ہے مگر پھر راکھ میں سے وہی پہلی قسم کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ مغربی مفکرین بھی غور و فکر، تلاش و جستجو کے بعد اپنے افکار کے آشیانوں کو اپنے ہی نغمہ ہائے آتشیں سے پھونک ڈالتے ہیں، مگر پھر ان کی خاکستر سے ویسی ہی زندگی پیدا کرتے ہیں جس کی تلخیوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں پہلے آشیاں سوزی پر مجبور کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جن مفاسد سے بچنے کے لئے وہ نظام حیات کا ڈھانچہ بدلتے ہیں وہی برائیاں تبدیل شدہ شکل میں ان کے سامنے جلد ہی رونما ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

سرمایہ داری، اشتراکیت، اور فسطائیت ایک ہی سلسلہ کی تین کڑیاں ہیں جن برائیوں سے انسانیت کو محفوظ کرنے کے لئے یورپی مفکرین نے ایک طرف آزاد معیشت اور دوسری طرف اشتراکی جکڑ بندیوں سے بچ نکلنے کا اہتمام کیا اور اسی اہتمام کے تحت فسطائیت کی راہ اہلِ یورپ کو سجھائی، وہ ساری برائیاں خود فسطائیت میں بھی نمایاں ہوئی ہیں انسانیت کا قافلہ اس نئی شاہراہ پر ابھی چند قدم بھی نہ چلنے پایا تھا کہ اسے معلوم ہو گیا کہ تباہی کے ایسے مہیب غاروں کی طرف لڑھک رہا ہے جہاں صلح، امن اور سلامتی یکسر مفقود ہیں اور جہاں قانون، اخلاق اور انصاف بالکل بے معنی الفاظ ہیں اور جہاں نظم و اتحاد کے بجائے افتراق و تشتت کی فرمانروائی ہے۔ فاشنزم کا یہ عظیم الشان درخت جس سرعت کے ساتھ بلند ہوا جس برق رفتاری کے ساتھ اس کی شاخیں سارے عالم میں پھیلیں وہ سطح بیں آنکھوں کو متحیر کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر بار آور ہونے کے بعد جب انسانیت نے اس کے پھلوں کو چکھا تو اس وقت یہ حقیقت اس پر آشکارا ہوئی کہ اس کے ثمرات صرف تلخ ہی نہیں بلکہ جان لیوا بھی ہیں۔

فاشنزم کے متعلق یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ ان مخصوص نظاموں کے کسی ڈھانچے کا نام نہیں جو ہٹلر نے جرمنی میں یا مسولینی نے اٹلی میں قائم کئے بلکہ فسطائیت کے کچھ اساسی تصورات ہیں۔ اس کے کچھ واضح اور نگے بندھے اصول ہیں اس کا اپنا ایک نظامِ عمل ہے اس کو نظر انداز کر کے فاشنزم کا کوئی ڈھانچہ تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔ یورپ کی مختلف فسطائی جماعتوں کے پروگرام خواہ بظاہر ایک دوسرے سے کتنے الگ اور بعض اوقات بالکل مختلف ہی کیوں نہ ہوں، مگر غور سے دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ ان کی تہہ میں ایک ہی محرک، ایک ہی زاویۂ نگاہ اور ایک ہی طرزِ فکر کار فرما ہے۔ فاشنزم کو خواہ جرمنی اور اٹلی میں فرمانروائی کا موقع ملے، یا اس کا علم جنوبی امریکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترکی، یوگوسلاویہ، رومانیہ، بلغاریہ، ہنگری، پولینڈ یا کسی دوسرے ملک میں بلند ہو۔ یہ نظام اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک ہی ہوگا اور اس سے ان ممالک میں ایک ہی طرح کے نتائج برآمد ہوں گے۔ ہٹلر اور مسولینی دونوں نے اس بات کو نہ صرف محسوس اور تسلیم کیا، بلکہ انہوں نے اسے پوری شدومد کے ساتھ دنیا میں پیش بھی کیا۔ ذیل میں ہم فاشزم کے ان دو بڑے علمبرداروں کے چند اقتباسات درج کرتے ہیں تاکہ ان کے بنیادی تصورات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس سلسلہ میں مسولینی کا ارشاد یہ ہے:۔

فسطائیت فکر بھی ہے اور عمل بھی۔ یہ تحریک بعض خاص قسم کے اداروں کو تخلیق کرنے کے لیئے معرضِ وجود میں نہیں آئی، بلکہ یہ انسان کی روحانی زندگی کی معلم بھی ہے۔ یہ اس کی داخلی اور خارجی زندگی کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنے کا عزم رکھتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر انسان، اس کے اخلاق اور اعتقادات کو بدلنا ہے۔ اِن مقاصد کے حصول کے لیئے یہ قوت کے استعمال کو بالکل جائز سمجھتی ہے۔ یہ انسان کی روح میں داخل ہو کر اس پر بلا شرکتِ غیرے فرمانروائی کرتی ہے"

اسی طرح وہ اس فکری تحریک کے عالمگیر پروگرام کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے[۱]

"فاشزم ایک تصور، ایک عقیدہ اور آفاقی تحریک ہے ممکن ہے کہ یہ اپنے اداروں کی ہیئت کے نقطۂ نظر سے اطالوی معلوم ہو، مگر روح کے اعتبار سے عالمگیر ہے۔ اس کے علاوہ آخر اس کا مزاج ہو بھی کیا سکتا ہے"

ہٹلر نے بھی قریب قریب اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ لکھتا ہے:۔

قومی اشتمالیت ایک ایسا عقیدہ ہے جو خون، رنگ نسل اور شخصیت کی اہمیت کو ابھارتا ہے اور انتخاب طبیعی کے ابدی قوانین کی اثر آفرینی کو واضح کرتا ہے"

فاشزم پر کسی قسم کی تفصیلی گفتگو کرنے سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان مفکرین کی نشان دہی کریں جن کے خیالات نے اس تحریک کو جنم دیا اس سلسلہ میں جو بات

[۱] PASCISM AND NATIONAL SOCIALISM BY MICHE T FLORINSKY.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذرا کھل کر ہمارے سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ میکیا ولی، شوپن ہار، نیطشے اریتان نبلق جارج سوسل، ولیم جیمز، برگساں، ہابز اور لاک کے خیالات نے اسے جنم دیا، اور لوتھر نانٹ ہیگل ہنشٹے، فریڈرک لسٹ کے تصورات نے اسے قومی اشتمالیت (National Socialism) کا جامہ پہنایا، اور ہٹلر اور مسولینی کی بے پناہ قوت اور جذبہ نے اسے دنیا میں سربلندی عطا کی۔

اس تحریک کی بنیاد جن تصورات پر رکھی گئی ہے، ان میں سب سے زیادہ اہم ریاست کی ہمہ گیری کا دعویٰ ہے۔ مسولینی اس کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> " زندگی کے فسطائی تصور میں ریاست کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے یہ تصور ایک فرد کے وجود کو اسی حد تک تسلیم کرتا ہے جس حد تک اس کا مفاد ریاست کے مفاد سے ہم آہنگ ہو ہمارے اس نظام فکر میں ریاست ہمہ گیر ہے۔ اس سے ہٹ کر نہ تو کسی انسانی یا روحانی تصور کو مانا جا سکتا ہے نہ اُسے کسی قدر و قیمت کا حامل سمجھا جا سکتا ہے جو کچھ بھی دنیا میں موجود ہے وہ ریاست کے دم قدم سے ہے ریاست کے علاوہ دنیا میں کسی دوسری چیز کا وجود نہیں "

اس طرزِ خیال کا آغاز نہ معلوم کس دور میں ہوا مگر اسے علمی حیثیت سے ہابز نے پیش کیا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ مملکتی زندگی کے قیام سے پہلے جب انسان فطری دور میں زندگی بسر کر رہا تھا تو اس کی یہ زندگی اس درجہ غیر محفوظ، منتشر اور دہشت ناک تھی کہ وہ اپنے بقاء اور تحفظ کے لئے اپنی آزادی کسی فرمانروا کے ہاتھ میں رہن رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ اب اسے اس امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہا کہ وہ صاحب اقتدار کا احتساب کرے۔

تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ لاک (Locke) نے بھی یہی نظریہ پیش کیا البتہ اس نے اس بات پر زور دیا کہ یہ معاہدہ جہاں ایک طرف افراد کے مابین طے پاتا ہے، تو دوسری طرف فرد اور فرمانروا اس معاہدہ کا ایک فریق ہے اور اس کی اطاعت و فرمانروائی اس شرط پر مبنی ہے کہ وہ امن قائم کرے۔

روسو نے معاہدہ عمرانی کے نظریہ کو ایک اور شکل میں پیش کیا وہ حالت فطری کو انسان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مثالی حالت تصور کرتا ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ انسان نے اپنی زندگی کا یہ فطری انداز ترک کرکے مملکتی زندگی کا قلادہ اس وجہ سے نہیں پہنا کہ وہ امن و عافیت سے محروم تھا۔ بلکہ آزادی کے بدلے غلامی کو اختیار کرنے کا اصل سبب یہ تھا کہ ابن آدم اپنی فطری کمزوریوں کے باعث اس پر مسرت اور پرامن زندگی کو دیر تک قائم نہ رکھ سکا اور مملکت کے قیام پر مجبور ہوا۔ روسو کے نزدیک معاہدہ عمرانی افراد کے مابین طے پاتا ہے۔ جس کے ذریعے سب افراد اپنی آزادیوں کو ارادہ عامہ (General Will) کے تابع کردیتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق فرمانروا خواہ وہ ایک فرد ہو یا کوئی ادارہ، وہ اسی ارادۂ عامہ کا مظہر ہوتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ ارادۂ عامہ اکثریت کی رائے یا تمام افراد کی رائے سے بالکل ایک مختلف چیز ہے اس میں کچھ ایمانی خصوصیات شامل ہوکر اسے بالکل منزہ عن الخطاء بنادیتی ہیں۔ اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس "ارادۂ عامہ" کے ادراک کا کسے حق حاصل ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ایک فرمانروا ہی اس کی اہلیت رکھتا ہے وہی اس قابل ہے کہ اپنی ذہانت و طباعی سے "ارادۂ عامہ" کے "خاموش اشاروں" کو جان کر عوام کو نہ صرف ان سے مطلع کرے بلکہ انہیں قوت کے ساتھ ان کا پابند بھی بنائے کیونکہ کسی فرد یا معاشرے کا جو فکر و عمل بھی اس سے ہٹ کر ہوگا وہ یقیناً گمراہی کی طرف لے جائیگا۔ دوسرے الفاظ میں آپ اس نظریہ کو یوں سمجھیئے کہ ایک فرمانروا ہی صحیح بات کہنے کا مجاز ہے، افراد کا فرض صرف اسی قدر ہے کہ وہ بالکل آنکھیں بند کرکے اس کے احکام کو مانتے چلے جائیں۔ وہ انسانوں کے اس بے زبان گلہ کو جسے سماج یا سوسائٹی کہا جاتا ہے جس طرح چاہے ہانکتا پھرے۔ دنیا کی کسی قوت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے "آسمانی پروگرام" میں دخیل ہو۔

پھر فرمانروا کے اس سارے غیر معقول طرزِ عمل کو جو سراسر باطل افکار پر مبنی ہے، ریاست کے مفادِ عمومی کے نام پر جائز و برحق قرار دیا جاتا ہے۔ انسان کے ذہن میں سب سے پہلے اس غلط تصور کو بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ "فرد بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لیئے ہر وہ چیز جو ریاست کے اجتماعی نظم میں جذب ہونے سے اسے روکے سراسر باطل ہے۔ لہٰذا ریاست کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ ہر قیمت پر اس کا استیصال کریں۔ ایک انسان کی حیثیت سماج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نامیہ میں ایک خلیہ (CELL) کی سی ہے ریاست کی غیر مشروط خدمت اور چاکری میں ہی انسان کی آزادی کا راز مضمر ہے۔ جو شخص اپنے رجحانات کو ریاست کے طرزِ عمل کے مطابق نہیں ڈھالتا وہ ملک و ملت کا دشمن ہے اور اُسے جتنی جلدی دنیا سے ختم کر دیا جائے اتنا ہی بہتر ہے ایک فرد کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد صرف یہی ہونا چاہیئے کہ وہ مملکت کی خاطر اپنے آپ کو بالکل فنا کر دے، اپنی تمام خواہشوں آرزوؤں اور عزائم کو اس کی مشیت پر بھینٹ چڑھا دے اس کا جینا اور مرنا اسی کی خاطر ہو، اُس کی زندگی کا ہر لمحہ اسی کے لئے وقف ہو، اگر مانگے تو اسی کے لئے مانگے، اور جُھکے تو اسی کے آگے جُھکے۔

اس تصور کی رو سے مملکت کسی دوسرے مقصد کے حصول کا ذریعہ نہیں، بلکہ مقصود بالذات ہے۔ یہ محض اعتباری اور مجازی طور پر مقتدر نہیں بلکہ اس میں الوہیت کی صفات بھی موجود ہیں۔ لہٰذا انسان کی نہ صرف مادّی فلاح اس کی اطاعت کیشی پر منحصر ہے بلکہ اس کی روحانی سربلندی بھی اس کی پرستش سے وابستہ ہے۔

مملکت کو ازلی و ابدی اور مطاع قرار دینے کا لازمی نتیجہ ہے کہ اسے نہ صرف ہر قسم کی قیود سے آزاد سمجھا جائے بلکہ یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ ہر قسم کی اخلاقی اور معاشرتی پابندیاں عائد کرنے کا اسے غیر محدود حق حاصل ہے۔ تمام اصول اور قوانین کا واحد سرچشمہ صرف ریاست ہی ہے۔ وہ جن طریقوں سے بھی اپنے بقاء و استحکام کے لئے کوشش کرے وہ جائز اور مبنی بر انصاف ہیں۔ ان پر کسی قسم کی حرف گیری نہ ہونی چاہیئے بلکہ انہیں حق و صداقت کا معیار سمجھنا چاہیئے ایسے ہی مذہب و اخلاق سے اگر یہ مقاصد حاصل ہوں تو انہیں اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر یہ اس راستے میں مزاحم ہوں تو انہیں یکسر چھوڑ دینا چاہیئے۔

ہیگل نے اپنی کتاب فلسفۂ تاریخ میں ان افکار کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

" ریاست اس سرزمین پر ایک الہامی تصور ہے ایک فرد میں جو صلاحیت پائی جاتی ہے، اس کی جو قدر و قیمت بھی ہے وہ اسی کے دم قدم سے ہے۔ ریاست کی خدمت ہی زندگی کا منتہا و مقصود ہے، مملکت کا حق سب پر فوقیت رکھتا ہے، ایک فرد کا اولین فرض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست کی رکنیت اختیار کرتا ہے۔" ——— مسولینی نے اسی نظریہ کی تائید میں کہا ہے :-

"فاشزم ریاست کو افراد اور گروہوں کے مقابلہ میں بالکل مطلق العنان تصور کرتا ہے۔ فسطائی ریاست ارادہ اور اختیار رکھنے والی ایک باشعور شخصیت ہے۔ اسے ایک اخلاقی ریاست سمجھنا چاہیئے جو اپنے اندر اخلاقی اور روحانی پہلو بھی رکھتی ہے۔

قومی ریاست کا یہ نظریاتی ارتقاء جہاں چند اصحاب فکر کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ وہاں یہ چند تاریخی واقعات کی کرشمہ سازی بھی ہے۔ فرانسیسی انقلاب کے بعد جب نپولین کی شہنشاہیت قائم ہوئی اور فرانسیسی فوجیں یورپ کی سرزمین پر سیلاب کی موجوں کی طرح پھیل گئیں تو اس "سیل بے پناہ" کو روکنے کے لئے مختلف اقوام کے اندر ایک جذبہ بیدار ہوا جس سے سیاسی دنیا اس وقت تک ناآشنا تھی یہ قومیت کا جذبہ تھا جب غیرت و حمیت نے اس پر تازیانہ کا کام کیا تو اس نے سیاسی نظریات و افکار میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا ریاست اب تک ایک تصور تھی جسے اصول کے طور پر خواہ کس قدر اہمیت حاصل ہوتی مگر عملاً لوگ اس کی ہستی کو فرضی سمجھتے تھے اور وہ اصل چیز حکومت کو تصور کرتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کے سامنے بپیکرِ محسوس میں جلوہ گر تھی، وہ ان کی زندگیوں پر پوری طرح اثر انداز تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ریاست کے بارے میں بھی وہی رائے قائم کر لیتے جو حکومت کے بارے میں رکھتے تھے مگر لیے نا (Jena) کے میدان میں پرشیا کی شکست اور اس کے بعد نپولین کے جرمنی پر بالکل حاوی ہو جانے کا سیاست اور سیاسی ذہنیت پر وہ اثر پڑا جو یورپ کے تمام فلاسفہ کی قیل و قال اور انقلاب کی ساری کشمکش کو نصیب نہ ہوا تھا قومیت کے جذبے نے صرف جرمنی کو نپولین کے ظلم سے آزاد نہیں کیا بلکہ معاشرے میں ربط اور سیاسی فلسفے میں معنویت پیدا کرنے کا ایک بہت اچھا ذریعہ فراہم کر دیا۔ اہل جرمنی کو اتحاد اور ایثار پر آمادہ اسی عقیدے نے کیا کہ وہ ایک قوم ہیں ان کی ایک خاص تہذیب ہے۔ اس تہذیب کی حفاظت کرنا اور قوم کی عزت قائم رکھنا ان کا سب سے بڑا فرض ہے اور یہ فرض صرف ریاست سرانجام دے سکتی ہے اسی طرح قومیت کے احساس اور تہذیب کے قدر دانوں نے جرمنی قوم کو ریاست کے استحکام اور اس کی قوت اور اقتدار کو حتی الامکان بڑھانے کی مصلحت سمجھائی۔ رفتہ رفتہ جرمنوں کی ایک خاصی بڑی جماعت کو پسند شیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سلطنت سے وہ گہرا روحانی، اخلاقی اور تہذیبی تعلق ہوگیا جو فلسفے کی رو سے ایک سچے شہری کو اپنی ریاست سے ہونا چاہیئے اور ریاست کے مبنی تصور نے، جو زیادہ سے زیادہ ایک فلسفیانہ حقیقت تھا، ایک واقعی ریاست کی شکل اختیار کر لی[1]

یہی وہ دور تھا جس میں انسان نے بجلی اور بھاپ سے کام لینا سیکھا اس سے پیداوار میں حیرت انگیز ترقی ہوئی مگر یہ ترقی سراپا رحمت نہ تھی بلکہ اس نے مختلف قوموں اور ملکوں کے سامنے بے شمار پیچیدہ مسائل کھڑے کر دیئے۔ وہ قومیں جو اس صنعتی انقلاب کی دوڑ میں آگے تھیں، کچھ مدت تک تو وہ دنیا کی دولت بے خطر سمیٹتی رہیں۔ مگر جلد ہی ان کے حریف پیدا ہوگئے اور اس میدان میں مسابقت کا دور شروع ہوا۔ ظاہر بات ہے کہ شکارگاہوں کی تلاش کچھ آسان کام نہ تھا اس کے لئے بڑے بڑے معرکے ہوئے تب کہیں جا کر طاقتور شکاریوں کو اطمینان اور چین سے شکار کرنے کا موقع ملا۔

یہ مہمات اسی صورت میں سر کی جا سکتی تھیں جب ملک کے اندر اتحاد اور یک جہتی ہو، جب ایک ہی جذبہ ساری قوم کو متحرک کر دے اور ملک کے سارے باشندے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بلا چون وچرا ان بڑے بڑے اور کہنہ مشق "شکاریوں" کے حوالے کر دیں نتیجۃً اس جذبے نے ملک میں فسطائی رجحانات کو تقویت دی، اور پوری قوم بلا سوچے سمجھے ایک فرد یا گروہ کی پیروی میں دوسروں پہ ٹوٹ پڑی۔

دوسری طرف جب کمزور اقوام نے یہ دیکھا کہ اُن کی آزادی و بقا خطرے میں پڑ گئی ہے تو انہوں نے بھی اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے گرد قومیت کی دیواریں کھڑی کر دیں اور ان کے پیچھے پناہ ڈھونڈی۔ بیرونی خطرات نے ان سب کو ایک مرکز پہ جمع کر دیا اور وہ متحد ہو کر دشمن کے خلاف صف آرا ہوئیں۔

انسانی ذہن کبھی خلا میں کام نہیں کرتا۔ اس کے لئے کوئی نہ کوئی اساس ضرور ہونی چاہیئے اسے اگر ایجابی محرکات مہیا نہ ہوں تو وہ سلبی جذبوں سے کام لیتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت

---

[1] - تاریخ فلسفہ سیاست از محمد مجیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں قومی ریاست میں ملتا ہے۔ کلیسا اور مذہب کی شکست کے بعد مغربی ذہن نے کچھ اس قسم کے محرکات کو جنم دینے کا عزم کیا جن سے اس کی زندگی کا عمل جاری رہ سکے۔ اس کے نتیجہ میں حق پرستی کو چھوڑ کر قومیت پرستی کو ایک دین کی حیثیت سے اختیار کیا گیا قومیت ایک قسم کا نفسیاتی احساس ہے جسے نہایت غلط اور بھونڈے طریقے سے روحانی احساس کی جگہ دینے کی کوشش کی گئی ہے پھر جس طرح دین انسان کے اس روحانی جذبہ کو ایک محسوس شکل میں متشکل کرتا ہے، اسی طرح ریاست پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ قومی احساس کو متشکل کرے اس نقطۂ نظر سے مملکت اب ایک ایسی تنظیم بن گئی ہے جو ایک طرف تو قوم کے ارادہ و منشاء کا مظہر ہوتی ہے اور دوسری طرف اس کی اجتماعی زندگی کی سب سے بڑی محرک مملکتی نظم و نسق کی وحدت اور معاشی مفاد کی یکسانیت سے قومیت کے جذبہ کو نشوونما پانے کا پورا موقع ملتا ہے جسے دوسری اقوام سے معاشی مقابلہ کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اسی طرح یہ جذبہ ایجابی اور سلبی طور پر موجودہ دور کے قوم پرست انسان کو سرگرم عمل کر رہا ہے۔ اس کی حیثیت آج وہی ہے جو آج سے چند سو سال پہلے دین و اخلاق کی تھی، آج انسان اس نئے بت کے سامنے اسی طرح سر بسجود ہیں جس طرح کبھی وہ معبودِ حقیقی کے سامنے جھکتے تھے ؎

فکرِ انسان بت پرستے بت گرے
ہر زمان در جستجوئے پیکرے
باز طرحِ آذری انداخت است
تازہ تر پروردگارے ساخت است
کاید از خوں ریختن اندر طرب
نامِ اُو رنگ است و ہم ملک و نسب

<u>فاشزم کی توسیع کے ذرائع</u>: فاشزم، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ریاست اور قومیت کے وجود کو ہی اصل قرار دے کر سارے انسانوں کو ان کی توسیع و استحکام کے لئے استعمال کرنے کا داعیہ رکھتا ہے اس کا دعویٰ یہ ہے کہ زندگی کی تمام قدروں کی تخلیق و تکوین صرف ریاست ہی کے توسط سے عمل میں آتی ہے۔ اسی "ربِ عظیم" کی غیر مشروط اطاعت سے زندگی میں استواری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ "ذات ہے" جو زندگی کے نظم و ضبط کا مرکزی نقطہ ہے۔ اسی نقطہ کے گرد انسانی شخصیت اپنا استحکام و تحفظ تلاش کرتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ فاشزم کن کن ذرائع کو استعمال میں لاکر ان مقاصد کو حل کرتا ہے۔

اگر اس تحریک کے مزاج کا ایک سرسری سا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں سارا زور انسانی جذبات کو بھڑکانے پر صرف کیا جاتا ہے اس کے سربراہ اور کارپرداز عوام پر کسی عقلی نصب العین اور علمی دلائل کے زور سے اثر انداز ہونے کے بجائے اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ لوگوں کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ برانگیختہ کیا جائے۔ ریاست کا پورا نظام اور اجتماعی زندگی کے سارے کارخانے انہی کی قوت سے چلتے ہیں۔ عقلمند اور معتدل مزاج انسانوں کی یہاں کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، دانشمند مدبرین اور جذباتی اعتبار سے متوازن کارکن اس میں کسی طرح کھپ نہیں سکتے یہاں پذیرائی ایسے اور صرف ایسے افراد کی ہوتی ہے جو عقل کی بات سننے کے بجائے جذبات کے پیچھے چلنے والے ہوں جو قوم کو سستے نعروں کی رو میں بہا کرلے جانے میں مہارت رکھتے ہوں جو اپنے طرز عمل کی غلطی کو کسی پر واضح نہ ہونے دیں۔ الغرض جو ہوش سے زیادہ جوش سے کام لینے کے عادی ہوں۔ پروفیسر (Melvin Rader) نے اپنی تصنیف (No Compromise) میں ایک باب عقلیت سے فرار (Flight from Reason) لکھا ہے اس میں اس نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح فسطائی فلسفہ لوگوں کو ٹھوس حقائق سے ہٹاکر انہیں سطحی جذباتیت کا خوگر بناتا ہے۔ وہ لوگوں کو ایسے طلسم میں گرفتار کرتا ہے جس کے زیر اثر وہ آنکھوں کے باوجود اندھے ہوتے ہیں، کانوں کے باوجود کچھ سننے نہیں پاتے اور دماغ کی موجودگی میں بھی عقل و خرد سے یکسر عاری ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا مقصد صرف اسی قدر سمجھتے ہیں کہ بالکل آنکھیں بند کر کے حکمران گروہ کے اشاروں پر چلتے رہیں فاضل مصنف James Drennah کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کرتا ہے۔

> فاشزم ہی اصل قیامت ہے یہ احساسات کا انقلاب ہے۔ یہ جدید دنیا کے خلاف انسان کی سازش ہے۔ فسطائیت کی غالباً اسی خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ یہ تحریک کسی نظریہ، اور واضح پروگرام کے بغیر اٹلی اور جرمنی میں سرعت کے ساتھ پھیل گئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح مسولینی بڑے فخر کے ساتھ اس حقیقت کا یوں اعتراف کرتا ہے۔

"وہاں بڑی ہی گرم گرم بحثیں ہوئیں لیکن آخر کونسی چیز زیادہ اہم اور مقدس تھی صرف یہ کہ انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ وہ مرنا جانتے تھے ہمارے پاس نظریہ اور فکر کی کمی ہے، مگر اس کی جگہ ہم ایک اور مؤثر چیز لے آئے ہیں وہ ہے اعتقاد۔

مسولینی کا سرکاری سوانح نگار (Margherita) اپنے ہیرو کی ذہنی کیفیات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ عظیم شخصیت صرف جذبات کے تحت کام کرنا جانتی تھی۔ کوئی عقلی دلیل کوئی علمی مشورہ اسے قبول نہ ہوتا۔ وہ انہی لوگوں کو پسند کرتا جو اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو بلا تامل سنتے اور پھر بلاچون وچرا اطاعت کرتے وہ جن چیزوں کو حق سمجھتا عوام انہیں اسی حیثیت سے مانتے غرضیکہ دنیا کے حقائق کو اس کی خواہشات کے مطابق ڈھلنے ہی میں اپنی سب سے بڑی سعادت خیال کرتے یہ شخص بھی اپنے فکر وشعور کی قوتوں سے زیادہ کام لینا پسند نہ کرتا بلکہ محض اپنے جبلی دواعیات کی راہنمائی میں اپنا لائحہ عمل تیار کرتا چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"میرا خون مجھے بتاتا ہے، مجھے اپنے خون کی آواز کو سننا چاہیئے" یہ ہیں وہ نعرے جن سے یہ سیاست دان اپنے مسائل حل کرتا، وہ کہتا کہ میں جانوروں کی طرح ہوں جب کوئی واقعہ معرض وجود میں آنے والا ہو تو میں اسے محسوس کرتا ہوں، مجھے میری جبلت آگاہ کرتی ہے اور میں اس کی پیروی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

ہم نے اپنا پیکر خیال تخلیق کر لیا ہے اور یہ ہمارا اعتقاد اور جذبہ ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ حقیقت بھی ہو اس کی اصلیت صرف اسی قدر ہے کہ یہ ہمیں سرگرم عمل کرتا ہے، اور ہم میں ہمت واستقلال پیدا کرتا ہے!

غالباً یہ جذبات کی اسی حکمرانی کا نتیجہ ہے کہ اس تحریک کی نشوونما ہمیشہ غیر معقول مگر بڑے ہی نمائشی اور جذباتی نعروں کی فضا میں ہوئی ہے قوم میں نسلی تفوق کے جذبہ کو پاگل پن کی حد تک ابھارنا پھر قومی ونسلی عظمت کے نام پر لوگوں کو ہر وقت دوسروں کے خلاف صف آرا کرتے رہنا اسی جذبات پرستی کا شاخسانہ ہیں۔ الفریڈ روزن برگ (Alfred Rosenberg) نازی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تصورِ حیات کے سرکاری ترجمان نے اسی چیز کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ہمارا بنیادی تصور یہ ہے کہ ہماری قوم عظیم ترین ہے، اور اسی کو منوانے کے لئے ہم پوری طرح جدوجہد کر رہے ہیں"

"ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ اس کائنات کو تین مختلف ذرائع سے سمجھا جا سکتا ہے احساس کی مدد سے یا ارادہ اور عقل کے ذریعے، ان سب کو ایک ہی عقیدہ جنم دیتا ہے اور وہ ہے نسلی تفوق"

نازی ادب میں "خون" کے استعارہ کو جس کثرت سے استعمال کیا گیا ہے وہ نازی فلسفۂ حیات اور اس کے مضمرات کی نوعیت سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ خون، جنگ و جدال، قتل و غارت، تباہی و بربادی کا نشان ہے۔ اس کی حیثیت نسلائی طرزِ فکر میں وہی ہے جو مذہبی ادب میں "روح" کی ہوتی ہے نازی مذہب میں "خون" ایک اساسی اور بنیادی قدر کے طور پر شامل ہے۔ اس پر ایمان رکھنے والوں کا عقیدہ ہے کہ تصورات کو صرف حیاتیاتی عوامل ہی جنم دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نسلائی پروگرام میں سب سے زیادہ اہمیت جنگ کو حاصل ہے ہٹلر نے اپنی کتاب "میری جدوجہد My Struggle" میں اس حقیقت کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

"کوئی اتحاد جس میں جنگ کی نیت شامل نہ ہو، بالکل بیکار اور فضول ہے"

۱۹۱۴ء میں جب مسولینی نے اپنا سب سے پہلا سرکاری ترجمان Populo D'italia جاری کیا تو اس میں جنگ کی بے حد مدح و ستائش کی گئی۔ اس سلسلہ میں یہاں چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فاشزم کے حامیوں کے نزدیک جنگ کس قدر اور اس کے شعلے بھڑکانے کے لئے کس اشتیاق کا اظہار کیا جا رہا ہے مسولینی اس اخبار میں لکھتا ہے۔

"اے جنگ خوش آمدید! کیا مجھے یہ نعرہ بلند کرنے کی اجازت ہے تین بار مرحبا اے اٹلی کی جنگ! تو دنیا کی ہر شئے سے زیادہ اور حسین ہے اور بھلا ہو اس جنگ کا....." ۱۹۱۴ء

"امن ایک فضول سی چیز ہے" ۱۹۲۱ء

"میں اطالوی قوم کو مستقل جنگی حالت میں تصور کرتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی اس امر کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اظہار کیا ہے اور پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ آئندہ پانچ یا دس سال ہمارے لئے فیصلہ کن ہیں"۔ ۱۹۲۶ء)

ہم میں یہ صلاحیت ہونی چاہیئے کہ پچاس لاکھ افراد کو چشم زدن میں مسلح کر کے جنگ کی آگ میں جھونک سکیں ہمیں اپنی بحری اور ہوائی طاقت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری یہ قوت اس قدر زیادہ ہو کہ جنگی گاڑیوں کی آوازیں اس سرزمین کی دوسری ساری آوازوں کو دبا دیں، اور جہازوں کے پر سورج کو چھپا لیں"

یہ اسی طرزِ فکر کا نتیجہ تھا کہ اٹلی اور جرمنی کی سرزمین شعلۂ جوالہ بن گئی اور اس پہ آباد ہونے والے آدم زاد بھیڑیوں کی طرح کمزوروں پر حملہ آور ہوئے ان کی "قوت پرستی" اپنی مدافعت کے لئے نہ تھی بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اپنی قوم کے لئے دنیا کی "شکار گاہوں" سے زیادہ سے زیادہ شکار حاصل کرنے کا سامان کیا جائے۔ اس غرض کے لئے وہ نہ صرف دنیا میں پھیل جانا چاہتے تھے۔ بلکہ اُن کے پیشِ نظر دنیا کے سارے افراد کو غلام بنانا بھی تھا۔ جارحانہ وطنیت، یا امپیریلزم اسی احساس کی کرشمہ سازی ہے جن لوگوں نے اس "مذہب" کا کلمہ پڑھا ہے وہ اسے اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں کہ دنیا کی ساری اقوام پر حکمرانی اور فرمانروائی قائم کریں، دنیا اور اس کے سارے ذرائع کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں، اور ملوکیت اور استعمار کے نشہ میں وہ بندگانِ خدا کو بغیر کسی روک ٹوک کے ہلاک کرتے ہیں۔ مسولینی اس نظریہ کو زندگی کا ایک اٹل اور ناقابلِ تغیر اصول سمجھتا ہے۔ اپنے اس جارحانہ اقدام کے لئے بالعموم وجہ جواز یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں اور ہمارے ملک کی وسعت کم ہے۔ اس لئے ہم اس بات پہ مجبور ہیں کہ اپنے پڑوسی ممالک کو زیر کر کے وہاں اپنی قوم کے افراد آباد کریں۔ مسولینی نے یہی دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری آبادی چار کروڑ افراد پر مشتمل ہے جو ایک چھوٹے سے ملک میں محصور ہے ہمارے ملک اٹلی کے آس پاس کئی ایسے ممالک ہیں جن کی آبادی ہمارے مقابلے میں بہت کم ہے مگر ان کا رقبہ ہم سے دوگنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اطالوی قوم کے لئے پھیلنے کے سوا اب کوئی چارہ نہیں"

آپ مندرجۂ بالا الفاظ پہ غور کریں اور پھر اندازہ لگائیں کہ یہ بیان سرمایہ دارانہ جمہوریت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمبرداروں کے جارحانہ عزائم سے کہاں تک مختلف ہے جس طرح سرمایہ دار ممالک "قومی دولت" میں اضافہ کرنے کے لئے اور پھر پیدا شدہ مال سے بے بس اور کمزور قوموں کو "مالا مال" کرنے کی غرض سے نئی نئی منڈیوں کی تلاش پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں، اسی طرح فسطائیت کے حامی بھی اپنی ملکی حدود کو پھیلانے کا عزم رکھتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ اس بات کی فکر رہتی ہے کہ نئے نئے علاقوں کو فتح کریں ان پر کمزوروں کے خون سے رنگے ہوئے پھریرے اڑائیں۔ ان کے ذہن میں صرف ایک ہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اپنے اقتدار کو ہر آن وسیع کرتے چلے جائیں۔ خواہ خدا کی مخلوق کو ناقابل بیان مصائب برداشت کرنے پڑیں۔ فاشنرم کے دعاوی بلاشبہ بلند بانگ ہیں۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے وہ بے شک سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی ان لعنتوں کو جو اس نے دنیا پر مسلط کر رکھی ہیں ختم کرنے کا عزم رکھتا ہے مگر جب ہم اس تحریک کو سطح سے نیچے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ایک نقاب ہے جس کی اوٹ میں سرمایہ داروں کی طرح ہی اپنی ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے اس نئے "ازم" کے پرستاروں نے اپنے پیشروؤں کی طرح قدر حریت اور شرف انسانیت کو ایسا پامال کیا ہے کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ لوگ جنہیں جمہوریت کی چیرہ دستیوں کو مٹانے کا دعویٰ تھا جب خود انسانوں کے قائدین بنے تو اپنے اعمال سے خونریزی، سفاکی، اور زبردست آزاری کے دیوتا ثابت ہوئے ان کے سامنے کوئی اخلاقی مقصد نہ تھا بلکہ صرف "جوع الارض" کی تسکین تھی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے نہ صرف کمزوروں کی آزادی پر ڈاکہ ڈالا بلکہ ان کے اخلاق مذہب، ان کی معاشرتی روایات، ان کے ادب اور ان کے اموال پر بھی ہاتھ صاف کیا پھر اپنے اس ظالمانہ اور ناجائز تسلط کو دیر تک قائم رکھنے کے لئے ان بدبختوں کو خون ریزی و برادرکشی میں مصروف کر دیا تاکہ وہ اقبال مرحوم کے الفاظ میں" غلامی کی افیون سے مدہوش و غافل رہیں اور استعماری جونک چپ چاپ ان کا لہو چاٹتی رہے"

---

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب نہم

مادی تہذیبوں کی تنگ دامانیاں

الحادی تہذیب نے اپنے آپ کو جن بڑی بڑی اجتماعی تحریکوں میں ڈھالا ہے اُس کے متعلق ہم پچھلے ابواب میں کسی قدر تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

ان تحریکات کے متعلق یہ کہنا انصاف اور دیانت کے بالکل خلاف ہوگا کہ ان میں حق اور خیر اور افادیت کا سرے سے کوئی پہلو ہی نہیں۔ دنیا میں خالص باطل، شر اور مضرت کے لئے ایک لمحہ بھی زندہ رہنا محال ہے۔ دنیا میں جب کبھی سلبی اقدار پروان چڑھتی ہیں تو وہ اس بات پر مجبور ہوتی ہیں کہ اپنے جلو میں چند ایجابی قدروں کو لے کر چلیں۔ ان کے بغیر اُن کا قافلہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، دنیا میں خالص باطل کا تصور تو کیا جا سکتا ہے مگر اسے عملی زندگی میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

یہی حال اس تہذیبِ مادیت کا ہے۔ اس کی عمارت یقیناً غلط بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے۔ اس میں بلاشبہ بہت سے پہلو شر اور مضرت کے ہیں، جنہوں نے انسانیت کی روح کو سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں کئی جوہر ایسے بھی ہیں جن کی کشش نے لوگوں کو اس طرف کھینچا اور وہ اسے اس دنیا میں نافذ کرنے کے لئے سرگرم عمل ہوئے۔

جدید یورپ اور اس کے تاریخی پس منظر پر ایک غائر نگاہ ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس تمدن نے انسانیت کی بعض پہلوؤں سے بڑی خدمت کی ہے۔ انسانی عقل کو ایک زوال پذیر مذہب کے بے حس بندھنوں سے نجات دلائی، اسے سوچنے اور سمجھنے پر آمادہ کیا۔ لوگوں کے دلوں پر سے جہالت اور بے علمی کے پردوں کو چاک کر کے انہیں اکتسابِ علم کے لئے تیار کیا اور اس طرح کلاسیکی سکونِ آفرینی کے نظریہ کی جگہ حرکت اور حرارت کے اصول کو انسانی زندگی کا رہبر بنا لیا قلب و نظر کی اس تبدیلی سے پوری یورپی زندگی متاثر ہوئی۔ مغربی مفکرین نے تحقیق کے نئے افق تلاش کئے۔ انہوں نے بے جان نظام اور جامد تصورات کو چھوڑ کر حقائقِ اشیاء کی تہ تک پہنچنے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر تصرف کرنے کا عزم کیا۔ اس کی بدولت بڑے بڑے انکشافات اور ایجادات ہوئیں جن سے مغربی دنیا میں حیرت انگیز ذہنی اور مادی انقلاب برپا ہوا۔

۱۔ **عقل و مذہب کی آویزش:** مگر اسے انسانیت کی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جب اہل یورپ نے ایک بار عقل پر سے مذہب کی گرفت کو ڈھیلا کیا تو اس کا سیلاب اس رخ بہہ نکلا، جہاں انسانیت کو شدید قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ دنیا میں آج کل جس قدر فکری و عملی بے راہ روی پائی جاتی ہے وہ سب عقل کی اسی "آزادی" کا نتیجہ ہے چونکہ عقل پرستوں کی سب سے پہلی جنگ اہل مذہب کے خلاف تھی اس لئے عقل نے مذہب کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے ہوئے یہ فرض کر لیا کہ وہ اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک مذہب کو دنیا سے یکسر مٹا نہ دے۔ عقلیت کے پرستار اگر غور و فکر کرتے تو انہیں یہ بات معلوم ہو جاتی کہ عقل کا اصل دشمن مذہب نہیں بلکہ ایک مخصوص گروہ کا طرز استدلال ہے۔ یہ وہ غلط نقطۂ آغاز تھا جہاں سے تہذیب الحاد کے علمبرداروں نے اپنا سفر شروع کیا اور اس غلط راستہ پر ایک مرتبہ گامزن ہونے کی وجہ سے ان کے جتنے قدم بھی اٹھے وہ گمراہی کی طرف ہی اٹھے اور دو صدیاں گذر جانے کے بعد بھی صحیح سمت دریافت نہ کر سکے۔

عقل و مذہب کی اس باہمی آویزش کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی عقل قوانین اخلاق کی محکومی سے آزاد ہو گئی۔ جب مذہب کے بنیادی عقائد ساقط الاعتبار قرار دیئے گئے تو ان کے اخلاقی ضوابط کا اثر بھی آہستہ آہستہ معدوم ہو گیا۔ اخلاق و مذہب سے بعد اور تنفر جو تاریخی حالات کا پروردہ تھا مغربی ذہن کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس کے اثرات اس کے ہر شعبۂ تمدن میں نمایاں اور کارفرما ہیں۔ اگرچہ مغربی مفکرین میں سے بعض ہمیشہ اس امر کے دعویدار رہے کہ وہ مذہب اور اس کے قوانین سے کوئی بغض اور عناد نہیں رکھتے اور وہ صرف طبیعی علوم تک "آزادیٔ افکار" کے حامی ہیں مگر عملی حیثیت سے ایسا نہیں ہے۔ عقلی بغاوت کے اثرات صرف طبیعی علوم تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کا اثر ان علوم پر بھی پڑا جو اجتماعی زندگی اور انسانی معاشرت و تمدن سے براہ راست متعلق ہیں۔ عقل پرستوں نے غلطی سے آغاز ہی میں یہ فرض کر لیا کہ وہ زندگی کے ہر گوشہ سے متعلق اپنے ذہن کی مدد سے نہایت کامیاب اور صحیح آئین و ضوابط

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش کر سکتے ہیں۔ مگر پچھلے چند سال کے واقعات نے اس حقیقت کو آشکار کر دیا ہے کہ اُن کے ان بلند بانگ دعاوی میں ہی ان کی ناکامی کا راز مضمر ہے۔ انسانی اعمال کے محرکات اور ان کی نوعیتیں اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہیں کہ انہیں علم کیمیا کی طرح سادہ اجزار میں تحلیل نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں ربط و ترتیب اسی وقت قائم ہوتی ہے جب ان کے احوال کا نفسیاتی جائزہ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس نفسیاتی جائزہ میں سائنس کی بے لوثی کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

پھر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ عقل اپنا طبعی فریضہ انجام دینے میں تنہا کافی نہیں وہ اس بات پر مجبور ہے کہ کام کرتے وقت اپنے سے کمتر چیزوں سے مدد لے۔ یہ سہارے خواہ اسے کتنے ہی ناپسند ہوں مگر اس کے لئے ہیں بہر حال ناگزیر اور ان کے بغیر وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ کسی ایسی چیز تک پہنچنے میں، جس کو وہ ابھی تک نہیں جانتی اُسے ان معلومات پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جو اس کو پہلے سے حاصل ہوتی ہیں یہ مقدمات محسوسات ہیں۔ تمام معقولات کی تحلیل اور تجزیہ کیجئے اور عقل کی دلچسپ اور حیرت انگیز مہمات کی داستان سنئے تو معلوم ہوگا کہ حقائق کی ان نئی نئی دنیاؤں تک پہنچنے اور علم کے بڑے بڑے سمندروں کے عبور کرنے میں اس کا ذریعۂ سفر وہی حقیر محسوسات تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ محسوسات ہمیں کہاں سے حاصل ہوتے ہیں کیا وہ ریاضی کے تجریدی اصول ہیں یا وہ ان تجربات سے عبارت ہیں جو ہمیں ہر صبح اور ہر شام اس آب و گِل کی دنیا میں ہوتے رہتے ہیں ظاہر بات ہے کہ ان تجربات سے مراد ہمارا اس دنیا میں روز مرّہ کا ردّ عمل ہے۔

وہ انسان جو کسی بلند و بالا ہستی پر ایمان نہیں رکھتا اور یہ تسلیم نہیں کرتا کہ اس کے پیدا کرنے والے نے اُس کے لئے ہدایت کا سامان بھی مہیا کیا ہے اور مجرد عقل کی مدد سے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے اصول وضع کرتا ہے اور وہ یقیناً اپنے شخصی تجربات سے کام لے گا۔ ان تجربات میں اُس کے فطری میلانات اور خاندانی اور قومی روایات کا جس قدر دخل ہوتا ہے اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ چنانچہ عقل جسے اپنی صحت اور اپنی غیر جانبداری پر اس قدر ناز تھا وہ عمل کے اعتبار سے انسان کے رجحانات اور اجتماعی ذوق کے ہاتھ میں بے بس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھلونا بن کے رہ گئی۔ اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ انسان کے ذاتی رجحانات اور جماعتی ذوق کی تعمیر جن بنیادوں پر کی جاتی ہے وہ صرف مادی اور محسوس فوائد یا عارضی اور فوری منافع کا حصول ہے کیونکہ یہی وہ واحد معیار ہے جس پر انسانی عقل تجربہ کی مدد سے اپنی کامیابی کو جانچ سکتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان کے لئے جو ضابطۂ اخلاق مرتب ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جن افعال سے اُسے انفرادی یا اجتماعی مسرت حاصل ہو یا دوسرے الفاظ میں مادی لذائذ میں اضافہ ہو، وہ خیر ہیں، اور جن سے ان میں کمی واقع ہو، وہ شر ہیں۔

اس نظریۂ زندگی نے نہ صرف غرض پسندی کو مستحسن جذبہ قرار دیا۔ بلکہ اخلاقی زندگی کو بھی شدید نقصان پہنچایا۔ نظامِ اخلاق سارے کا سارا اس مدار پر قائم ہے کہ انسان مادی نفع و نقصان سے یکسر بے پرواہ ہو کر اخلاقی اصولوں کی پابندی محض اس بنا پر کرے کہ وہ ان کی صداقت پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن جب یہ سمجھ لیا جائے کہ انسان کی حسی خواہشات اور ان کی تکمیل ہی مدارِ زیست ہے اور اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے جو طریق بھی اختیار کر لیا جائے وہی عین حق اور صداقت ہے تو اس سے لازمی طور پر معاشرے کا استحکام ختم ہو گا اور ایک سیمابی کیفیت پیدا ہو گی مغربی اقوام میں گذشتہ صدسال سے باہمی پیکار و تصادم کا جو بازار گرم ہے وہ اسی خالص غرض پرستی کا نتیجہ ہے۔

پھر اس فلسفہ حیات نے انسانی فلاح کا بھی بالکل نیا طریقہ رائج کیا۔ مغربی تہذیب کے عروج سے پیشتر جب مذہب کی کچھ اقدار باقی تھیں اور انسان کسی نہ کسی طور پر اُن کے زیرِ اثر تھا تو وہ تمدنی یا معاشرتی بہبود کے لئے انسان کے نفسی یا باطنی محرکات کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا۔ مگر جب سے "نیا انسان" حیات پر ایمان لایا ہے اور اس نے اپنی توجہ کا مرکز صرف خارج کو بنا لیا ہے، تو اس کے طرزِ اصلاح میں یکسر تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اب یہ سمجھنے لگا ہے کہ صرف خارج میں کچھ تغیرات پیدا کر لینے کے بعد انسان کی پوری زندگی تبدیل کی جا سکتی ہے یہ صحیح ہے کہ خارجی نظامات مثلاً نظامِ حکومت یا نظامِ معیشت انسانی کردار و افعال پر بڑے گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں لیکن جب تک انسانی ضمیر اور انسان کے باطنی محرکات میں کوئی انقلاب پیدا نہ ہو خارجی احوال کوئی مستقل تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے اصل اور حقیقی انقلاب اُسی وقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رُونما ہوتا ہے جب زندگی کے متعلق انسان کا نقطۂ نظر اور طرزِ فکر بدل جائے

پچھلے صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ نہایت مختصر الفاظ میں نقشہ ہے اُس فلسفۂ زندگی کا جس کے مطابق مغربی تہذیب کے علمبردار ایک صدی سے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کر رہے ہیں۔ یہ فلسفۂ زندگی اتنا کمزور اور یک رُخا ہے کہ اس پر کسی پائیدار نظامِ زندگی کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی ہے۔ یورپین اقوام کے ہر آن بدلتے ہوئے اجتماعی ڈھانچے ایک گہرے اضطراب کی غمازی کر رہے ہیں۔ ان کی یہ سیمابی کیفیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اپنے گردوپیش سے مطمئن نہیں اور اپنے نظریات، اپنے افکار، اپنے طرزِ زندگی اور اپنے ماحول میں ایک تبدیلی اور خوشگوار تبدیلی پیدا کرنے کی متمنی ہیں، مگر انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نصیب نہیں ہوتی وہ عین اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی محنتوں کا زیاں دیکھتی ہیں، مگر سوائے خون کے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کر پاتیں۔ ان کی نظر کے سامنے اُن کا اخلاق، ان کی معیشت، ان کی معاشرت اور ان کی سیاست تباہ و برباد ہو رہی ہے مگر اُن کی سمجھ میں بار بار کے تجربات کے باوجود یہ نہیں آتا کہ ان سے کیونکر نجات حاصل کی جائے وہ ہر آن تخیلات و افکار کے نئے نئے محل تعمیر کرتی ہیں اور اس توقع پر تعمیر کرتی ہیں کہ ان کے سائے میں انہیں ابدی آرام و سکون حاصل ہوگا مگر چند روز بھی گذرنے نہیں پاتے کہ وہ ان سے بالکل خلافِ توقع نتائج دیکھ کر انہیں خود اپنے ہاتھوں سے مسمار کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہیں۔

توڑ پھوڑ کا یہ عمل یوں تو بڑے عرصہ سے جاری ہے مگر اس کی شدت میں پچھلے چند سالوں سے نہایت حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ شکست و ریخت کے اس سارے کھیل کے متعلق ایک بات جو نہایت وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی امامت اور سربراہی اب تک جس تہذیب کے علمبرداروں کو حاصل رہی ہے اس کی عمر پوری ہو چکی ہے۔ اس کے امتحان کا زمانہ ختم ہونے والا ہے اور سنت اللہ کے مطابق اب وقت آ گیا ہے کہ ان کو اور ان کی اس جاہلی تہذیب کو دنیا میں ایک غالب قوت کی حیثیت سے مٹا دیا جائے۔ اس امر کی شہادت خود اس تہذیب کے حامیان پیش کر رہے ہیں۔ یہاں ہم ان کے بڑے بڑے مفکرین کے چند اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ آپ کو اس اضطراب کا ایک معمولی سا اندازہ ہو سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"پروفیسر ارنلڈ جے۔ ٹائن بی (Toynbee) تاریخ انسانی کا عظیم عالم ہے۔ اس نے مطالعۂ تاریخ Study of History ایسی جامع کتاب لکھ کر پوری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ مارچ ۱۹۴۹ء کے ورلڈ ریویو World Review میں اس کا ایک مضمون "تاریخ موجودہ انسان کو متنبہ کرتی ہے" (History Warns Modern Man) شائع ہوا۔ اس میں اس نے بڑی صفائی اور تفصیل کے ساتھ اس تہذیب کی ناکامی کا ذکر کیا ہے اور پوری جرأت اور ایمانداری کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ موجودہ تہذیب انسان کو صحیح فلاح سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ وہ کہتا ہے:۔

"جدید انسان کا حال جوئے کے اس کھلاڑی کا سا ہے جس نے اپنا داؤں بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ اس کا بنک اکاؤنٹ، اس کی معاش اور اس کی زندگی سب بساط پر رکھے ہیں۔ تعطل بڑا خطرناک ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اسے بازی مار لینی چاہیئے لیکن اسے اپنے پتوں اور اپنے ہنر پہ بھروسہ نہیں ہے کہ ان کے بل پہ اسکی کامیابی یقینی ہو۔"

"اگر وہ علم النجوم پر اعتقاد رکھتا تو نجومیوں سے التجا کرتا کہ وہ اسے اس کرب سے نجات دلائیں اور ان سے دریافت کرتا کہ کیا وہ اس معرکہ "روح و بدن" میں کامیاب ہوگا۔ اُسے یقین ہے کہ اس کا فیصلہ قسمت پہلے سے کر چکی ہے۔ مگر عہد حاضر کا انسان اتنا توہم پرست نہیں کہ رمال پر اعتماد کرے۔ اس لئے وہ مفکرین کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ علمائے اجتماعیات اور ماہرین نفسیات سے پوچھتا ہے "تم ہمیں ایک صالح معاشرہ کب تک بہم پہنچا سکوگے؟ کیا ہمیں تباہی سے بچانے کا انتظام بر وقت ہو جائیگا۔ مگر جب وہ اسے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے پاتے تو وہ مجھ ایسے تاریخ دانوں سے سوال کرتا ہے "جس الجھن میں انسانیت آج گرفتار ہے اس کے پیش نظر تاریخ کا انجام کیا ہوگا؟"

فنی کمالات بجائے خود حکمت یا بقا کے ضامن نہیں ہو سکتے۔ تمدن جب کبھی خود اپنی صنعتی اور مشینی مہارت کے دلدادہ ہوئے تو اس وقت ان کا قدم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناگزیر طور پر خود کشی کی طرف اٹھا۔ بعید نہیں کہ تمدن اس قسم کے رجحان کا رخ بدل لیں اور از سرِ نو پنپ سکیں مگر یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ آلات پر بحیثیت مقصد زندگی توجہ کرنا ترک کر دیں یہ چیز جتنی اِس زمانے میں درست ہے اتنی ہی ماضی میں صحیح تھی"

"پوری تاریخ سے مجھے ایک ہی سبق حاصل ہوا ہے۔" یہاں کوئی چیز دنیاوی کامیابی سے بڑھ کر ناکام نہیں"۔ اکیس تمدنوں کے مطالعہ کے بعد میرا اس بات پر پختہ یقین ہو گیا ہے کہ تمدن اُسی وقت تک صحت مند رہتے ہیں، جب تک ان میں تخلیق کی صلاحیت برسرِ عمل رہتی ہے اور وہ اپنے جغرافیائی ماحول، نقل مکانی یا داخلی تغیرات سے پیدا کردہ ہر چیلنج کا جدید اور تخلیقی طریقوں سے بخوبی جواب دے سکیں"۔

"آج مشینوں پر قدرت نے ہمیں سخت خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اپنی صنعتی ترقی سے ہم اس قدر مسحور ہیں کہ ہم ان وسیع تر تخلیقی اقدامات کو بھی جو ہماری بقا کے لئے اشد ضروری ہیں، بھول گئے ہیں۔ پرستش انسان کا ایک نہایت ہی طاقتور فطری داعیہ ہے۔ ہمارے عہد کے پر فتن ہونے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہمیں اپنی قوم، اپنے علم اور ماضی کو پوجنے کی تربیت دی گئی ہے۔ آدمی کا صرف ایک خدا کی پرستش کرنا ہی اس کے لئے صحیح ہے۔ یہ پہلا حکم ربانی درحقیقت افراد اور معاشروں کی نشوونما کے لئے بھی اولین قانون ہے جب ہم اسے توڑ کر اپنے ماضی بحت کی پرستش شروع کر دیتے ہیں تو ہم ناکام و نامراد ہو جاتے ہیں"۔

ہماری جدید سائنٹفک ترقیات صنعتی دور کے چیلنج کا ایک تخلیقی جواب تھیں نہایت ہی عمدہ جواب، لیکن جو مسائل ہمیں درپیش ہیں، وہ اس نوعیت کے نہیں ہیں کہ ان کا جواب تجربہ گاہوں سے دیا جائے۔ یہ اخلاقی مسائل ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرہ میں کوئی دخل نہیں دیتی"۔

اپنے مسائل کو خالص مادی تدابیر سے حل کرنے کی ہماری حالیہ مساعی بداہتہً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناکام ہو چکی ہیں اور ہمارے تمام بلند بانگ منصوبے محض مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتائج کھل کر ہمارے سامنے آ چکے ہیں ..... ہم نے مشین کو یکسر آزاد کر کے دیکھ لیا ہے اور یہ بات اب واضح ہے کہ انسان کے لئے اخلاقی اقدامات جتنے آج ضروری ہیں گذشتہ زمانوں میں بھی تھے مگر آج یہ زیادہ فیصلہ کن حد تک ضروری ہیں :"

" جن ۲۱ تمدنوں کا مطالعہ میں نے کیا ہے۔ اُن کو پلٹ کر دیکھتے ہوئے انسان کی ذہانت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ محض دنیا کو اپنا منتہائے مقصود قرار دینے کے بعد پھر کوئی خوشگوار اخلاقی فیصلہ کر سکے گی ہاں ! نوعِ انسانی کی محبت ایک تاریخی طاقت ہے لیکن وہ بھی صرف اسی حالت میں جب کہ وہ فطری نتیجہ ہو خداوند تعالیٰ سے گہری وابستگی کا ! پس دورِ حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبیعی ایمان کا احیاء ہے۔ اس کے بغیر اُس انسان پر، جس کے ہاتھ میں اپنے معمل میں تیار کئے ہوئے خطرناک کھلونے ہیں، کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا :"

یہ اقتباسات ذرا طویل ہو گئے ہیں۔ مگر ان کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ قدرے تفصیل کے ساتھ یورپ کے فکری رجحانات کا مطالعہ کر سکیں۔ یہ آراء کسی "متعصب مُلّا" کی نہیں بلکہ اُس محقق کی ہیں جس کی فکری برتری کے اپنے اور پرائے سب معترف ہیں۔

اس سلسلہ میں دوسرا شخص جس کو ہم بطورِ شہادت پیش کرتے ہیں وہ پی۔ اے سارو کن (Sorokin) ہے اس نے اکتوبر ۱۹۴۱ء میں ایک کتاب "ہمارے عہد کا بحران" (The Crisis of our age) تصنیف کی۔ صاحب موصوف نے اپنی تالیف میں نہایت ٹھوس اور واضح دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن پر اب نزع کا عالم طاری ہے اور یہ مصیبت جس میں وہ اپنے آپ کو اس وقت گرفتار پاتا ہے۔ آفتِ ناگہانی نہیں بلکہ یہ ایک فطری نتیجہ ہے اُس فکر کا جسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورپ نے پچھلے دو سو سال میں جنم دیا ہے۔ اس عالمگیر فساد کا ذکر جن الفاظ میں اُس نے کیا ہے وہ غور و خوض کے مستحق ہیں۔

وہ لکھتا ہے:

> بدیہی شہادتوں کے پیشِ نظر مجھے اس بات کا پوری طرح اطمینان ہو گیا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ، ہماری تنظیم، ہماری سوسائٹی ایک زبردست بحران سے گذر رہے ہیں، جسم کا کوئی حصّہ قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں جو صحیح طور پر کام کر رہا ہو۔ ہمارے بدن میں ناسور ہیں۔ ہم اس وقت ایک ایسے دوراہے پر کھڑے ہیں، جس کے ایک طرف ماضی کا حسی تمدن (Sensate Culture) ہے اور دوسری طرف مستقبل کا تصوری تمدن (Ideational Culture) ہم چھ سو سال گزارنے کے بعد اب زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی بھولی بھٹکی کرنیں اگرچہ دنیا کو منور کر رہی ہیں۔ مگر رات کے تاریک سائے بھی ہر لمحہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس شفق میں جبکہ سورج کی بصارت میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ ہمارے لئے اپنے آپ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ تاریک رات نوعِ انسانی کو اپنے ڈراؤنے پردوں میں چھپانے والی ہے .... مگر اس تاریکی سے بہت دور تصوری تمدن کی صبح بھی مستقبل کے انتظار میں کھڑی مسکرا رہی ہے۔

فاضل مصنف نے بڑی دیدہ وری کے ساتھ اپنے زمانہ کی خرابیوں اور خامیوں کا احساس کیا ہے۔ اس کی وطن پرستی اندھی نہیں، روشن ضمیر ہے۔ وہ دورِ حاضر کی فنی اور صنعتی ترقی اور سائنس کے کمالات سے خیرہ چشم ہو کر کسی خوش فہمی میں گرفتار نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی قوتِ تنقید کو بیدار رکھا ہے اور ایکس۔ رے ایکسپرٹ کی طرح فساد کے اِن مرکزوں کی نشاندہی کی ہے جو اگرچہ دنیا کی نظروں سے مستور ہیں مگر نوعِ انسانی کے جسم کو بیمار اور اس کے خون کو گندا کر رہے ہیں۔ اس کے نزدیک یہ فساد ہمہ گیر ہے اور زندگی کے رگ و پے میں پوری طرح سرایت کر چکا ہے۔ لہٰذا دورِ جدید کا اہم مسئلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ نہیں کہ نظامِ حیات کا ظاہری ڈھانچہ کس شکل کا ہونا چاہیئے بلکہ سب سے ضروری سوال یہ ہے کہ فساد کی ان جڑوں کو کس طرح تبدیل کیا جائے جس سے شر اور فساد کی یہ ساری کونپلیں پھوٹتی اور غذا حاصل کرتی ہیں چنانچہ پروفیسر سارو کن پورے زور سے کہتا ہے۔

"دورِ حاضر کے بحران کی وجہ یہ نہیں کہ اِس عہد میں ہٹلر یا مسولینی سٹالن یا چرچل نے جنم لیا ہے۔ یہ لوگ تو اس بحران کی پیداوار ہیں ان کو دنیا کے سٹیج سے ہٹا دینے سے فساد کا خاتمہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے ملتے ہی اِن سے زیادہ شریر لوگ اِن کی جگہ پر قابض ہو جائیں گے۔ اگر ہم واقعی اصلاحِ حال چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے فکر و نظر کے زاویوں کو بدلنا چاہیئے یہ تبدیلی اُسی صورت میں ممکن ہے جب لوگوں میں اپنی تباہی و بربادی کا ایک شدید احساس پیدا ہو کیونکہ یہ احساس ہی لوگوں کو انقلاب کے لئے سرگرمِ عمل کر سکتا ہے۔"

اس کے علاوہ کتاب کا مصنف لوگوں کی اس غلط فہمی کو بھی دور کرتا ہے، جس میں گرفتار ہو کر وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس حسی تمدن کے علاوہ کوئی دوسری جامع تہذیب نہیں جو انسانیت کو آرام و سکون بہم پہنچا سکے۔ اس نے پوری وضاحت سے یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس تہذیبِ الحاد کے مقابلہ میں ایک ایسا نظامِ حیات بھی ہے جو اپنی عمارت خدا پرستی پر استوار کرتا ہے[1]۔

---

[1] پروفیسر ٹائن بی سے نیویارک ٹائمز کے نمائندہ نے عند الملاقات انسانیت کے مستقبل کے متعلق چند سوالات پوچھے۔ یہ سوال اور اُن کے جواب ریڈرز ڈائجسٹ کی جون ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں شائع ہوئے۔ اِن میں سے دو کو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ "ہوا کے رخ" کا اندازہ ہو سکے۔ **سوال:۔** اگر مذہب کا احیاء نہ ہوا تو مغرب پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

جواب:۔ اگر ایسا نہ ہوا تو مغرب کا مستقبل خوش آئند نہیں ہو سکے گا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورپ میں یہ فکری رجحان صرف فلاسفہ تک ہی محدود نہیں بلکہ عہدِ حاضر کے بیشتر شاعر افسانہ نگار اور ادیب ایسے ہیں جن کی نگارشات میں یہ چیز پوری طرح نمایاں ہے۔ اور تو اور خود سیاست دان اس نازک صورتِ حالات سے سخت پریشان ہیں، گذشتہ جنگِ عظیم کے خاتمہ پر جنگ کے فاتح لائڈ جارج نے نہایت اضطراب کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ ہماری ساری ترقی، ترقیٔ معکوس ہے اور انسانیت کو سائنس کی قوت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا بلکہ اس نے انسانیت کو بالکل برباد کر دیا ہے چنانچہ بڑے واشگاف الفاظ میں اس نے اس کا اظہار کیا ہے:

"اگر مسیحؑ اس دنیا میں تشریف لے آئیں تو زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں گے۔ وہ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ دو ہزار برس کے بعد بھی انسان فتنہ و فساد، کشت و خون اور قتل و غارت گری میں بدستور مبتلا ہے بلکہ اس وقت تو انسانیت کے جسم سے تاریخ کی عظیم ترین جنگ کے اثر سے خون

میرا خیال ہے کہ ہمارے مغربی اندازِ زندگی میں فرد کی تقدیس کو اہمیت حاصل ہے کمیونزم انسانی ذات کی قدر و قیمت سے انکار کرتی ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ فرد صرف جماعت کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم نے اپنے مغربی تصورِ حیات کو برقرار رکھنا ہے تو اسے محکم بنیادوں پر قائم کرنا ہوگا۔ اس کی اصل بنیادیں مذہب ہی پر قائم تھیں۔

سوال۔ آپ کا کیا خیال ہے مستقبل کمیونزم کے ہاتھ میں رہے گا؟

جواب۔ نہیں میرا خیال ایسا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کمیونزم آخرکار انسانوں کیلئے جاذبِ نگاہ بننے میں ناکام رہ جائیگا۔ اسلئے کہ انسانوں کی انفرادی مشکلات اور ذاتی تکالیف میں جس روحانی سہارے یا رہنمائی کی ضرورت ہے۔ کمیونزم میں وہ چیز نہیں مجھے کسی ایسے مذہب یا آئیڈیالوجی کا علم نہیں جو انسانوں کی مشکلات میں سہارا بہم پہنچاتی ہو اور اس کے باوجود ان کے نزدیک جاذبِ نگاہ ہو ان وجوہ کی بنا پر میرا عقیدہ یہ ہے کہ مستقبل کمیونزم کے ہاتھ نہیں بلکہ اس مذہب کے ہاتھ میں ہے جو انسان کو انفرادی مصائب میں روحانی سہارے دے سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور زمین اس قدر تاراج ہو چکی ہے کہ نوبت
فاقہ کشی تک آ پہنچی ہے اور حضرت آکر کیا دیکھیں گے؟ کیا اخوت و مساوات
کے ساتھ لوگوں کو ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے دیکھیں گے یا اس کے برعکس
اس جنگِ عظیم سے بڑھ کر مہلک اور پر اذیت جنگ کی تیاریاں کرتے،
ایک سے ایک بڑھ کر جان لیوا اور ستم کیش آلاتِ ہلاکت ایجاد کرتے اور تعذیب و
تشدد کی نئی نئی ترکیبیں سوچتے دیکھیں گے۔"

تہذیبِ الحاد کے بارے میں جو چند آراء اوپر پیش کی گئی ہیں اُنہیں مغربی ادب
کی سلوٹوں سے ڈھونڈ کر نہیں لایا گیا بلکہ یہ وہ عام رجحان ہے جو یورپ میں بڑی سرعت
کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ آپ کوئی کتاب اٹھا کر دیکھیں اس میں اسی کا تذکرہ پائیں گے
کسی رسالہ کے اوراق الٹیے اس میں یہی خیال جھلکتا ہوا نظر آئے گا۔

پھر مغربی انسان اس تہذیب کے کسی مخصوص قالب کو نہیں، بلکہ ان سارے
قالبوں کو، جن میں یہ جلوہ گر ہو سکتی تھی، آزما کر دیکھ چکا ہے۔ وہ اس حقیقت کو اچھی
طرح جان چکا ہے کہ یہ تہذیب اپنے سارے پتے ڈال چکی ہے، اور اپنے سارے مہرے
چل چکی ہے اور اس کی کوکھ سے کسی نئی تحریک کے رونما ہونے کے دور دور تک
کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ اب انسان اس جگہ آ کھڑا ہوا ہے، جہاں وہ یہ سوچنے پر مجبور
ہے کہ کیا انسانیت کی معراج بس یہی ہے جہاں اس تہذیبِ الحاد نے اُسے پہنچا دیا
ہے۔ اور کیا وہ واقعی اس بات میں بے بس ہے کہ اس تہذیب کی پیش کردہ تین تحریکوں
میں سے کسی کو لازمی طور پر منتخب کرے۔ کیا واقعی اس کے لئے حسیات سے ہٹ کر کوئی
نیا راستہ باقی نہیں رہا۔ ٹھیک یہی وہ لمحہ ہے جس میں انسان مذہب کی ضرورت کو نہایت
شدت سے محسوس کر رہا ہے۔

مگر اس سلسلہ میں بھی مصیبت یہ ہے کہ وہ ان میں سے بیشتر کو آزما چکا ہے ایک
لمبے تجربے کے بعد یہ بات اس پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ وہ اس کے
مرض کی دوا نہیں ہے۔ ہندو ازم اور بدھ ازم کے خیالی فلسفے کبھی کبھی اس کو مسحور کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیتے ہیں مگر جب وہ ان کو اپنی عملی زندگی میں رہنما بناکر آگے بڑھتا ہے تو اسے سخت ناکامی ہوتی ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ سارے مذاہب اصلاح باطن سے آگے نہیں بڑھتے حالانکہ باطنی اصلاح کے لئے ایک خارجی نظام اسی قدر ضروری ہے جتنا کہ خارجی نظام کے لئے اصلاح باطن۔ ان تینوں مذاہب نے بلاشبہ چند اخلاقی مواعظ و نصائح کا مجموعہ تو پیش کیا ہے۔ مگر انہوں نے انسان کو حکومت یا سیاست کا کوئی خارجی نظام نہیں دیا جو ان مواعظ و نصائح کا انسان کو پابند بنا سکے۔ ایک ایسا سماج جو صرف اخلاقی ترغیب سے اپنے آپ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ بہت جلد مرکز گریز Centrifugal قوتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ عیسائیت نے تو خود مذہب اور سیاست کی تفریق کو قبول کر لیا ہے بدھ مت نے بھی فرد اور جماعت یا فرد اور حکومت کے تعلقات متعین نہیں کئے ان سارے مذاہب نے کوئی ایسا نظام پیش نہیں کیا جو زندگی کے سارے گوشوں پہ حاوی ہو سکے ظاہر بات ہے کہ ان بنیادوں پہ اصلاح کی کوئی جزوی تحریک تو چلائی جا سکتی ہے مگر ان بنیادوں پر کوئی ہمہ گیر نظام عالم یا نظامِ تمدن قائم نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد میدان میں صرف اسلام رہ جاتا ہے اور وہی ان معیاروں میں سے ایک ایک معیار پہ پورا اترتا ہے جو آج کل کا پرستارِ عقل انسان اپنے مذہب مطلوب کے لئے پیش کر رہا ہے، یا کر سکتا ہے اور جس میں زخموں سے چور انسانیت فوز و فلاح کی راہ ڈھونڈ سکتی ہے۔ اسلام درحقیقت وقت کی ایک اہم پکار ہے۔ انسانیت جب تک پوری یکسوئی کے ساتھ اس پکار پہ لبیک نہیں کہتی، وہ حقیقی شادمانی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

وہ شخص جس نے مغربی زندگی کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس زندگی میں ایک زبردست تضاد پایا جاتا ہے یہاں غلطی سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ حیاتِ انسانی کو مختلف گوشوں میں اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے کہ یہ سارے گوشے متضاد اصولوں کے پابند رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس باطل تصور نے جنم لیا ہے کہ مذہب و اخلاق کا معاملہ صرف فرد سے متعلق ہے اور وہ بھی اس کے صرف ایک گوشے تک۔ مگر یہ بات کہ انسانی زندگی ایک اکائی نہیں بلکہ چند بے ربط اور بے تعلق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکائیوں کا مجموعہ ہے، اب فرسودہ ہو چکی ہے۔ یہ انیسویں صدی کی بہت سی خام خیالیوں میں سے ایک تھی، جسے عہدِ حاضر کے محققین نے سراسر باطل قرار دیا ہے۔ لہذا اب رفتہ رفتہ یہ خیال بھی ذہنوں سے نکل رہا ہے کہ مذہب وا خلاق محض فرد سے بحث کرتا ہے جماعت سے قطع نظر کر کے، فرد اسی طرح ایک غیر واقعی تجربہ ہے، جس طرح فرد سے قطع نظر کر کے، جماعت غیر واقعی چیز ہے۔ یہ کس قدر غلط خیال ہے کہ ایک شخص اتوار کو آسمانی باپ کی خوشنودی کے لئے عبادت کرے اور بقیہ چھ دن اپنے ابنائے جنس کو لوٹنے اور ظلم و تعدی میں بسر کرے۔ اخلاق کو اجتماعی زندگی سے الگ کرنا اور اسے صرف دوسرے جہان سے اس طور پر متعلق کرنا کہ اس جہاں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اخلاق کی پیروی نہیں بلکہ اس کا مذاق ہے۔ فلسفۂ اجتماع کے ساتھ جب تک اخلاقی نظریات کا گہرا ربط نہ ہو وہ کبھی انسان کو سکون نہیں پہنچا سکتا۔

---

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دھم

معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

اسلام دورِ جدید کے انسان کی ہر گمراہی کو دور کرتا ہے۔ وہ زندگی کے کسی مخصوص پہلو کی اصلاح کو کافی خیال نہیں کرتا بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ اور عمل کے ہر گوشہ کے لئے اصلاحی تدابیر رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اُس کا ایک مخصوص نظام تمدن، ایک الگ نظام معاشرت اور ایک جداگانہ نظریۂ سیاست وحکومت ہے۔ یہاں مذہب اور تہذیب و تمدن یا اخلاق اور اجتماعی زندگی کوئی الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ سب مل کر ایک مجموعہ بناتے ہیں جنہیں الاسلام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

یہاں ایک ہی طریقِ فکر اور ایک ہی نظریۂ حیات ہے جو زندگی کے سارے گوشوں پر حاوی ہے۔ ممکن ہے مذہب کا یہ تصور بعض افراد کے لئے نامانوس ہو۔ مگر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مغربی زندگی جب تک اپنے ہاں سے دین و دنیا کی دوئی کو ختم نہیں کرتی وہ کبھی چین اور آرام کا سانس نہیں لے سکتی۔ یہ ایک تضاد ہے جس نے اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور اگر کوئی دین اس سے اسے نجات دلا سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ اسلامی تہذیب ہی وہ طرزِ زندگی ہے جس میں نہ صرف حیاتِ انسانی کے سارے گوشوں سے متعلق ہدائیت و رہنمائی ملتی ہے بلکہ انسان کے باطنی محرکات پر بھی پوری پوری توجہ صرف کی گئی ہے۔ اس نے جہاں انسان کے خارجی نظام سے بحث کی ہے وہاں انسان کے داخلی احساسات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اسلام نے انسانی زندگی کے سارے پہلوئں کو اپنی تحویل میں لے کر اُن کے اندر معنوی ربط پیدا کر دیا ہے۔

مکمل نظامِ زندگی ہونے کی بنا پہ دینِ حق عہدِ حاضر کے ایک نہائیت اہم مسئلہ یعنی فرد اور جماعت کے باہمی رابطہ کو بھی حل کرتا ہے۔ انفرادیت پسند فلاسفہ جن میں کانٹ، نطشے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور برگسان شامل ہیں، اس بات کے مدعی ہیں کہ اصل زندگی صرف انفرادی ہے حیات عمرانی کی بنا، اس کے سوا کچھ نہیں کہ شعور ذات اپنے تئیں مکانِ لبسیط میں پھیلاتا ہے لیکن اس امکانی اور عمرانی انا کے ہوتے ہوئے بھی خالص انفرادی انا ہے۔ اس لئے احساس و ادراک اس کے باہر ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا عمرانی زندگی جو ہمارے حقیقی وجود سے خارج ہے بالکل ایک مصنوعی چیز ہے اس بنا پر اس سے ہمارا تعلق بالکل سرسری اور کمزور ہوتا ہے۔

جو لوگ اس طرزِ فکر کے حامی ہیں انہوں نے پوری اجتماعی زندگی کو چند افراد یا کسی خاص فرد کی ہوائے نفس کا غلام بنا دیا ہے۔ یہ حضرات جس طرح چاہیں معاشرے سے کام لیں اور معاشرے کو اس بات کا قطعاً کوئی حق نہیں کہ وہ ان سے ان کے اعمال و افعال کے متعلق باز پرس کر سکے۔ وہ جس کو چاہیں اپنی اغراض کے لئے استعمال کریں اور کوئی انہیں اُن کے کئے پر ٹوکنے والا نہ ہو۔ جدید سرمایہ داری اسی تصور کا شاخسانہ ہے۔

اس نظریہ کے خلاف اجتماعیت پسندوں کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ فرد کی شخصیت عمرانی ماحول ہی میں نشو و نما پاتی ہے اور اس کا مکمل اظہار جماعت ہی میں اور جماعت ہی سے ممکن ہے نیز اس کے جملہ قوائے ذہنی و روحانی اُس مخصوص جماعت کی ضروریات و حوائج کے سانچے میں ڈھلتے ہیں جس میں بخت و اتفاق نے اسے جنم دیا ہے، اس لئے اصل چیز اجتماعیت ہی ہے اور اس کے مقابلہ میں انفرادیت محض ایک سراب۔ اس طرزِ فکر کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فرد کو جماعت کے ہاتھ میں بالکل ایک بے بس کھلونا تصور کر لیا گیا ہے۔ عہدِ حاضر میں اشتمالیت اور فسطائیت اسی تخیل کے مظہر ہیں۔

مغربی انسان ایک لمبے عرصہ سے اس ذہنی کشمکش میں گرفتار چلا آ رہا ہے کہ کہ وہ بنیادی اہمیت انفرادیت کو دے یا اجتماعیت کو۔ وہ جب انفرادیت کو اصل قرار دے کر اپنی زندگی کی تعمیر کرتا ہے تو اپنے سامنے سرمایہ داری کی شکل میں ایک نہایت ظالمانہ اور بے حس نظام موجود پاتا ہے اس کے برعکس جب وہ اجتماعیت کی اساس پہ اپنی حیات کو استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اردگرد ایک ایسے جیل کی دیواریں کھنچ گئی ہیں جن کے اندر نہ صرف اس کا جسم مقید ہے بلکہ اس کی روح بھی پابہ زنجیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔

موجودہ انسان نے اس مخمصے سے نکلنے کی بے حد کوشش کی ہے مگر اسے اس سلسلہ میں ذرہ برابر کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ وہ بڑی مدت سے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، مگر اسے کچھ نہیں سوجھتا کہ آخر وہ کیا کرے۔ وہ بیچارہ کبھی ایک کو آزماتا ہے اور کبھی دوسرے کو۔

یہ وہ ٹھیک مقام ہے جہاں ہمیں اسلام سے رہنمائی ملتی ہے۔ وہ انسان کے سامنے اس بات کو بطورِ حقیقت پیش کرتا ہے کہ اس کی نگاہ میں اصل اہمیت فرد کی ہے نہ کہ جماعت یا اجتماعی نظام کی ہر فرد انسانی کو اللہ تعالیٰ نے شعورِ شخصیت عطا کیا ہے، خودی کا احساس دیا ہے، انفرادی خصوصیات بخشی ہیں، دیکھنے کے لئے آنکھیں دی ہیں سننے کے لئے کان دیئے ہیں سوچنے اور سمجھنے کے لئے دل و دماغ دیئے ہیں۔ خواہش، تمیز، ارادہ اور فیصلے کی قوتیں دی ہیں اور اپنی ملکیت میں سے بہت سی چیزیں امانتاً اس کے سپرد کر کے اُن پر تصرف کے اختیارات اسے عطا کئے ہیں۔ اسی بناء پر ایک انسان منفرداً اللہ کا خلیفہ ہے اور اسی حیثیت سے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے یہی بات ہے جسے قرآنِ حکیم میں مختلف طریقوں سے یوں دہرایا گیا ہے۔

عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ (المائدہ: ۱۰۵)	تم پر تمہارے اپنے نفس کی ذمہ داری ہے اگر تم ہدایت پاؤ تو دوسرا گمراہ ہونے والا تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ۔ (الانعام: ۱۶۴)	ہر نفس جو کچھ کماتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔
إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا (الاسراء: ۷)	اگر تم نیک کام کرو گے تو اپنے نفس کے لئے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو اسی کیلئے۔

اسی حقیقت کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا کہ الا کلکم راع وکلکم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئول عن رعیتہ[1] - پھر اس بات کو قرآن مجید نے آخرت کے ذکر میں بڑی کثرت سے بیان فرمایا ہے کہ اللہ کی عدالت میں ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے پیش ہوگا اور اسی حیثیت سے اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھے گا۔ یعنی جس طرح ہر فرد کی شخصیت انفرادی ہے اور ذمہ داری انفرادی ہے۔ اسی طرح اس کا نتیجہ اور انجام بھی آخرکار انفرادی ہی ہے۔

پس "ایک بدیہی حقیقت ہے" کہ اسلامی نقطہ نظر سے فرد کی شخصیت کا ارتقاء اور اس کی ذات کی تکمیل بجائے خود مطلوب ہے۔ دین کا مخاطب فرد ہے، خدا کی عبدیت اور اطاعت کی طرف فرد کو دعوت دی گئی ہے حقوق و فرائض فرد پر عائد کئے گئے ہیں، امر و نہی کے احکام فرد کو دیئے گئے ہیں طاعت و جزا کی امید فرد کو دلائی گئی ہے۔ اور عصیان پر سزا کی دھمکی بھی فرد ہی کو دی گئی ہے۔ اس نظام فکر و عمل میں فرد ہی وہ اصل اکائی ہے جس کو ابتداء میں عامل کی حیثیت سے بنیادی اہمیت حاصل ہے اسی کی عقل اور جذبات سے یہ اپیل کرتا ہے، اسی کو اپنی ہدائیت و رہنمائی کا مخاطب بناتا ہے۔ اسی کی فلاح کا طالب ہے اور اسی کو خسران سے بچانا چاہتا ہے۔ اگر فرد اپنی جگہ ناقص رہ جائے اور اپنی شخصیت کو پستی میں گرا دے تو آخری فیصلہ میں اس جماعت اور اجتماعی جماعت کی خوبی اس کے لئے کچھ بھی نافع نہیں ہو سکتی جس سے وہ دنیا میں تعلق رکھتا تھا[2]۔"

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت اور اجتماعی نظام اسلام کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ فی الواقع ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے مگر اس حیثیت سے نہیں کہ وہ بجائے خود مقصود ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ فرد کی شخصیت کا ارتقاء اور اس کی ذات کی تکمیل

---

[1] سنو! تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے ماتحت افراد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

[2] "اسلام کا نظام حیات" از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت ہی کی اصلاح اور اجتماعی نظام ہی کی بہتری پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیشک فرد کی صورت میں پیدا کیا ہے مگر اسے ایسا رکھا نہیں ہے۔ گوناگوں اجتماعی تعلقات ہی فرد کی نشو و نما کے ضامن ہوتے ہیں۔ اس کی صلاحیتیں ان کی بدولت ابھرتی ہیں ہم ایسے تجریدی فرد کا تصور تک نہیں کر سکتے جو اجتماعی زندگی سے قطعاً بے نیاز ہو۔ فرد کی امتحان گاہ جس میں اسے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع ملتا ہے وہ اس کی اجتماعی زندگی ہی ہے اس کو اکیلا نہیں رکھا گیا بلکہ اسے بتایا گیا ہے کہ اس کے وہ اعمال جو وہ خالصتاً اللہ کے لئے اور آخرت کی کامیابی کے لئے کرتا ہے۔ وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اجتماعی نوعیت کے ہوتے ہیں اسے حیات اجتماعی کے عین منجدھار میں رکھ کر پھر اس سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اپنی قوتوں کو خداوند تعالیٰ کے منشا کے مطابق بروئے کار لائے۔ اسلام اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرتا کہ انسان کی زندگی میں ان تعلقات کا اثر انداز ہونا لازمی ہے جو وہ سوسائٹی کے دوسرے ارکان کے ساتھ رکھتا ہے۔ ان تعلقات کی گوناگونی، ان کی وسعت اور ان کی معنوی تنظیم سے شعور کی گہرائیوں پہ اثر پڑتا ہے اور انسان کی تخلیقی استعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوتا ہے۔

اسلام فرد اور جماعت کے ظاہری تضاد کو بڑی خوبی سے رفع کرتا ہے۔ انفرادیت کے پاسباں کی حیثیت سے وہ بھی انسان کو انتہائی حریت کی ضمانت دیتا ہے کیونکہ اس کے بغیر فرد کی تکمیل ذات ممکن نہیں۔ مگر اس کا نقطۂ نظر اُن نظامات سے مختلف ہے جو جماعت سے قطع نظر کر کے فرد کو مجرد فرد ہونے کی حیثیت سے لیتے ہیں اور اجتماعی زندگی سے الگ تھلگ رکھ کر اس کو روحانی ارتقار کے مدارج طے کرانا چاہتے ہیں۔ وہ اس معاملہ میں ان لوگوں سے بھی اختلاف کرتا ہے جو فرد کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بلا کسی روک ٹوک پورے سماج کو اپنے ذاتی منافع پہ قربان کر دے۔ اس کے برعکس وہ اس نظام حیات کو بھی قبول نہیں کرتا جس میں فرد کی زندگی بحیثیت فرد بے مقصد بنا دی گئی ہو اور اسے صرف اس صورت میں بامعنی تسلیم کیا جاتا ہے جب کہ وہ اجتماعی مقاصد کے لئے وقف ہو۔ ان تینوں نقطہ ہائے نظر سے الگ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ "بنی نوع انسان کا ایک ایک فرد اپنی انفرادی حیثیت میں خدا کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے جواب دہ ہے۔ اس لئے ہر ایک فرد کو فرداً فرداً خدا کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیئے، مگر چونکہ خدا کے سامنے اس کی جواب دہی بڑی حد تک اجتماعی حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں ہی سے متعلق ہے اور آخری امتحان میں اس کی کامیابی بھی بہت حد تک اجتماعی صلاح و فلاح پہ ہی منحصر ہے نیز خدا کی رضا حاصل کرنے میں بھی وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک حتی الامکان فساد کو مٹانے اور خدا کے احکام، اس کی زمین اور اس کی خلق پر جاری کرنے کا وہ فریضہ انجام نہ دے جو خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے اس پہ عاید کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری محض اپنی ذاتی اصلاح کی حد تک ہی محدود نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن اجتماعی تقاضوں کو بھی پورا کرے۔ جو سوسائٹی کا فرد ہونے کی حیثیت سے اُس پہ عائد ہوتے ہیں۔ اسلام نے یہ طرز فکر اختیار کرکے انفرادی حریت اور اجتماعی گرفت کے ظاہری تضاد میں جو درحقیقت تضاد نہیں، ایک وحدتِ معنوی پیدا کر دی ہے۔

فرد اور جماعت کے باہمی رابطہ کے علاوہ ایک اور مسئلہ جو اِس وقت حل طلب ہے وہ حیاتِ انسانی کے نصب العین کا مسئلہ ہے۔ انسانیت آغاز ہی سے اس بات کے لئے کوشاں رہی ہے کہ اپنی جدوجہد کے لئے کوئی موزوں نصب العین تلاش کرے کیونکہ نصب العین کا تعین کئے بغیر سعی وجہد بالکل بے معنی سی شے ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی قوم ایسی نہیں گذری جو زندہ تو ہو، مگر اُس کی اجتماعی زندگی نصب العین کی حرارت سے خالی ہو۔ تاریخ پر ایک عمومی نگاہ ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اجتماعی زندگی کے لئے نصب العین کا وجود اشد ضروری ہے۔ ایک نصب العین شیرازۂ قومی کے مائل بہ انتشار اجزاء کو باہم پیوستہ رکھتا ہے بلکہ اسے ترقی کی شاہراہ پہ گامزن بھی کرتا ہے۔ اس کے افراد کے اندر حیات بن کر انہیں سرگرم عمل کرتا ہے اور ان میں سعی و طلب کا ولولہ پیدا کرتا ہے۔ یہی نصب العین درحقیقت اِس قوم یا ملت کے تمام اقدار کا سرچشمہ اور ماخذ ہوتا ہے۔ تمدنی اور معاشرتی نظام دراصل اسی کے پَرتو ہیں۔ اگر یہ نصب العین نظروں سے اوجھل ہو جائے تو زندگی اپنی معنویت کھو دیتی ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانیت نے اپنے لئے آج تک جتنے اجتماعی نصب العین تجویز کئے ہیں ان میں جو چیز قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ خوشحالی و اطمینانِ قلب ہے۔ ہر شخص خواہ وہ کسی مرتبہ عقلی و ذہنی اور کسی طبقہ عمرانی سے تعلق رکھتا ہو زندگی میں یہی چاہتا ہے کہ اسے امن سلامتی اور جمعیتِ خاطر نصیب ہو۔

اب جن تہذیبوں نے اپنے نصب العین کی بنیاد کسی مذہبی و روحانی تخیل پر نہیں رکھی انہوں نے اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی کہ تم ہر قسم کی اخلاقی قیود سے آزاد ہو کر اپنے لئے دنیاوی فوائد و لذائذ حاصل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ یہی تمہارا اصل مقصود ہے اپنے اس نصب العین کو انہوں نے "زیادہ سے زیادہ تعداد کے لئے زیادہ سے زیادہ بھلائی" قرار دیا ہے مگر اس منزل تک پہنچنے کے لئے انسانیت کا جو قافلہ ہمارے سامنے سے گذر رہا ہے اس کی جد وجہد کو دیکھتے ہوئے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مقصد صرف وہی ہے جس کو ایرانی شاعر نے "بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کہا ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ "بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا مقصد کسی ایک فرد یا قوم کے عمل کا محرک نہیں بلکہ سارے افراد اور ساری اقوام کا منتہائے مقصود ہونا چاہیئے اس کا لازمی نتیجہ جو ہماری بدنصیب آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں یہ ہے کہ افراد، افراد کے خلاف صف آرا ہیں، قومیں قوموں کے درپئے آزار ہیں اور دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں شدید سیاسی، معاشی اور تمدنی کشمکش برپا نہ ہو مسابقت، مقابلہ اور مزاحمت کے زبردست ہنگاموں نے انسانیت کو امن، سلامتی اور جمعیتِ خاطر سے بالکل محروم کر دیا ہے اس کے برعکس بعض لوگ مادیت کی بالکل نفی کرتے ہوئے انسانیت کے لئے یہ نصب العین تجویز کرتے ہیں کہ اسے دنیا اور اس کے سارے ہنگاموں سے کٹ کر صرف روحانی ارتقاء کے لئے جد وجہد کرنا چاہیئے۔ اسی سے اسے تسکین حاصل ہو سکتی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نصب العین میں وہ روحانی عنصر موجود ہے جو انسان کو سکون اور اطمینانِ قلب بخشتا ہے۔ مگر جب ہم زیادہ گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نصب العین ساری خوبیوں کے باوجود کبھی اجتماعی نصب العین نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن سکتا۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو اس کو انفرادی کے بجائے اجتماعی حیثیت دینے والی ہو اور اس کی تحقیق کے لئے فرد کو جماعت کے ساتھ اشتراکِ عمل پر ابھارنے والی ہو۔ لہٰذا اس نصب العین کی رُوح ہی اس چیز کے خلاف ہے جو ہمیں آج نوعِ انسانی کے لئے مطلوب ہے۔

اس نصب العین کو جس جس قوم نے بھی اپنایا اُس میں جسم کی تعذیب، مادیت کا ازالہ، خواہشاتِ انسانی کا مکمل استیصال، جذبات کشی، تجرد اور رہبانیت نے فروغ پایا۔ اور اس کے ہاں اصولی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ جسمانیت اور روحانیت دو متضاد چیزیں ہیں جن کا اجتماع محال ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ روح کے مقابلہ میں جسم کو بالکل مغلوب کر دے۔ اس تصورِ حیات کا نتیجہ یہ ہے کہ جسم اور اس کے تقاضوں سے انسان صرف نفرت ہی نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے خلاف اس کے دل میں ایک ایسا معاندانہ جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے جو کسی راہ رو کو ایسے پتھر کے خلاف پیدا ہوتا ہے جس سے اس نے بار بار ٹھوکر کھائی ہو۔

اس نصب العین کو ممکن ہے چند باہمت افراد تو اپنا لیں مگر اسے لاتعداد افراد کا کوئی گروہ اپنا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ نظریۂ حیات کسی تمدن کی اساس نہیں بن سکتا پہلے نصب العین اور اس دوسرے میں بعد المشرقین ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر دنیا میں اپنے اصول پر کسی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرنے میں آسانی سے کامیاب ہو سکتا ہے لیکن مجرد روحانیت پر کسی محدود سے محدود رقبہ زمین میں بھی کوئی تمدنی زندگی ظہور میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے ان دونوں مقاصد کے برعکس اسلام جو نصب العین ہمارے سامنے پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان چونکہ اس دنیا میں خدا کا نائب ہے، اس لئے اُس کا اصل مقصود ہی یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے۔ قرآن حکیم میں اس مقصد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ

اے پیغمبر کہدے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔	اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔

اس تمام تعلیم کو صاحب جوامع الکلم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ میں اس طرح ادا فرما دیا ہے کہ ان اللہ لا یقبل من العمل الا ما کان لہ خالصًا و یبتغی بہ وجہہ۔ اللہ وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالصًا اس کے لئے کیا جائے اور جس سے محض اس کی رضا جوئی مقصود ہو۔ زندگی کے اس نصب العین کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی ایک ایسا نصب العین ہے جسے فرد اور قوم دونوں بغیر کسی ادنیٰ مزاحمت کے اپنا سکتے ہیں اس میں انسان کو تنگ نظری و محدودیت سے آگے بڑھا کر انسانیت کے کلی مفاد پر جمع کیا جا سکتا ہے اس میں ایک ایسے نظام حیات کا تصور ملتا ہے جس میں تمام انسانوں کے اغراض و مفادات بلا امتیاز نسل و قوم، رنگ اور وطن یکساں اہمیت رکھتے ہیں یہ نصب العین افراد اور جماعتوں کو ایک ایسے اعلیٰ و ارفع مقصد کی طرف ہمہ تن متوجہ کر دیتا ہے۔ جس سے زیادہ بلند و بالا کوئی مقصد اور مطمح نظر نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ نصب العین انسانیت کو خیر و شر کی ایسی معروضی اقدار Objective Values دیتا ہے جو زمان و مکان کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتیں۔ وہ گورے اور کالے۔ آقا و غلام، امیر و غریب، ظالم و مظلوم سب کے لئے ایک ہی ہیں، اور حسی تمدن کے سیمابی اصولوں کی طرح رفتارِ زمانہ ان میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔ اسی موضوع پر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی، اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر واحد اجتماعی نظام بنانا قرار دیا جائے تو سوائے نظامِ اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آ سکتا کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اُس کی رُو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تاریخی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد عادل ہے کہ قدیم زمانہ میں دین قومی تھا۔ جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندیوں کا، بعد میں نسلی قرار پایا۔ جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی ہے کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے، جس سے بدبخت یورپ میں یہ بحث پوری ہوئی کہ دین پرائیویٹ عقائد کا نام ہے اس واسطے انسان کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف اسٹیٹ ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ "دین" نہ قومی ہے نہ انفرادی اور نہ پرائیویٹ بلکہ خالصتہً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے ایسا "دستور العمل" قوم و نسل کی بنیاد پر بنایا نہیں جا سکتا نہ اس کو پرائیویٹ کہہ سکتے ہیں بلکہ صرف معتقدات پر ہی اس کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے جو ایک امت کی تشکیل اور بقا کے لئے ضروری ہے۔

اس نصب العین میں ایک اور چیز جو دوسروں کے مقابلہ میں سب سے نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ جہاں یہ ایک طرف انسان کو ایک نہایت اعلیٰ و ارفع مقصد دیتا ہے وہاں وہ اس بات کا بھی التزام کرتا ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے ذرائع بھی اتنے ہی پاکیزہ ہوں۔ یہ ان تمام لوگوں کو جو اس کے حصول کے لئے کوشاں ہوں، دجل و فریب، ریاکاری اور مکاری، جوڑ توڑ اور سازشوں، خفیہ تدبیروں اور عیارانہ ہتھکنڈوں سے پاک رکھتا ہے۔

پھر اس نصب العین نے انسانیت کو چند اندتی جھلکیاں دکھا کر ہی قناعت نہیں کی بلکہ اس تک پہنچنے کے سارے راستوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اس نے انسان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بتایا ہے کہ اس کی زندگی میں کبھی سکون اور اطمینان پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ روحانی ترقی نہ کرے۔ مگر یہاں روحانیت کے معنی وہ نہیں جو عموماً اس سے وابستہ کئے جاتے ہیں اسلام روح اور جسم کو ایک دوسرے کی ضد نہیں سمجھتا۔ اس لئے اسلام کا روحانی نظام بھی دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے۔ یہاں خدا کی رضا، ترکِ دنیا، ترک علائق صحرانشینی و رہبانیت، خودکشی اور جسمانی تعذیب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس کارگاہِ حیات میں اپنی قابلیت کا ثبوت دے جسم روح کا قید خانہ نہیں بلکہ اس کا کارخانہ ہے۔ اس لئے اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کارخانے کے آلات اور طاقتوں کو استعمال کرکے اپنی قابلیت کا اظہار کرے مگر اس استعمال میں بھی ایک مومن دوسرے لوگوں سے بالکل جداگانہ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔ وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا پہ جھپٹتا نہیں بلکہ کائنات کے خزانوں اور خود اپنے جسم و اعضا کو خدا کی امانت سمجھتے ہوئے انہیں خالق کائنات کے دئیے ہوئے قوائد و ضوابط کے تحت برتتا ہے اس عالم اور زندگی کے بامقصد ہونے کا خیال اور انسان کے آزادانہ ہونے کا اعتقاد انسان میں اپنی ذمہ داری کا احساس اور زندگی کی حقیقی قدر و قیمت کا شعور پیدا کرتا ہے مگر یہ شعور کچھ اس وجہ سے نہیں کہ وہ عیش و تفریح کے لئے زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ کرے بلکہ آخری زندگی کے لئے راحت کا سامان حاصل کرے۔ اس وجہ سے ایک مسلمان دنیا کو آزمائش گاہ سمجھتے ہوئے اس میں داخل ہوتا ہے اور اس کا ہر قدم سوچ سمجھ کر پڑتا ہے۔ اس کے نزدیک وہ جدوجہد بالکل بیہودہ ہے جو خالص مادی نقطۂ نظر سے کی جائے وہ اشیاء و اعمال کو وزن کرنے کے لئے اپنی ایک الگ میزان رکھتا ہے۔ اور وہ دینی نفع اور اُخروی اجر ہے۔

دنیا کی عیش و لذت میں انہماک نہ ہونے کی وجہ سے اُس کے مادی لذائذ و فوائد کو سمیٹنے کا جذبۂ مسابقت ان میں پیدا نہیں ہوتا یہ لوگ پادشاہی میں بھی ایسی زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں جس کی مثال تارک الدنیا راہب اور صحرانشین زاہد بھی نہیں دے سکتے۔
یہ تو ہیں اس نصب العین کو اپنانے کے روحانی ثمرات۔ آئیے اب دیکھیں کہ یہ مقصد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کو کس قسم کا سیاسی اور معاشی نظام دیتا ہے۔

اس کے سیاسی نظام کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ توحید، رسالت اور خلافت، توحید کے معنی یہ ہیں کہ خدا اس دنیا کا اور اس کے سب رہنے والوں کا نہ صرف خالق اور مالک ہے بلکہ حکومت و فرمانروائی بھی اسی کی ہے۔ سیاسی اصطلاح میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ صرف ایک طبعی اقتدار (Physical Authority) ہی کا مالک نہیں بلکہ وہی سیاسی اقتدار (Political Authority) اور آئینی اقتدار (Legal Authority) کا بھی مالک ہے۔ اس وجہ سے اپنی ہستی کا مقصد اور اپنی قوتوں کا مصرف ہے اور اپنے اختیارات کی حدود متعین کرنا نہ تو ہمارا اپنا کام ہے نہ کسی دوسرے کو اس معاملہ میں دخل دینے کا حق ہے۔ یہ صرف اس خدا کا کام ہے جس نے ہم کو ان قوتوں اور اختیارات کے ساتھ پیدا کیا۔ توحید کا اصول انسانی حاکمیت کی، جو درحقیقت فساد کا اصل منبع ہے، سرے سے نفی کرتا ہے خواہ یہ حاکمیت ایک انسان کی ہو یا ایک خاندان کی، ایک طبقہ کی، ایک گروہ کی، یا ایک پوری قوم کی، مجموعی طور پر دنیا کے سب انسان بھی مل کر یہ حق نہیں رکھتے کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے قوانین میں اپنی منشا کے مطابق کسی قسم کا ردو بدل کر سکیں۔

خدا کا قانون جس ذریعہ سے بندوں تک پہنچتا ہے اس کا نام "رسالت" ہے اس ذریعہ سے ہمیں دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں ایک منشاء الہٰی جو "الکتاب" کی شکل میں ہمیں رسول کی وساطت سے ملتا ہے، دوسرے ان احکام ربانی کی وہ عملی تشریح جو رسول کرتا ہے اور جو خالق کائنات کے نزدیک سب سے زیادہ مستند ہے انہی دو چیزوں کے مجموعے کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے۔

خلافت سے مراد یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنے مالک کے اس منشاء کو پورا کرے جو خدا کے نائب ہونے کی حیثیت سے اس پر لازم ٹھہرایا گیا ہے چونکہ یہ نیابت کسی مخصوص فرد، گروہ یا قوم کو نہیں سونپی گئی بلکہ اس کا حق ہر وہ شخص رکھتا ہے جو توحید رسالت اور آخرت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر کے نیابت کی شرطیں پوری کرنے پر آمادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو اس لئے ایسی سوسائٹی بحیثیت مجموعی خلافت کی حامل ہوتی ہے یہ چیز اسلامی خلافت کو قیصریت، پاپائیت اور مغربی تصور والی مذہبی ریاست (THEOCRACY) کے برعکس جمہوری رنگ دے دیتی ہے اس فرق کے ساتھ کہ اہلِ مغرب جس چیز کو جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں اس میں عوام کے لئے حقِ حاکمیت تسلیم کیا جاتا ہے اور اسلام جسے شورائی نظام کہتا ہے اس میں جمہور صرف خلافت کے حامل ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست مغربی اسٹیٹ کی طرح مطلق العنان اور مختارِ کُل نہیں ہوتی۔

اس ریاست کا مقصد اسلام نے یہ متعین کیا ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو قائم کرے، فروغ دے اور پروان چڑھائے جن سے خداوندِ عالم زندگی کو آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں اور اُن برائیوں کا استیصال کرے جن کا وجود انسانی زندگی میں خالقِ کائنات کو ناپسند ہے "اسلام میں ریاست کا مقصد نہ محض انتظامِ ملکی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی خاص قوم کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرے۔ اس کے بجائے اسلام اس کے سامنے ایک بلند نصب العین رکھ دیتا ہے جس کے حصول میں اس کو اپنے تمام وسائل و ذرائع اور اپنی تمام طاقتیں صرف کرنی چاہئیں اور وہ یہ ہے کہ خدا اپنی زمین میں اور اپنے بندوں کی زندگی میں جو حسن، جو خیر و صلاح جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے وہ رونما ہو، اور بگاڑ کی ان تمام صورتوں کا سدِ باب ہو جو خدا کے نزدیک اس کی زمین کو اجاڑنے والی اور اس کے بندوں کی زندگی خراب کرنے والی ہیں"

"اسلام کا مستقل تقاضا یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کی جائے۔ اس لئے وہ اپنی ریاست کے لئے بھی یہ قطعی پالیسی متعین کر دیتا ہے کہ اس کی سیاست بے لاگ انصاف، بے لوث سچائی اور کھری ایمانداری پر قائم ہو، وہ ملکی یا انتظامی یا قومی مصلحتوں کی خاطر جھوٹ، فریب اور بے انصافی کو کسی حال میں بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے"[1] اس لحاظ سے یہ ریاست اس "ظالم فسادی باطل پرست"

---

[1]: "اسلام کا نظامِ حیات" از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔ ط ۔ ص۱۷

www.KitaboSunnat.com

کے نظریۂ ریاست سے بالکل مختلف ہے جس نے ابن الوقتی، حیلہ سازی اور دجل و فریب کو عین سیاست بتایا اور جس پر ہر کامیاب سیاست دان کے لئے عمل کرنا آجکل ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اسلام نوعِ انسانیت کو ایک بالکل نئی معاشی تنظیم دیتا ہے وہ تنظیم جس میں نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کے مفاسد ہیں اور نہ اشتراکیت ہی کی مردم آزاریاں۔

اِس معاملہ میں بھی دینِ حق انسان کے سامنے یہی حقیقت واضح کرتا ہے کہ تمام دنیاوی اعمال، خواہ اُن کا تعلق زندگی کے کسی شعبہ سے ہو، اخلاقی نوعیت رکھتے ہیں۔ انسانی عمل کی کوئی شق بھی اخلاقی اور روحانی عنصر سے خالی نہیں ہوسکتی چنانچہ معاشی مسائل کو بھی حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ انہیں اخلاقی اعمال سے علیحدہ تصور نہ کیا جائے۔ جدید سرمایہ داری اور اشتراکیت آج دنیا کے لئے وبال اسی وجہ سے بنے ہوئے ہیں کہ ان میں اخلاقی و روحانی عنصر مفقود ہے۔ وہ انسان کو محض ایک حیوان مان کر اس کے متعلق سوچتے ہیں۔

اسلام اس کے برعکس افرادِ انسانی کو فطرۃُ اللہ پر مخلوق قرار دیتا ہے اور ان کے ذہنی اور بدنی قویٰ کے متعلق یہ تصور رکھتا ہے کہ وہ اگرچہ بھلائی اور برائی کے دوگونہ رجحانات کے زیرِ اثر آسکتے ہیں لیکن وہ فی الجملہ انسان کو خیر کی طرف زیادہ آسانی سے مائل ہوسکنے والا تسلیم کرتا ہے۔ بہر حال آدمی کی فطرت کے متعلق اس کی رائے بہت ہی امید افزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے تمدن کے نظام کو فساد سے پاک کرنے کے لئے قانونی نظام سے زیادہ اخلاقی نظام کو اہمیت دی ہے اور وہ اِس امر کی کوشش کرتا ہے کہ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو کسی خارجی دباؤ کے بغیر حق و عدل پر قائم رہیں اس لئے وہ اپنے نظامِ معیشت کی عمارت اس مفروضہ پر کھڑی نہیں کرتا کہ انسان بنیادی طور پر ناقابلِ اعتماد ہے بلکہ اس وجہ کے برعکس وہ اِس عقیدہ کے ساتھ اپنا اجتماعی پروگرام شروع کرتا ہے کہ انسان بحیثیتِ انسان نیک اور بھلا ہے، وہ اگر اِس راستہ سے ہٹتا ہے تو محض ماحول کے دباؤ کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ اس لئے اگر اسے ایک ایسا ماحول میسر آجائے جس میں نیکیوں کو فروغ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہو، اور برائیوں کو دبایا جائے تو لازمی طور پر وہ عدل و خیر کے راستے پر چلے گا اور جو قلیل لوگ بے راہ روی کرنا بھی چاہیں گے اِن میں سے بعض تو صالح معاشرہ کی رائے عامہ کے دباؤ سے راست روی اختیار کرلیں گے اور بہت ہی قلیل تعداد ایسی ہوگی جن کو ٹھیک کرنے کے لئے انتظامیہ کو حرکت میں آنا پڑے گا۔

اِس لئے اسلام افراد سے حقوقِ ملکیت سلب کرنے میں فلاح کی راہ نہیں ڈھونڈتا بلکہ وہ ان کی حفاظت اور پاسبانی کرتا ہے مگر سرمایہ داری نظام کی طرح وہ انہیں بے لگام بھی نہیں چھوڑتا۔ وہ ان پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن سے یہ مضر ہونے کے بجائے ہیئت اجتماعی کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ افراد کو دولت پیدا کرنے کی اس کے استعمال کی، کوئی پیشہ انتخاب کرنے کی، روپیہ لگانے کی، نفع کمانے کی آزادی ضرور دیتا ہے مگر ایسی اندھی آزادی نہیں دیتا جو سوسائٹی اور انسانیت کے مجموعی مفاد کے لئے مہلک ہو۔ وہ اس آزادی کو اخلاقی حصار سے محدود کرتا ہے۔ وہ کمانے اور خرچ کرنے کے طور طریقوں میں سے چن چن کر ان تمام چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے جن سے معاشرہ میں مختلف اخلاقی مفاسد ابھرتے ہیں، دوسروں کی حق تلفیاں ہوتی ہیں اور سوسائٹی کا مفاد تباہ ہوتا ہے۔

اس طرح وہ فرد کو کمل مسابقت کا موقع دیتا ہے۔ کیونکہ دوسرے اعمال کی طرح اِس عمل سے بھی خودی کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے استحکام میں مدد ملتی ہے۔ مگر وہ اِس جدوجہد میں بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ عمل جائز حدود سے تجاوز کرے۔ وہ جلوت و انجمن میں بلاشبہ فرد کا ذوق یکتائی محفوظ رکھتا ہے تاکہ وہ سب کے ساتھ رہنے کے باوجود اپنی خودی کا الگ تحقق و اثبات کرسکے اس وجہ سے وہ اسبابِ معاش میں فرقِ مراتب[1] کو بطورِ اصول تسلیم کرتا ہے مگر اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ کہیں اِس کے باعث کسی خاص گروہ کو دوسرے گروہ پر دائمی تفوق و اقتدار

---

[1] وَاللہ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ : النحل : ۷۱

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل نہ ہو جائے۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے افراد کے اخلاق کی تعمیر اس طریق سے کرتا ہے کہ ان کے اندر انتہائی ایثار، بے نفسی، خدا خوفی اور نوع انسانیت کیلئے محبت ہو تاکہ وہ اپنے گرنے والے ساتھیوں کو بڑھ کر سہارے دیں، اور دوسری طرف ریاست کا ایک مرکزی ادارہ خاص اس مقصد کے لئے کام کرے کہ وہ ہر دبے ہوئے کو اٹھائے، ہر گرے ہوئے کو سنبھالے اور ہر بے سہارا فرد کو اس بات کی ضمانت دے کہ اس کی بنیادی ضروریات اسے ہر حال میں میسر ہوں گی۔ ان انتظامات کے بعد سوسائٹی کا کوئی طبقہ یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ کمزوروں کی بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے لئے سامان عیش مہیا کرے

اس کے بعد معاشرت کے دائرہ میں اسلام سب سے پہلے رنگ و نسل، وطن اور ذات کے سارے مصنوعی امتیازات کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک حسب نسب، مال و دولت اور شکل و صورت میں سے کوئی چیز بھی وجۂ امتیاز قرار نہیں دی جا سکتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حرم کعبہ میں کھڑے ہوکر قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمہا بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب (ابن ہشام)	اے گروہ قریش خدا نے تمہارا غرور جاہلیت اور فخر حسب و نسب مٹا دیا ہے۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

حجۃ الوداع کے مجمع میں پھر اسی اعلان کو ان الفاظ دہرایا:

لیس لعربی فضل علی العجمی و لا لعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء آدم وآدم من تراب (مسند احمد)	کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے

اس کے ساتھ ہی نوع انسانی کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ اسلام کی نظر میں فرد اور فرد کے درمیان اگر کوئی فرق ہے تو وہ محض نیکی اور پرہیزگاری کا ہے اور صرف اسی بنا پر انسانیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان اللہ اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی وفاجر شقی الناس کلھم بنو آدم وآدم خلق من تراب (ترمذی وابوداؤد)

خدا نے زمانۂ جاہلیت کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا ہے انسان اب یا متقی ایمان دار ہے یا بدبخت گنہگار۔ تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔

قرآنِ حکیم نے خاندان یا قبیلہ کے وجود کی غایت یہ بتائی ہے کہ تفاخر کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک دوسرے کو جاننے اور پہچاننے کا ذریعہ ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

(الحجرات: ۱۳)

اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان خاندان اس لئے بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو حقیقت یہ ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

یہ فرمان انسانی آزادی اور مساوات کا سب سے بڑا چارٹر ہے۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اسلام کی نظر میں حسب نسب کا کوئی امتیاز نہیں، پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا بھی کوئی فرق نہیں۔ خدا کے ہاں سب برابر ہیں یہاں نہ کوئی حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے نہ محکوم بننے کے لئے علم پہ ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں، یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے اس تعلیم کی رُو سے اسلام ایک ایسے معاشرے کو معرضِ وجود میں لاتا ہے جو نسل و رنگ، اور زبان کی حد بندیوں اور جغرافیائی سرحدوں کو توڑ کر روئے زمین کے تمام خطوں میں پھیل جائے اور اس کی بنیاد پر انسانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم ہو۔

اس کے علاوہ وہ اس امر کی بھی پوری کوشش کرتا ہے کہ خاندان جو انسان کی حیاتِ اجتماعی کی اصل اساس ہے ہر طرح سے محفوظ رہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرد و عورت کے درمیان مناکحت کے جائز راستے کو پوری طرح کھول دیتا ہے اور زنا کا جو حقیقت میں خاندانی زندگی کے لئے سب سے خطرناک ڈائنامائٹ ہے کلیتہً خاتمہ کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس نے نظر بازی، برتھ کنٹرول، عشرت پسندی بے حیائی اور شراب وغیرہ جو زنا کے محرکات ہیں، سب کے کلی استیصال کا انتظام کیا ہے اس نے اپنی پوری توجہ اس طرف مبذول کی ہے کہ وہ ان سب چیزوں کا قلع قمع کر دے جو ان جرائم کی کسی طریق سے بھی مؤید اور معاون ثابت ہوں۔

اسلام انسانیت کی فلاح کا ایک بین الاقوامی اور ہمہ گیر پروگرام پیش کرتا ہے اس کے ماننے والے خدا پرست اور صحیح معنوں میں انسانیت کے خیر خواہ اور خادم ہوتے ہیں وہ دنیا کو شکار گاہ سمجھ کر مکر و فریب کے جال سے کمزوروں کو اپنا لقمہ نہیں بناتے وہ استعماری جذبات سے معمور ہو کر بین الاقوامی لوٹ کھسوٹ کے لئے بھی جد و جہد نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیشہ اس بات کے آرزومند رہتے ہیں کہ اپنے پاکیزہ اصولوں کو نہایت ہی شرافت اور عدل کے ساتھ دنیا کی مختلف قوموں میں پھیلائیں۔ وہ انسان کو ظلم کی ہر شکل سے نجات دلانے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں ان کی سعی کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں خدا پرستی، صداقت راستی، انصاف، شرافت و اخلاق اور امانت کا دور دورہ ہو اور خدا ناشناسی، مکر و فریب ظلم، بد اخلاقی و بے حیائی اور خیانت و دست درازی اپنی ہر شکل و صورت میں دنیا سے ناپید ہو اور انسان امن اور چین کی زندگی بسر کرے۔

اسلام میں دوسری تحریکات کے مقابلہ میں ایک سب سے نمایاں اور امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی تعلیمات کی بنیاد پر ایک ہیئت اجتماعی کی تشکیل کر کے انسان کو اس کے عملی پہلو سے بھی پوری طرح آشنا کر دیا ہے۔ دنیا میں جمہوریت کے نام لیوا تو بہت ہیں مگر ان میں سے کوئی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ فلاں ملک اور فلاں قوم میں جمہوریت مثالی شکل میں جلوہ گر ہے۔ اشتراکیت کے علمبردار بھی ایک موہوم خواب کی امید پر لوگوں کو جینے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مگر یہ خصوصیت صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس نے اپنے نصب العین کو عملی شکل میں ڈھال کر دنیا کو دکھا دیا کہ یہ حقیقت نظر"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب لباسِ مجاز میں ظاہر ہوتی ہے تو یہ صورت اختیار کرتی ہے۔ اس دورِ سعید کی آجتک نہ صرف یاد تازہ ہے بلکہ اس کے پورے خدوخال ہر مسلمان کے ذہن میں محفوظ ہیں۔

پھر اس دور کے بعد یہ تحریک ناپید نہیں ہوتی بلکہ کسی نہ کسی صورت میں زندہ رہی ہے اس نے اُمّت کے اندر بڑے بڑے آئمہ و صلحا پیدا کئے جنہوں نے اپنے طرز پر اس کو زندہ رکھنے کی کوشش کی وہ شخص جو آج اس کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ یہ اسلامی نظام "قصۂ پارینہ" ہے۔ تاریخ سے بالکل ناواقف ہے۔ اسلامی نظام کے قیام کی آرزو ہر دور میں کسی نہ کسی صورت میں زندہ رہی ہے جس نے مسلمانوں کو خالص دینی مقصد کے حصول کے لئے سرگرم عمل رکھا ہے چنانچہ اسلامی نظام کا "آج" سے اتنا ہی گہرا تعلق ہے جتنا "کل" سے تھا۔ جب ایک نظامِ حیات انسان سے بحیثیتِ انسان بحث کرتا ہے اور اس کے خارجی ماحول کو صرف ثانوی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ تو وہ انسانوں کے اندر سے نہ صرف رنگ و نسل، اور وطن و قوم کے امتیازات کو مٹاتا ہے بلکہ ازل و ابد کی طنابیں کھینچ کر امروز و فردا کے حجابات کو بھی دور کر دیتا ہے۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ جدید و قدیم

اس مرحلہ پہ یہ سوال پیدا ہونا بالکل ایک فطری امر ہے۔ کہ اگر اسلام دینِ حق ہے اور اس کا نظامِ تمدن دنیا کے تمام نظاموں پر فائق ہے اور یہی انسانیت کے سارے دکھوں کا علاج ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ یہ کہیں بھی ایک حکمران اور کارفرما طاقت کی حیثیت سے انسانی اجتماعیات کی تاسیس و تعمیر کا کام انجام دیتا ہوا نظر نہیں آتا۔ عملی نقطہ نظر سے جب ہم اس سوال پہ غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ محض کسی اصول و نظریہ کا برحق ہونا یا کسی نظامِ زندگی کا مفید و صالح ہونا اس کی کامیابی کا سبب نہیں بن سکتا جب تک اس کے پیرو اور علمبردار اس انفرادی سیرت اور اجتماعی طاقت کا مظاہرہ نہ کریں جو مخالف نظریات و نظامات کا مقابلہ کرنے اور انہیں زیر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

صفحۂ قرطاس پہ محفوظ اصول، خواہ کتنے ہی بہتر اور مفید ہوں ایک تھوڑی سی تعداد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو تو مطمئن کر سکتے ہیں مگر دنیا کی بیشتر آبادی کے لئے وہ اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتے ہیں جب تک ان کو دنیا میں بالفعل نافذ نہ کر دیا جائے تاریخ کا یہ ایک دردناک المیہ ہے کہ اسلام حق ہونے کے باوجود آج کمزور ہے کیونکہ اس کو اپنے اعمال کی تصویر میں اتارنے والے لوگ اِس معاملہ میں یکسو نہیں مغربی تہذیب یقیناً جھوٹ ہے مگر وہ غالب اس لئے ہے کہ اُس کو حقیقت کا جامہ پہنانے والے بیشمار افراد ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ دنیا نے اور سارے نظامات کی آزمائش کر لی ہے اور وہ اُن کے تلخ نتائج سے روشناس ہو چکی ہے اس لئے اب اُسے مجبوراً اسلام کی طرف آنا پڑے گا تو وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ انسانی تاریخ میں جبر کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا۔ اسلام کے سربلند ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنی جملہ خود مختاریوں سے پوری طرح دست بردار ہو کر خداوند تعالیٰ کے وفادار اور مطیع بندے بن جائیں اور پوری قوت کے ساتھ اسے دنیا میں بالفعل قائم کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور اگر باطل اپنی فطرت کے لحاظ سے اتنا ہٹ دھرم واقع ہو کہ اس خالص انسانی اور بے لوث کام میں خواہ مخواہ رکاوٹ بنے تو محض انسانیت کی خاطر اور ظلم و فساد کو مٹانے کے لئے اس سے نبرد آزما ہوں اور اس طرح دینی بنیادوں پہ نظام اجتماعی کو قائم کریں جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء نے عرب میں کیا تھا۔

یہ کام دنیا کا سب سے بڑا اور اہم کام ہے اور یہی مسلمان کے وجود کا بنیادی مقصد ہے لہٰذا اس کام کو سرانجام دینے کی ذمہ داری انہیں پہ عائد ہوتی ہے جو اسلام کو ماننے کے مدعی ہیں۔ زندگی کے جتنے نقشے دوسروں کے پاس تھے وہ ان کو آزما چکے ہیں، اور ناکام ہو چکے ہیں اب صرف اسلام کا نقشہ باقی ہے جو ماضی میں آزمایا گیا اور پورے طور پہ کامیاب ثابت ہوا اس لئے آج بھی اسی کو آزمانے کی بھرپور کوشش کی جانی چاہیئے۔ انسانیت کا تعمیر یاں جو آج اپنوں اور بیگانوں کی تخریب کاریوں کا بُری طرح شکار ہے زبانِ حال سے کہہ رہا ہے صرف کہہ ہی نہیں رہا بلکہ ہر روز مطالبہ کر رہا ہے۔

؎ معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز
خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب یازدہم

پاکستان اور اسلامی سوشلزم

اِس حقیقت سے اپنے ہی نہیں بلکہ بیگانے اور دشمن بھی واقف ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ زندگی کے سارے گوشوں پر پوری طرح محیط ہے۔ حیاتِ انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں انسانیت کو اِس سے مکمل ہدایت اور راہنمائی حاصل نہ ہوتی ہو۔

پاکستان سے پُرخاش: اسلامی نظام کی اس ہمہ گیری نے اسے ایک الگ نظامِ تہذیب و تمدن کی صورت دی ہے جسے دنیا کی دوسری قومیں ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ غیر مسلم طاقتوں[1] کی پاکستان سے پرخاش کی اصل وجہ صرف ایک ہی ہے کہ یہ ملک احیائے اسلام کے جذبے کے تحت معرضِ وجود میں آیا اور اِس نے قومیت کے لئے ایک ایسی اساس فراہم کی جس سے اہلِ مغرب کو شدید نفرت ہے۔ رنگ، نسل، زبان، جغرافیائی حد بندی، یعنی قومیت کے وہ عناصرِ ترکیبی جن سے اہلِ مغرب آشنا ہیں ان میں سے کوئی عنصر بھی خطۂ پاک کی تشکیل و تاسیس میں کارفرما نہیں رہا ہے، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ اِن میں سے کسی ایک کا وجود ہی سرے سے یہاں نہ تھا کہ وہ اس نئی قومیت

---

[1] اِن طاقتوں کے دائرے سے وہ قومیں الگ نہیں ہیں، جنہوں نے مغرب ہی کے فلسفۂ انکارِ خدا اور نظریۂ مادہ پرستی کے ساتھ بحیثیتِ مجموعی مغربی تہذیب کو اپنایا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اِس مادہ پرستانہ تہذیب کی رد و بدل کے لئے سیاسی و اقتصادی نظام کا ایک نیا ڈھانچہ فراہم کر دیا جو پہلے ڈھانچوں سے بھی بدتر ہے یہ تمام طاقتیں اسی طرح صیہونی، برہمنی، اشتراکی مسلم دشمن ہیں جیسی مغربی قومیں اور ان کا سرمایہ دارانہ سامراج ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اساس بنتا۔ اسلام ہی پاکستانی قومیت کی اساس ہے۔ اب اگر یہ ملک اپنے مزاج کے مطابق فطری طور پر ترقی کرتا ہے تو یہ اہل مغرب کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ مغربی تہذیب کے علمبردار قومیت کے بارے میں دوسرے مسلم ممالک کے نکتہ نظر کے زاویے تو کافی حد تک تبدیل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ انہوں نے زبردست پروپیگنڈے کے زور سے ان کے اندر قومیت کے غیر اسلامی عنصر کو ابھارا ہے اور انہیں کسی نہ کسی طرح یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ ان کی قومیت کی اساس ایک کلمہ کا اشتراک نہیں بلکہ زبان یا وطن یا نسل کا اشتراک ہے۔ آج ہم یہ ان لوگوں کے پراپیگنڈے ہی کا اثر دیکھ رہے ہیں کہ پوری عرب دنیا کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے۔ پہلے لسانی امتیاز کو بنیاد بنا کر عرب ممالک کو باقی دنیائے اسلام سے منقطع کیا گیا۔ پھر خود ان ممالک کے اندر جغرافیائی حد بندیوں کا شعور پیدا کر کے اور نظریاتی کشمکش برپا کر کے مزید انتشار پیدا کر دیا گیا۔

پاکستان میں اسلام کو کمزور کرنے کی تدبیریں: پاکستان میں چونکہ اسلام کے سوا قومیت کی کوئی دوسری بنیاد فراہم نہیں ہو رہی ہے اس لئے یہاں صوبائی تعصبات، زبان کے تعصبات اور طبقاتی منافرت پھیلا کر اسلام کو کمزور کرنے کی مذموم کوششیں کی جا رہی ہیں جن کے نتائج اب کھل کر ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ اسلام سے ہٹ کر جو طبقے یہاں سرگرم عمل ہیں ان کا تعلق خواہ کسی بازو سے ہو، مگر وہ سب اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے اسلام کو شکست دینے کے لئے پوری طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ انگریز چونکہ اول روز ہی سے اس بات کا آرزو مند تھا کہ دنیا کے کسی خطے میں اسلام ایک انقلاب انگیز قوت بن کر ابھرنے نہ پائے اس لئے اس نے جانے سے پہلے اس بات کا پورا پورا التزام کیا کہ یہاں ایک ایسا طبقہ پیدا کر دے جسے اسلام سے ضد اور چڑ ہو اور جو مشن کے طور پر دین حق کے خلاف جدوجہد کرے۔ وہ اس طبقے کی برسہا برس تک تربیت کرتا رہا اور اسے مختلف عہدوں پر فائز کر کے اس بات کا اندازہ لگاتا رہا کہ یہ طبقہ اس کے ناپاک عزائم کی کس طرح تکمیل کر سکتا ہے۔ اسے جب اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ اگر وہ اب اپنا براہ راست تسلط ختم بھی کر دے تو اس کا یہ تربیت یافتہ گروہ دین حق کے راستے میں پوری طرح مزاحم ہو گا، تو وہ یہاں سے رخت سفر باندھتے وقت ملک کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری قوت اِس مدد و طبقے کے ہاتھ میں دے کر رخصت ہوا اور پھر اپنے ملک میں جانے بعد اِس بات کا التزام کیا کہ جہاں تک بھی ہو سکے پوری مغربی دنیا کو اس طبقے کی تائید بہم پہنچائی جائے۔

چو طرفہ حملے: اس طبقے نے اس ملک کو تباہ کرنے کے لئے چاروں اطراف سے حملہ کیا ایک طرف تو اس نے اس امر کی پوری کوشش کی کہ ملک میں جمہوری نظریات و اقدار ترقی نہ کرنے پائیں، کیونکہ ان کے ترقی پانے سے اقلیت اکثریت پر اس کی مرضی کے علی الرغم مسلط نہیں رہ سکتی۔ یہاں تخلیقی اقلیت (کا فلسفہ گھڑا گیا اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جانے لگی کہ اس ملک کے عوام میں ابھی اس قدر سیاسی شعور موجود نہیں ہے کہ وہ اپنے لیئے اپنے حکمراں منتخب کر سکیں اس لیے "عوام کالانعام" کو ترقی کے راستے پر گامزن رکھنے کے لئے صحیح صورت یہی ہے کہ ایک مختصر سی اقلیت کے ہاتھ میں ان کی نکیل تھما دی جائے اور اسے یہ آزادی دی جائے کہ وہ انہیں جس طرف چاہے لے جائے۔ اِس فلسفے کی تکمیل کے لئے ملک کی قوت عوامی نمائندوں کے ہاتھ میں منتقل ہونے کے بجائے انتظامیہ کے ہاتھ میں منتقل ہو کر رہ گئی۔ پہلے تو ملک کی انتظامیہ عوامی نمائندوں میں سے اپنے ڈھب کے آدمی چن کر انہیں تختِ اقتدار پر بٹھاتی رہی، مگر آہستہ آہستہ جب اسے اپنی قوت کا پوری طرح احساس ہو گیا، بلکہ اسے اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ امورِ مملکت میں وہ ایک فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہے تو اس نے آمرانہ ہتھکنڈوں اور سازشوں کے ذریعہ ملک پر براہ راست تسلط قائم کر لیا۔

شبہات اور الزامات: عوامی تائید سے محروم اقلیت کو تختِ اقتدار پر متمکن رہنے کے لئے جن دو چیزوں کی اشد ضرورت تھی ان میں سے ایک یہ تھی کہ ملک کا اجتماعی ضمیر کسی طرح بھی بیدار نہ ہونے پائے۔ عوام کے دل کی پکار کسی طرح کسی تحریک کی صورت اختیار نہ کر سکے۔ چنانچہ جو نظریہ عوام کے اجتماعی ضمیر میں موجود تھا اور اجتماعی زندگی کی تشکیل و تعمیر میں لازمی طور پر بنیاد بننے والا تھا اس کے بارے میں مختلف قسم کے شکوک و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شبہات پیدا کئے جانے لگے اور اس کے عملی نفاذ کی راہ میں لاتعداد رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ اس مقصد کے لئے کرائے کے لکھنے والے فراہم کئے گئے متعدد ادارے قائم کر دیئے گئے، ہر گمراہ کن تحریک کی حوصلہ افزائی کی گئی، اور رفتہ رفتہ نشر واشاعت کے ذرائع پر ایک ایسے گروہ کو قابض کر دیا گیا جس نے اسلام اور دین پسند تحریکات کے خلاف پوری طرح زہر اُگلا اور ہر اس فرد یا گروہ پر بڑے ناپاک حملے کرکے اُسے ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی جس کے متعلق اس بات کا گمان ہو سکتا تھا کہ وہ اسلامی محاذ پر کسی طرح بھی قوت بن کر کھڑا ہو سکتا ہے۔

شخصیت پرستی کا پرچار: جس تیسرے کام کو اہمیت دی گئی وہ یہ تھا کہ اس ملک میں شخصیت پرستی کے مسلک (Personality Cult) کا باقاعدہ پرچار شروع کیا گیا اور اس غرض کے لئے ایسی شخصیتیں ابھاری جانے لگیں جو فی الحقیقت کبھی اپنے علمی مرتبے، یا کسی بلند اخلاقی معیار، یا قوم اور ملک کی سچی خیر خواہی، یا دین کے ساتھ گہری وابستگی اور اس کی مخلصانہ خدمت کی وجہ سے عوام کے دلوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھی گئیں، بلکہ جو تختِ اقتدار پر کسی نہ کسی طرح سے براجمان ہو گئیں ان "تخت نشینوں" کی شان میں عجیب و غریب قسم کے قصیدے پڑھے جانے لگے اور ان کی شخصیت کو اس طرح اچھالا گیا کہ لوگوں کے دل و دماغ میں یہ تاثر قائم ہو جائے کہ ان کے ملک میں اگر ذہین، ملک کی حقیقی خیر خواہ، ایثار کی پیکر اور اعلیٰ انسانی صفات کی مظہر کوئی ذات ہے تو وہ صرف وہ ہے جو تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہے، اور اگر ان صفات کے ہلکے عکس کہیں اور نظر آتے ہیں تو بس ان حضرات میں آتے ہیں جو اس ذات کے سایۂ عاطفت میں پل رہے ہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو اس ذاتِ والاصفات سے ذرا مختلف انداز میں سوچتے ہیں تو وہ سب ملک و قوم کے بدخواہ ہیں۔

اسلامی سوشلزم: چوتھا اور سب سے خطرناک حربہ اسلام کی اشتراکی تعبیر اور اس میں الحادی پیوند کاری ہے۔ اسلام ہر لحاظ سے مکمل اور اکمل ہونے کی وجہ سے کسی آمیزش کو گوارا نہیں کرتا جو اس کے مزاج سے تھوڑی سی مغائرت بھی رکھتی ہو۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی یہ "غیر مصالحانہ فطرت" اِس کی ہمہ گیری کا فطری نتیجہ ہے۔ دنیا کا کوئی نظام اپنی تعلیمات کے اعتبار سے جتنا ہمہ گیر ہوگا۔ اتنا ہی وہ وحدتِ فکر اور وحدتِ احساس کے معاملے میں غیر معمولی حد تک محتاط ہوگا اور اپنے اندر ان عناصر کو کبھی برداشت نہیں کریگا جو اس کے مزاج سے بنیادی طور پر مطابقت نہ رکھتے ہوں۔

جب تک اُمتِ مسلمہ کو اسلام کے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے پر یقین رہا اس وقت تک اس نے اس کے اندر کسی دوسرے مذہب یا نظام کے اجزا کو شامل کرنا گوارا نہ کیا، بلکہ اس امر کی پوری کوشش کی کہ اس میں باطل کے جو اجزا کسی طرح خلط ملط ہوگئے ہیں انہیں پوری محنت اور دیدہ دری سے چُن چُن کر الگ کر دیا جائے تاکہ خالص اسلام ہر شعبۂ حیات میں انسانیت کو صحیح صحیح رہنمائی دے سکے۔

مگر اب جبکہ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد کو اسلام کی ہمہ گیری پر یقین کامل نہیں رہا ہے اور اُمت کے مغرب زدہ طبقے مغربی افکار و نظریات اور مغربی تہذیب و تمدن سے نہ صرف مرعوب بلکہ پوری طرح مغلوب ہو چکے ہیں تو اس وقت مسلم قوم کے بعض اطباء اسلامی اور غیر اسلامی اجزاء کو ملا کر ایسے مرکب تیار کر رہے ہیں جو ملّت کو صحت مند بنانے کے بجائے اسے جلد ہی مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔ اِسی قسم کے بے شمار مرکبات میں ایک مشہور مرکب "اسلامی سوشلزم" ہے۔

اسلامی سوشلزم، اسلام سے فرار کی راہ: اس مرکب کے متضاد عناصر کا تجزیہ کرنے سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے ان مصالح کا جائزہ لیں جن کی وجہ سے اس مرکب کے تیار کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔

غیب کا علم تو خدا کو ہے۔ لیکن ہمارے اس ملک کا ایک طبقہ اسلام کے ساتھ جو سلوک کر رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ اگر اس کے انفرادی تقاضوں سے نہیں تو کم از کم اس کے اجتماعی تقاضوں سے ضرور گلو خلاصی حاصل کرنے کا آرزومند ہے۔ وہ اس مقصد کا علانیہ پرچار کرتا، لیکن چونکہ قوم ابھی اس بات پر آمادہ نظر نہیں آتی، اور اس بنا پر اس کے اندر قیادت اور سیادت قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لئے اسلام کی محبت کا دم بھرنا ناگزیر ہے۔ اس لئے محتاط راہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ کافرانہ افکار و نظریات اور ملحدانہ تصورات کے ساتھ اسلام کو چپکائے رکھا جائے۔ اسلامی سوشلزم کوئی متعین اسلوب حیات نہیں بلکہ اسلام سے فرار اور سوشلزم سے نئی وابستگی کی واضح دلیل ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اسلام کے کئی گوشے تشنۂ تکمیل ہیں جن کی تکمیل کے لئے سوشلزم کو اپنانا ضروری ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں اتباع اور پیروی تو سوشلزم کی ہے، اور یہی مقصدِ حیات ہے، لیکن اس میں خاص طور پر وہ پہلو اپنانے کے قابل ہیں جن کی کسی طرح اسلام میں گنجائش نکالی جا سکتی ہے۔

آپ جب کسی مکمل چیز کے ساتھ کسی دوسری شے کا پیوند لگاتے ہیں تو اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کے نزدیک ناقص ہے اس وجہ سے باہر سے مانگ تانگ کر اسے مکمل کرنے کی فکر دامن گیر ہے۔

ہر نقشِ کہن، باطل؟: یہ وجہ بڑی اہم ہے اور ذہنی مرعوبیت اسی قسم کا غلامانہ طرزِ فکر پیدا کرتی ہے لیکن ہمارے نزدیک اس مرکب کے تیار کرنے کی بڑی وجہ دورِ جدید میں سوشلزم کی انقلاب آفرینی ہے۔ مغرب کا نظریۂ "انفرادیت پسندی" (Individualism) جو آج سے دو سو سال پیشتر بڑا انقلاب انگیز تھا، اور جس کے نتیجے میں جمہوریت اور سرمایہ داری پروان چڑھیں، اب اپنی قوت و طاقت قریب قریب کھو بیٹھا ہے اور اس بناء پر اس میں قوت و طاقت باقی نہیں رہی جو کسی قوم کے اندر حرکت اور حرارت پیدا کر سکے۔ اس نظریہ نے بلاشبہ اپنے عہدِ آغاز میں اسلامی نظامِ حیات کے ساتھ شدید تصادم پیدا کیا، اور امتِ مسلمہ کو کافی نقصان پہنچایا، لیکن اب جبکہ یہ خود راکھ بن چکا ہے۔ اسلامی اقدار کے لئے خوفناک حد تک مہلک نہیں بن سکتا۔

اشتراکیت اور اشتمالیت کا معاملہ اس سے بہرحال مختلف ہے۔ یہ نظام "انفرادیت" کو پوری طرح شکست دے کر پوری قوت اور توانائی کے ساتھ دنیا میں ابھرا ہے اس کی رگوں میں تازہ خون جاری ہے، یہ تسخیر کے بڑے اونچے عزائم رکھتا ہے یہ تمام مخالف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظامہائے حیات کو مٹا کر پوری دنیا پہ اپنا تسلط اور برتری قائم کرنے کا عزم بالجزم رکھتا ہے
فی الحال اس کے مزاج میں بلا کی طوفان خیزی ہے۔ اور یہ "ہر نقش کہن" کو باطل سمجھ کر دنیا
سے نیست و نابود کرنا اپنا اولین اور بنیادی فرض سمجھتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے اس نظام نے
جس معاشرے میں بھی اپنے قدم جمائے، اس معاشرے کے سارے افکار و نظریات
تہ و بالا ہو کر رہ گئے۔ وہ اقدارِ حیات جو کبھی اسے جان سے زیادہ عزیز تھیں اور جن کی وجہ سے
اسے دنیا میں سربلندی حاصل ہوئی تھی، سب حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔ اس کی وجہ
سے لوگوں کے فکر و نظر کے زاویے بدلے، خوب و ناخوب کے پیمانے بدلے، عزت و آبرو کے
معیار بدلے، غرض پوری زندگی اپنے سارے مقتضیات کے ساتھ سرتاپا تبدیل ہو کر رہ گئی۔
اشتراکیت کا یہ انقلاب انگیز مزاج ہر نئے نظام کے مزاج کا خاصہ ہے۔ فلسفۂ تاریخ
کے ایک بہت بڑے مفکر نے نظامہائے حیات کے تغیر و تبدل پر بحث کرتے ہوئے بالکل
صحیح کہا ہے کہ جس طرح ایک خندق کو عبور کرتے ہوئے ایک کنارے اور اس کے دوسرے
کنارے کے مابین پاؤں جمانے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی اور انسان ایک ہی جست میں یہ
سارا فاصلہ طے کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح دنیا کا ہر نظام جو اپنی فرمانروائی
قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھا ہو اس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک ہر مخالف
نظام کو مٹا کر اپنا تسلط پوری طرح قائم نہ کر لے۔ کسی نظام حیات میں دوسرے نظاموں کے
جو مختلف پیوند لگنے شروع ہوتے ہیں تو یہ مراحل اس وقت آتے ہیں جب اس کے قیام
کے بعد اس کے علمبرداروں کی غفلت اور بے پروائی سے اس کی انقلابی روح مردہ پڑ
جاتی ہے۔

اسلام کی اقدار کا دشمن: اشتراکیت اس وقت ایک انقلاب انگیز قوت ہے۔ یہ
ایک ایسا ہمہ گیر نظامِ حیات ہے جو حیاتِ انسانی کے سارے شعبوں کو ایک خاص نہج پر
مرتب کرنے کا داعیہ رکھتا ہے۔ مذہب، اخلاق، معیشت، معاشرت، تہذیب، ادب
قانون غرضیکہ زندگی کے سارے گوشوں میں یہ ایک خاص نوعیت کا انقلاب برپا کرنا چاہتا
ہے پھر وہ اس حقیقت کو بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس مقصد کی کامیابی کا سارا دارومدار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

اس بات پر موقوف ہے کہ سب سے پہلے ہر مروجہ قدر کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے تاکہ اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے اور پھر صاف اور ہموار زمین پر اشتراکیت کا رفیع الشان قصر اس کے اپنے دل پسند نقشے کے مطابق تعمیر کیا جائے۔ اگر آپ اشتراکیت کی "کامرانیوں" کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے جس غیر معمولی جبر و تشدد اور جس سرعت کے ساتھ ماضی کے ہر نقش کو مٹایا ہے وہ تاریخ کی نہ صرف ایک نہایت ہی دلفگار بلکہ عبرتناک داستان ہے۔

آج اشتراکیت کو اپنانے کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ ہم صرف وسائل رزق کو قومی تحویل میں دینا چاہتے ہیں، تاکہ کمزور اور بے بس طبقے ظالم سرمایہ داروں کے چنگل سے آزاد ہو جائیں، بلکہ اسے اپنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی متاع حیات کو ایک بے رحم طوفان کی نذر کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مغرب کے وہ دانشور جو امت مسلمہ سے اس کی سب سے قیمتی متاع، یعنی متاع ایمان چھین کر اس کی جگہ الحاد جیسی جنس تھما دینے کا ناپاک عزم رکھتے ہیں، برسوں کے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اشتراکیت خواہ مغربی ممالک میں کتنا ہی عظیم خطرہ کیوں نہ ہو، مگر مشرقی ممالک کو مغربی تہذیب و تمدن کا پرستار بنانے کے لئے ایک نہایت مفید، مؤثر اور کارآمد ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی مدد سے مذہب اور دین کی ساری اقدار کو بآسانی مٹایا جا سکتا ہے۔ ان دانشوروں کا خیال یہ ہے کہ تہذیب و تمدن کے جن نقوش کو مغربی جمہوریت اور سرمایہ داری برسوں کی محنت اور مال و متاع کے غیر معمولی زیاں کے باوجود مٹانے میں ناکام رہی ہیں انہیں اشتراکیت کا تند و تیز ریلا بڑی آسانی کے ساتھ اپنے ساتھ بہالے جانے میں کامیاب ہو جائیگا۔

فسطائیت کا موئید: پھر بعض مسلم ممالک میں اسلامی سوشلزم کا مرکب خاص طور پر اس لئے تیار کیا گیا ہے کہ یہ نسخہ وہاں کے برسر اقتدار طبقوں کی من مانی کارروائیوں کے لئے خاص طور پر مفید اور کارآمد ہے۔ اشتراکیت کا کوئی اور فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ فائدہ تو بہر حال لازمی ہے کہ اس سے ملک کے سارے وسائل برسر اقتدار طبقے کے ہاتھ میں سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اس بناء پر اسے غیر معمولی قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے اور وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلا شرکتِ غیرے مُلک کے سیاہ و سپید کا مالک بن جاتا ہے۔

مسلم ممالک میں اسلامی سوشلزم کا جو نعرہ بڑے زور سے بلند کیا جا رہا ہے اور اسی کو ان بدنصیب ممالک کے تمام دکھوں کا مداوا بیان کیا جا رہا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے کوئی نہیں کہ ان تمام ممالک میں اقتدار کے تخت پر جو حضرات قابض ہیں چونکہ وہ رائے عامہ کی تائید سے اقتدار پر مسلّط نہیں ہوئے بلکہ مختلف قسم کی سازشوں سے انھوں نے یہ بلند مقام حاصل کیا ہے، اس لئے وہ ایسے سیاسی فلسفوں کے پرچار پر مجبور ہیں جن سے ان کے آمرانہ طرزِ عمل کی تائید ہوتی ہو۔ ان حضرات کی اِس وقت بنیادی ضرورت یہ ہے کہ وہ کسی ایسے نظریۂ حیات کو مقبول بنائیں جو ان کے بالجبر حاصل کئے ہوئے اقتدار کے لئے جواز ثابت ہو سکتا ہو، اور پھر ان کے اس اقتدار کی مدّت کو زیادہ سے زیادہ لمبا کرنے کے لئے انہیں تمام وسائل پر قبضہ کر لینے میں مدد دے۔

اس مقصد کے لئے سوشلزم سے زیادہ کون سا فلسفہ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے اس سے اصحابِ اقتدار کو اس امر کا جواز مل جاتا ہے کہ اگر آپ کے پاس قوت و طاقت ہے تو آپ اجتماعی مفاد کو آڑ بنا کر کسی معاشرے کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی نظام کو جس طرح چاہیں درہم برہم کر دیں۔ پھر یہ اجتماعی مفاد بھی کوئی ایسا نصب العین نہیں جو پورے معاشرے کے دِل کی آواز ہو بلکہ اجتماعی مفاد کا تعین کرنا برسرِ اقتدار طبقے کا اپنا ہی کام ہے۔ وہ جس مفاد کو اجتماعی مفاد کہہ دے وہی اس پورے معاشرے کا مفاد کہلانے کا مستحق ہے، اور اسی مقصد کے لئے ہر فرد کو بلا سوچے سمجھے تن من دھن قربان کر دینا چاہیئے۔ حکمران طبقہ کے مشخص کردہ اجتماعی مفاد کے سوا اور کوئی مفاد اجتماعی نہیں ہو سکتا اور جو شخص بھی اِس سے سرمو انحراف کرے یا اس سے معمولی اختلاف کرے وہ ملک و ملّت کا انتہائی بدخواہ اور دشمن ہے، اور جو چیز بھی اس کے حصول کی راہ میں حائل ہو اسے برباد کرنا قوم کا اہم فریضہ ہے، چنانچہ اسی اجتماعی مفاد کے حضور میں مسلمان قوم کو اپنی مقدس روایات تک کے نذرانے پیش کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے اور اس سے اِس بات کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی ہر قیمتی سے قیمتی چیز کو اس اجتماعی مفاد کی بھینٹ چڑھا دے۔ اس قسم کا آمرانہ طرزِ فکر اور جابرانہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرزِ عمل کسی ایسے معاشرے میں کس طرح پنپ سکتا ہے۔ جس میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے رائے عامہ کی تائید ضروری ہو اور جس میں قوم کی فلاح و بہبود کا فیصلہ صرف برسرِ اقتدار طبقے کا پیدائشی حق نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ اس کے تعین میں عوام کی رائے کو بھی کافی عمل دخل حاصل ہو جب معاشرے میں اقتدار جبر کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو اور جس میں حکمران طبقہ اپنی کبریائی کے مدت دراز تک ٹھاٹھ جمانے کے ارمان رکھتا ہو اس کے لیے کارگر نسخہ صرف اشتراکیت ہے۔

www.KitaboSunnat.com

پاکستان اور بعض دوسرے مسلم ممالک میں اسلامی سوشلزم کا جو غلغلہ بلند ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہاں اسلام کا احیاء مقصود ہے بلکہ یہاں صرف یہ مقصد کام کر رہا ہے کہ اسلام نے فرد کو جو حقوق و مراعات دیئے ہیں انہیں سلب کرکے اور اس نے اس کی آزادی کا جس طرح احترام کیا ہے اس کی یکسر نفی کر کے اشتراکیت کی اجتماعی جکڑبندیوں کے لئے زمین ہموار کی جائے۔ اس ظالمانہ نظام کو اپنانے کا مقصد یہ ہے کہ ملک کے تمام وسائل رزق پر حکومت کا پورا قبضہ ہو اور وہ رازقِ مطلق بن کر جس کو جتنا چاہے اس کی وفاداری کے مطابق دیتی رہے۔ جو شخص روٹی کے ایک ایک نوالے کے لئے دوسروں کا محتاج اور دستِ نگر ہو وہ آخر اپنے ضمیر اور ایمان کے مطابق کس طرح کوئی قدم اٹھا سکتا ہے۔ وہ لازمی طور پر اسی راستے پر گامزن ہوگا جس پہ اس کے "آقائے ولی نعمت" چلانا چاہتے ہیں۔

اگر مسیحی ممالک میں جہاں مذہب کا کوئی جامع تصور نہیں اشتراکی انقلاب مال و جان کے بغیر معمولی زیاں کے بعد آیا ہے تو اسلامی ممالک میں اس انقلاب کو برپا کرنے کے لیئے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں جانیں تلف کرنی پڑیں گی۔ ممکن ہے چند لوگ اجتماعی انصاف کا خوش کن نعرہ سن کر آغاز میں دھوکہ کھا جائیں، لیکن جب ان سے عملاً یہ تقاضا ہوگا کہ وہ خدا کی کبریائی کو چھوڑ کر برسرِ اقتدار طبقہ کی خدائی تسلیم کریں تو وہ اسے کسی صورت میں بھی پورا کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے [illegible] اقتدار جب ان سے اپنی خدائی بالجبر منوانے کے لئے [illegible] خون ہوگا اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

مکتبہ الرحمانیہ
99۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
17473

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مادرِ علمی لاہور میں

صحت مند ادبی اور معیاری اسلامی کتب کا سب سے بڑا ادارہ



عربی کی نادر و نایاب کتب

اردو کا عظیم سرمایۂ علم و دانش

انگریزی کا بہترین لٹریچر

اور

نوادراتِ خطاطی و مصوری

تشریف لائیے

اور

اپنے ذوق کی کتب کا انتخاب کیجیے

شوروم

اسلامک پبلشنگ ہاؤس

۲- شیش محل روڈ (متصل اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی چوک) لاہور